۳۸
۱۴

۱۴

كتاب الطهارة

اس کے متعلق چند بحثیں ہیں اجمالی طور پر ان کی کوشش :-

بحث اول :- کتاب الطہارۃ کی حد اضافی ہے۔ کتاب مشتق ہے کتب سے جس کے معنی جمع کرنے کے چونکہ اس کے اندر بہت سے حروف کو جمع کیا جاتا ہے۔ کتاب کا اصطلاحی معنی ہیں جو کا لفظ مسائل مستقلہ شملت انواعا اولم تشتمل۔ طہارۃ کی لغوی معنی حسیہ ہیں ضمہ کی صورت میں اس پانی کا نام ہے جو استعمال کے لیے بچ جائے اور بفتح الطاء نظافت کا معنی ہیں اور بکسر الطاء اس پانی کو جس سے طہارۃ حاصل کی جائے۔ بعض نے کہا ہے ضمہ کی صورت میں ازالہ حدث ہے اس کا اطلاق کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ کسی فرماتے ہیں کہ طہارۃ بفتح الطاء نظافت عن الاقذار کو نام ہے یعنی گندگیوں سے پاکی حاصل کرنا خواہ وہ گندگی حقیقی ہو یا حکمی ہو۔ اور اصطلاح میں طہارۃ کا معنی ہیں النظافۃ عن الحدث والخبث۔ طہارۃ کے سبب میں علماء کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک طہارۃ کا سبب وجوب صلوٰۃ ہے اور بعض کے نزدیک خروج حدث۔ اس پر اعتراض ہوا کہ حدث تو نقض طہارۃ کا سبب ہے نہ کہ موجب طہارۃ کا سبب۔ اس کا جواب دیا گیا کہ اگر وہ ایک حیثیت نقض کا سبب اور دوسری حیثیت سے وجود کا سبب ہو تو کوئی نقصان نہیں ہے —

بحث ثانی :- یہ اضافت کیسی ہے؟ جمہور فقہاء کے نزدیک یہ اضافت لامیہ ہے ای کتاب مخصوص فی الطہارۃ اور بعض فقہاء کے نزدیک اضافت بیانیہ ہے —

بحث ثالث :- ترکیب کے اعتبار سے کیا ہے؟ بعض کے نزدیک مبتدا محذوف کی خبر اور بعض کے نزدیک مبتدا اور اس کی خبر محذوف ہے اور وہ هذا ہے اور بعض نے فعل مقدر مانا کر

۳۸
۱۴

اسکو منصوب پڑھا ای خذ کتاب الطہارۃ یا اقرأ کتاب الطہارۃ ۔

بحث رابع :- ماقبل سے کیا مناسبت ہے ؟ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ علم کا نتیجہ عمل ہے اور نتیجہ موخر ہوتا ہے لہذا علم کے بعد ابواب عمل کو شروع کرتے ہیں ۔ دوم یہ کہ عبادت مقتضی ہے سبب تخلیق عباد کا ہے اور عبادت بارگاہ ایزدی میں حضور ہوتا ہے اور یہ نماز ہے جس میں سب سے زیادہ تکلیف ہے لہذا اس میں نظافت کی ضرورت ہے یعنی جس جگہ آپ جائیں وہاں کا مناسب اور موزوں ہونا کا اختیار کرنا ضروری ہے لہذا ضروری ہوا کہ ہم ظاہری و باطنی نظافت حاصل کریں اور نظافت کی دو قسمیں ہیں ایک باطنی اور ایک ظاہری تو ماقبل میں نظافت باطنی یعنی ایمان کو بیان فرمایا اور نظافت ظاہری طہارت ہے اسکو یہاں سے بیان فرماتے ہیں تاکہ ان دونوں کا حصول ہو کہ یہ عبادت کا حق پورا پورا ادا ہو جائے چنانچہ اسکے بعد فوراً عبادات کا بیان شروع ہو رہا ہے نیز چونکہ ان دونوں نظافتوں اور ان کا منافیات کا علم ضروری ہے اس وجہ سے ان دونوں کا درمیان میں علم کو بیان فرمایا ۔

بحث خامس :- طہارۃ کے اقسام کے بیان میں ۔ طہارۃ کی دو قسمیں طہارۃ کبریٰ ۔ طہارۃ صغریٰ اول کا استعمال حدث اکبر میں ہوتا ہے اور حدث اکبر کہتے ہیں جو تمام اعضاء کے دھونے کو واجب کرے اور ثانی کا استعمال حدث اصغر میں ہوتا ہے اور حدث اصغر کہتے ہیں جو واجب کرے اعضاء اربعہ کا دھونے کو ۔ یہ پانچ بحثیں مکمل ہو گئیں ۔

281 الفصل الاول :- عن ابی مالک الاشعری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ ۱۴
حضرت ابو مالک صحابی ہیں قلیل الروایۃ ہیں حضرت عمر کی خلافت میں انتقال فرمایا فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ الطہور شطر الایمان امام نووی ابن الانباری سے نقل فرماتے ہیں کہ طہور بضم الطاء مصدر اور بفتح الطاء اسم ہے ۔ ابو حاتم سجستانی خلیل و اصمعی کہتے ہیں کہ بفتح الطاء مصدر و اسم دونوں ہے ۔ امام نووی نے مطالع سے نقل کیا کہ بضم الطاء مصدر و اسم دونوں کو شامل ہے اور بعینہ یہ تین مذہب وضو میں ہیں ۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ اکثر اہل بضم الطاء ہے بعض علماء نے فرمایا کہ اور یہاں پر بفتح الطاء ہے بہر حال اگر اسکو بفتح الطاء کی صورت میں مصدر مانا جائے تو حذف کا ماننے کی ضرورت نہیں اور اگر اسم مانا جائے تو لفظ استعمال محذوف ہوگا ای استعمال الطہارۃ شطر الایمان ۔ شطر کا معنی جزء اور نصف دونوں کے ہیں اگر بمعنی دوسرے معنی نصف کے لئے جائیں تو اسکے مختلف مطالب علماء نے بیان فرماتے ۔ اول مطلب یہ کہ طہارۃ کا ثواب ایمان کے نصف ثواب کے برابر ہے ۔ دوم یہ کہ ایمان معاصی کو ختم کرتا ہے اور طہور بھی لیکن ایمان بغیر طہارۃ کے معاصی کو ختم کر سکتا ہے اور طہور بغیر ایمان کے معاصی کو نہیں

۳۸/۱۴ ختم کر سکتا اس وجہ سے اسی طہور کو نصف قرار دیا گیا۔ دوسرے یہ کہ ایمان کے ذریعہ کبائر اور صغائر دونوں معاف ہو جاتے ہیں اور طہور کے ذریعہ صرف صغائر معاف ہوتے ہیں اس وجہ سے نصف ہے۔ تیسرے یہ کہ ایمان کے ذریعہ طہارت باطنی اور طہور کے ذریعہ طہارت ظاہری حاصل ہوتی ہے تو اس اعتبار سے تنصیف ہوتی ہے۔ چوتھے یہ کہ ایمان سے مراد صلوٰۃ ہے جیسے قرآن پاک میں ہے وما کان اللہ لیضیع ایمانکم ای صلوٰتکم اس صورت میں مطلب ہوگا کہ طہارت صلوٰۃ کا شطر یعنی نصف ہے۔ اس اعتراض ہوگا کہ شطر تو شی کی حقیقت میں داخل ہوتا ہے اور طہارت نماز کی حقیقت سے بالاتفاق خارج اور شرط ہے اس کا جواب دیا گیا کہ اگرچہ شرط ہے لیکن یہاں اسکو شطر شدت اہتمام کی وجہ قرار دیا گیا کیونکہ جسطرح شی کا وجود شطر پر موقوف ہے ایسے ہی صلوٰۃ کا وجود طہارۃ پر موقوف ہے یہ تمام مطلب اس وقت ہے جبکہ شطر کے معنی نصف کے ہوں اور اگر شطر کے معنی جزء کے لئے جائیں تو مطلب ہوگا کہ طہارۃ ایمان کا جزء ہے۔ اعتراض وارد ہوگا کہ اس سے لازم آیا کہ ایمان تجزی کو قبول کرتا ہے حالانکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایمان میں تجزی نہیں ہے۔ جواب یہ کہ ایمان اجزاء سے یہاں ایمان کے مکملات مراد ہیں نہ کہ اصل اور اصل کا جزء میں وارد ہوا ہے اسباغ الوضوء شطر الایمان اس صورت میں علامہ ابوالحسن سندی کی صفوۃ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب اس وقت درست ہو سکتا ہے جبکہ ایمان سے

۱۵ صلوٰۃ مراد لیجائے ورنہ نہیں۔ والحمد للہ تملأ المیزان وسبحان اللہ الخ یعنی الحمد للہ کا ثواب ترازوئے اعمال کو بھر دیتا ہے جبکہ اجسام کی شکل میں اسمیں وزن کیلئے پیش کیا جائیگا۔ چنانچہ ملا علی قاری نے علماء سے نقل فرمایا کہ قیامت میں حساب کے دن جو چیزیں یہاں اعراض ہیں وہ اجسام متشکل ابوالحسن سندی فرماتے ہیں کہ اعمال کی ترازو کا وجود جز ایمان ہے لانا ایمانیات میں داخل ہے تمام صحابہ تابعین کا وجود پر اجماع ہے معتزلہ کے نزدیک اسیطرح مجاہد کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے گویا اسکے وجود کا منکر ہیں اور میزان سے مراد ان کے نزدیک عدل ہے کیونکہ اعمال اعراض ہیں اور اعراض کیسے تولے جا سکتے ہیں اس کا جواب ہمارے اوپر ہے جیسے قرآن پاک میں وارد ہوا ونضع الموازین القسط اور موازین میزان کی جمع ہے جسکے معنی حقیقی ترازو کے ہیں اور جب حقیقت پر عمل ممکن ہے تو اسکے معنی مجازی کے عدل کیسے مراد لے سکتے ہیں۔ اس بارے میں اختلاف ہے احادیث میں کہ وزن اعمال کا ہے یا کسی اور چیز کا؟ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ وزن اعمال کا ہوگا اور ابوالعباس قرطبی نے تعمیم فرمائی ہیں کہ صحائف الاعمال کا وزن ہوگا لیکن حافظ عسقلانی وغیرہ نے اول کو راجح قرار دیا۔ دوسرا اختلاف احادیث میں ہے کہ اعمال کی ترازو ایک ہے یا چند؟ بعض کے نزدیک ایک ہے اور بعض کے نزدیک چند ہیں جیسا اوپر کی حدیث میں موازین سے معلوم ہوا۔

281 تملأ ما بين السموات والارض حضرت ابوالحسن سندی کا مضمون فرماتے ہیں کہ جب وہ لفظ الحمد للہ سے ۳۸/۱۵
میزان اعمال بھر جائیگی تو پھر اسکے باقی اعمال کو کہاں تولا جائیگا بہر حال اسکا جواب دیتے ہیں کہ اجسام
کی دو قسمیں ہیں ایک لطیف ایک کثیف۔ اعمال تو اجسام لطیفہ کے اعتبار سے تولے جائینگے اور اجسام
لطیفہ میں اسمیں تداخل ہو جاتا ہے مثال کے طور پر ایک کمرہ میں بجلی کا بلب ہے تو روشنی سے پورا کمرہ
روشنی سے بھر جائیگا لیکن اگر دوسرا بلب اور لگا دیا جائے تو اسکی روشنی کے اجزاء بھی اسی میں
سمائینگے غرضیکہ جتنے بلب بھی جلیں گے اسکے اندر سماتے چلے جائینگے تو اسمیں انکے اجزاء کا تداخل ہو جائیگا۔
والصلوۃ نور امام نووی فرماتے ہیں کہ جسطرح نور کے ذریعہ انسان غلط راہ سے بچتا ہے اسی طرح
نماز کے ذریعہ انسان فحشاء اور منکر سے بچتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا کہ نماز خود بھی نور ہے
اور نور والا نور ہے۔ تیسرا مطلب یہ کہ نماز کے ذریعہ انوار پیدا ہوتے ہیں۔ چوتھا مطلب یہ کہ
دنیا اور آخرت میں نور کا کام دیتی ہے دنیا میں تو نمازی کا چہرہ منور ہوتا ہے اور آخرت میں
نماز نور بنکر آگے چلتی ہے۔ یہ چار مطلب شیخ الاسلام محی الدین نووی نے بیان فرمائے۔ پانچواں مطلب
یہ کہ قبر میں نماز نمازی کے لیے نور ہوگی اور چھٹا مطلب یہ کہ صراط مستقیم پر نور ہوگی —
والصدقۃ برہان یعنی جب قیامت میں صدقات کا ادا کرنے کے متعلق سوال ہوگا تو صدقہ خود
برہان اور گواہ بن جائیگا انفاق پر۔ دوسرا مطلب یہ کہ صدقہ برہان الایمان ہے کیونکہ منافق صدقہ
نہیں دیتا۔ والصبر ضیاء بعض نے تعبیر کا بیان فرمایا کہ صبر کی تین قسمیں ہیں۔ صبر عن المعاصی۔ صبر علی ۱۵
الطاعات۔ صبر علی المصائب۔ اول کا مطلب یہ کہ معاصی کو ترک کر دینا اور جب معاصی ختم ہو جائینگے
تو ظلمت بھی ختم ہو جائیگی اور ایمان کا نور زیادہ ہوگا غرضکہ ان تینوں میں صبر کا استعمال سے
ظلمات کا خاتمہ ہوگا اور نور پیدا ہوگا۔ لیکن علماء نے بیان فرمایا کہ صبر سے مراد صوم ہے کیونکہ آدمی اگر
بھوکا رہے تو اسکی وجہ سے قلب اور باطن میں نور آجاتا ہے۔ اب اعتراض ہوا کہ صلوۃ کو نور
اور ضیاء قرار دیا حالانکہ ضیاء صفت اقوی کی ہے لہذا ضیاء بھی قوی ہوگی اور نور صفت اضعف کی
لہذا نور بھی ضعیف ہوا جیسا کہ قرآن پاک میں ہے وجعل الشمس ضیاء والقمر نورا تو بیان شمس
اقوی اور قمر اضعف ہے لہذا حدیث سے معلوم ہوا کہ صلوۃ صبر سے بڑھا ہوا ہے جواب یہ کہ صبر کی ضرورت
ہر آن میں پڑتی ہے خواہ وہ نماز ہو یا غیر نماز اسوجہ سے اسکا درجہ بڑھا ہوا ہے اور اگر صبر سے مراد
صوم ہو تو سبب یہ ہے جو ماتن نے مطلب بیان فرمایا کہ صوم نماز سے افضل ہے کیونکہ صوم بارگاہ ایزدی
کی صفت ہے اور صلوۃ صفت عبودیت ہے لیکن حق یہ ہے کہ تحقیق عبادت کی غرض سے ہے لہذا
افضل تو نماز ہے تمام عبادات میں البتہ چونکہ صبر کی ضرورت نماز اور اسکے علاوہ ہوتی ہے اسوجہ

281 استعارہ ہے اس اعتبار سے بر ہوگیا والقرآن حجۃ لک او علیک اور قرآن تیرا نفع کیلئے حجت ہوگا ۳۸/۲۵
اگر تو اس پر عمل کرے اور تیرا نقصان حجت ہوگا اگر تو اس پر عمل نہ کرے پھر آپ نے فرمایا ہر انسان
صبح کرتا ہے اور فروخت کرنا والا ہے اپنے نفس کا اس کا حصہ کو یعنی انسان اپنے نفس کو کچھ لذت
چیز حاصل کرنا دیتا ہے یا پس دیتا ہے اول صورت میں وہ اس نفس کو آزاد کرنا والا ہوتا ہے دوسری
صورت میں اس کو ہلاک کرنا والا ہے ۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ فروخت کرنے والا ہے اپنے نفس کو
اللہ کیلئے خریدا اس نے بدلہ یعنی اگر خیر کا التفات کرتا ہے تو گویا وہ اپنے نفس کو اللہ کا عوض آزاد کر دیتا
جس کا ثواب کا ملتا اور آخرت میں اس کا نفس آزاد ہوگا ہر قسم کے عذاب سے اور اگر شر کا کام تو اپنے
نفس کو بیچ دیا شیطان کے ہاتھ جو اس کو ہلاک کرنا والا ہے ۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ بائع کو مشتری
کا معنی میں لیں اور مطلب ہوگا وہ اپنے نفس کو اللہ سے خریدتا ہے اور عمل خیر کا ذریعہ اس کو عذاب
سے چھڑوانے اور آزادی دلانے ہے اور عمل شر کا ذریعہ ہلاک کرتا ہے اور تینوں معنی میں فرق یہ ہے کہ
اول صورت میں بائع وہ خود اور مشتری کا نفس ہے اور ثانی صورت میں بائع وہ خود اور مشتری اللہ تعالیٰ
ہیں اور نفس مبیع ہے اور ثالث صورت میں وہ خود مشتری اور اللہ تعالیٰ بائع اور نفس مبیع ہوگا
ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ بیع سے یہاں مجاز مراد ہے یعنی وہ اپنے نفس کی ایک حالت کو دوسری
حالت کیطرف منتقل کر دیتا ہے ۔

282 عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الا ادلكم على ما يمحو الله به 18
حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کیا میں ایسی چیز نہ بتلادوں جو خطاؤں کو مٹا دے ۔ خطاؤں کا
مٹنے دو مطلب بیان فرماتے اول یہ کہ اللہ تعالیٰ حقیقۃً مٹا دے اعمالنامہ سے ان اعمال کو مٹا دیتے ہیں
دوسرا مطلب یہ ہے کہ کنایہ ہے مغفرت سے یعنی اللہ تعالیٰ کے ذریعہ تمہاری مغفرت فرما دیں گے
ويرفع به الدرجات یا تو جنت میں درجات بلند فرمائیں گے یا دنیا و آخرت دونوں میں دنیا میں
ذکر جمیل کیساتھ اور آخرت میں اجر جزیل کیساتھ ۔ صحابہ نے اس سوال و جواب کا ذریعہ کیوں
شنید یا و سیے ہی ارشاد فرماتے اسکا جواب دیا گیا تاکہ اوقع فی النفس ہوجائے آپ نے فرمایا اسباغ الوضوء 19
اسباغ کا تین درجے ہیں ۔ واجب، سنت، مستحب ۔ مطلب اسباغ واجب یہ ہے کہ تمام اعضاء کو ایک
مرتبہ دھوے اور اسباغ سنت یہ ہے کہ تین مرتبہ دھوئے اور اسباغ مستحب یہ ہے کہ اطالہ غرہ یعنی کہنی
اور ٹخنوں سے اوپر تک دھوئے ۔ کلمات مکارہ کی جمع ہے جس کے معنی مشقت کے ہیں یعنی مشقت
کے باوجود کامل وضو کرنا جیسے سردی ہے ۔ جسم میں کوئی تکلیف ہے یا پانی نہیں ملتا یا خرید کر
ملتا ہے ۔ جیسے گرمی ہے ۔ کام ہو رہا ہے وغیرہ وغیرہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر گرم پانی کم ملتا

282 شب بھی یہی فضیلت ملیگی غرضیکہ مذکورہ ثواب مشقت ہے جسکو یعنی جتنا کام میں جو نکلے اسکا ذریعہ ۳۸/۱۹
بھی جتنا زیادہ ہوگی ہے وکثرة الخطی الی المساجد ابن سید الناس نے بیان کیا کہ جو شخص
دور سے آئیگا وہ اس فضیلت کا مصداق ہے ملا علی قاری نے فرمایا کہ دار بعیدہ پر محمول
کرنا ضروری نہیں بلکہ کثرۃ خطا سے کثرۃ آمد و رفت مراد ہے اگر گھر قریب بھی ہو تب بھی
بار بار آنیجانیکہ آمد و رفت سے کثرۃ خطا متحقق ہو جائیگا۔ علماء کا اختلاف ہے اسبات میں
کہ افضل دار قریبہ ہے یا دار بعیدہ، بعض کے نزدیک دار قریبہ افضل ہے کیونکہ حضور نے بعض
احادیث میں بعد کو شوم اور نحوست سے تعبیر فرمایا ہے دوسرے علماء کے نزدیک دار بعیدہ افضل ہے
وانتظار الصلوٰة بعد الصلوٰة علامہ ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں کہ یہ دو طریقے سے ہوتا ہے
ایک یا جلوس کیساتھ خواہ مسجد یا گھر میں بیٹھکر نماز کا انتظار کرے اور دوم قلبا سے ہوتا ہے
یعنی وہ اپنے کاروبار میں لگا ہوا ہے لیکن اسکا قلب متوجہ ہے کہ نماز کا وقت ہو تو نماز کیلئے
چلوں۔ علامہ ابو الولید باجی فرماتے ہیں کہ اس سے چار نمازیں مراد ہیں ایک ظہر سے عصر تک
اور ایک مغرب سے عشاء تک اور عشاء سے فجر تک انتظار معتاد نہیں البتہ فجر سے ظہر
تک انتظار معتاد ہے جو اسمیں داخل ہوگا اور عصر سے مغرب تک کے متعلق کوئی اور ایسا
نہیں ملی مگر حضرت شیخ الحدیث نے عصر سے مغرب تک کو بھی اس حکم میں داخل فرمایا۔

فذلکم الرباط علامہ سندی اور علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ ذلکم کا مشار الیہ ماقبل کی تینوں چیزیں 19
ہیں یعنی اسباغ الوضوء، کثرة خطی، انتظار الصلوٰة۔ حافظ ابن عبد البر کے نزدیک مشار الیہ
صرف انتظار صلوٰة ہے۔ رباط کا مطلب سمجھو قرآن پاک میں جو لفظ رابطوا آیا ہے یا ایہا
الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا میں جو رباط ہے تینوں اجزاء اس رباط کی تفسیر ہیں یعنی جو
شخص کسی سرحد پر جہاد کیلئے ہوتا ہے کوئی رباط بنائے یعنی مسافر خانہ جتنا ثواب اسکو ملیگا
اتنا ہی ان تینوں اجزاء پر عمل کرنے والوں کو ملیگا اور وجہ یہ ہے کہ وہ تو اعداء سے جہاد کرتا ہے
اور یہ شخص اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے۔

284 (۲۰) عن عثمان قال قال الخ عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الخ ۲۱
اس سے وضو کا مطلب یہ ہے کہ اسکے فرائض واجبات ومستحبات کی رعایت رکھے ایسے ہی آداب کی بھی
من تحت اظفارہ اس سے یہ وہم دور کر دیا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ حصہ سخت ہے ظاہر ہے بیان
سے یہ شک دور ہو مقصود یہ ہے کہ تمام اجزاء سے خطایا نکل جاتی ہیں علامہ عینی فرماتے ہیں
285 ان خطایا سے صغائر مراد ہیں۔ دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ کی ہے فرماتے ہیں کہ جب ۲۳

285 عضو مسلم یا مومن کا دھونا مقصود ہے۔ علامہ عبدالولید باجی فرماتے ہیں کہ یہاں او شک کیلئے ہے اور مسلم و مومن ۳۸/۲۳
فاعل دونوں کا صیغہ ہیں لہذا مسلم و مومن دونوں ہی داخل ہو گئیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب وہ اپنے چہرہ کو دھوتا
تو تمام خطائیں اسکی نکل جاتی ہیں جنکی طرف وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اب یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ وجہ
میں آنکھ ناک کان سب ہی ہیں لہذا صرف آنکھ کی تخصیص کیوں کی؟ علامہ عینی اور ابن العربی جواب
دیتے ہیں کہ چونکہ ناک اور منہ کیلئے مستقل وظیفہ یعنی استنشاق و مضمضہ ہے لہذا انکے گناہ تو ان دونوں
وظیفوں سے جھڑ جاتے۔ باقی آنکھوں کے متعلق شبہ تھا اسکو یہاں ذکر کر دیا۔ چونکہ علامہ عینی فرماتے
ہیں کہ العین رائد القلب یعنی آنکھ تمام اشیاء کو کھینچ کر قلب تک پہنچاتی ہے چونکہ آنکھ کا گناہ آنکھوں
سے شروع ہوتا ہے مع آخر الماء او آخر قطر الماء میں بھی او شک کیلئے ہے اور خروج خطایا کنایہ ہے
مغفرت سے لیکن علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ حقیقت پر محمول کرنا اولی ہے کیونکہ گناہ کا
اعضاء میں ایک اثر ہوتا ہے اور جب توبہ و استغفار کرتا ہے تو وہ اثر زائل ہو جاتا ہے۔ بعض
لوگوں نے کہا کہ او آخر قطر الماء میں او تنویع کیلئے ہے یعنی کسی کے گناہ پہلے ہی اور بعض کے گناہ آخر
تک پہنچتے ہیں تو معاف ہوتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتا ہے تو نکل جاتی ہیں اسکی
دونوں ہاتھوں سے وہ خطائیں جنکو ان دونوں ہاتھوں نے پکڑا ہے **بطشتها یداہ** کے دو مطلب ہیں ۲۴
ایک یہ کہ خطیئات سببیہ ان خطاؤں کے سبب کو ان ہاتھوں نے لیا۔ دوسرا یہ کہ بطشتها یعنی ان ہاتھوں نے جو
خطائیں کیں۔ پھر جب رجلین کو دھوتا ہے تو ہر وہ خطا نکل جاتی ہے جسکی طرف اسکے قدم چلے
حضرت شیخ عبدالحق دہلوی نے فرمایا کہ **مشتها** کا مطلب مشت الیہا ہے ملا علی قاری نے عبارت یہ نکالی
مشت بسببہا۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ مشتها کی ضمیر خطیئة کیطرف جو خطیئات سے مفہوم ہو رہا ہے
لوٹ رہی ہے ہر حال جب اسکی وضو کامل ہو جاتی ہے تو وہ بالکل صاف نکل آتا ہے **من الذنوب**
گناہوں سے۔ اسکے اندر اختلاف ہے کہ ذنوب سے صغائر مراد ہیں یا کبائر بھی؟ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ صغائر
مراد ہیں کیونکہ کبائر کا توبہ کے بغیر نصوص میں مشروط ہے لیکن حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ اور علامہ ابن الحاج اسکو
مقید ذنوب سے صغائر و کبائر سب ہی مراد ہیں۔ کیونکہ حدیث میں حضور نے لفظ نحو وضوئی ہذا
ارشاد فرما کر حکم مرتب فرمایا اور مشتق پر ترتب حکم کیلئے علت اسکا ماخذ ہوتا ہے لہذا اسلام
والی گناہوں کی بات ہو وصف ہونا کی علت ہے اور اسلام کے معنی گردن جھکانا یعنی اطاعت کرانا کا
ہیں اور ایمان کے معنی اذعان و تصدیق کے ہیں تو جو شخص اپنے مولیٰ پر یقین و اعتماد اور تسلیم
فرمانبرداری کرلیگا وہ یقیناً کبائر سے تو وہ خود توبہ کرلیگا لہذا ایسی صورت میں کبائر کے معاف ہونے
پر کوئی اشکال نہیں رہا۔ اب یہاں پر اشکال ہوتا کہ ذنوب سے اگر تمام ہی گناہ مراد لئے

۳۸/۲۴ جاتی ہیں تو صحیح ہے اور اگر صرف اعضاء وضو کے گناہ دھلتے ہوں تو اب یہ حدیث معارض ہوگی 285
حضرت عثمان کی اس حدیث کا جس میں ہے کہ تمام بدن کے گناہ ہر ایک کا کفارہ ہو جاتا ہے اسکا
جواب دیا گیا کہ اگر وضو ذکر الٰہی کے ساتھ ہو تو اس سے تمام بدن کے ذنوب معاف ہوں گے
اور اگر ذکر الٰہی کے ساتھ نہیں تو صرف اعضاء اربعہ کے —

۲۶ **عن عثمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من امرء مسلم الخ** 286
صلوٰۃ مکتوبۃ یعنی فرض نماز میں صلوٰۃ بمعنی فرض کو کہتے ہیں **خشوعہا** خشوع کہتے ہیں انقیاد
للہ تعالیٰ کو پھر انقیاد کی دو قسمیں ظاہری اور باطنی۔ انقیاد ظاہری کا مطلب یہ ہے کہ اپنے تمام
اعضاء ظاہری کو حضرت حق جل مجدہ کے حکم کے تابع بنا لے اور انقیاد باطنی کا مطلب یہ ہے کہ
قلب فرمانبردار بنا لے۔ آپ نے ارشاد فرمایا نہیں ہے کوئی مسلمان اور وہ اچھی طرح وضو کرے
اور رکوع کرے اور خشوع کرے مگر یہ کہ ہو جاتا ہے یہ چیز اس کا کفارہ اسکے پچھلے گناہوں کیواسطے۔
ورکوعہا علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ رکوع اور سجدہ میں سے صرف ایک کو ذکر فرمایا کیونکہ دونوں متقارب
ہیں ایک کا ذکر سے دوسرا سمجھ میں آگیا۔ اب اعتراض ہوگا کہ صرف سجدہ کو ذکر کرتے تو شرف کی
بنا پر یہ ہو جاتا بجائے رکوع کو کیوں ذکر فرمایا؟ قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ رکوع اس واسطے
ذکر کر دیا گیا بخلاف پہلی امتوں کے ان میں رکوع ہر شخص کیلئے نہ تھا مگر خاص خاص افراد کو
یہ عطا کیا گیا تھا۔ مثلاً حضرت مریم وغیرہ کو۔ دوسرا نماز میں چونکہ سب سے پہلے تغیر ایک حالت
سے دوسری حالت کی طرف اسی سے ہوتا ہے اس وجہ سے اسکو ذکر کر دیا (یہ قول شیخ دہلوی کا ہے)
۳ جواب چونکہ رکوع سے نماز پوری پوری مل جاتی ہے اور سجدہ سے نہیں اس وجہ سے ذکر کر دیا۔
یہ جواب ضعیف نظر آتا ہے کیونکہ تو پھر کسی رکعت میں بھی مل سکتی ہے ان تمام جوابات
کی ضرورت نہیں کیونکہ خشوع کے سجود میں وارد ہیں اور رکوع سے متقدم اس وجہ سے ذکر دیا گیا
۲۷ عبادت کا مقصد اصلی تذلل ہے اس سے حاصل ہوتا ہے — مالم یؤت کبیرۃ مسلم وغیرہ بخاری
میں صیغہ مجہول و معروف دونوں کیساتھ ہے اور دونوں صورتوں میں کبیرۃ منصوب ہوگا لیکن
۳۹/۱ اصل نسخہ میں مالم یؤت کبیرۃ ہے **ذلک الدھر کلہ** ذلک کا اشارہ الیہ علامہ زین
الدین عراقی کہتے ہیں ذلک التکفیر ای التکفیر بسبب الصلوۃ فی زمان کلہ (۲) اشار الیہ علامہ
طیبی ان کبیرۃ ہے ای عدم الاتیان بالکبیرۃ سے الصلوۃ کفارۃ للذنوب الدھر کلہ اور بعض لوگوں نے
اسکی تفسیر یعنی یہ بیان کی ہے کہ یہ تکفیر سارے زمانے کے گناہوں کی ہوگی لیکن یہ معنی مراد نہیں

۳۹
۱

287 عنہ انہ توضأ فافرغ علی یدیہ ۔ عن عقبۃ بن عامر ما من مسلم یتوضأ الخ
توضأ یہ اجمالی لفظ ہے اور فافرغ سے تفصیل بیان کرتے ہیں یا یتوضأ سے مراد ارادۃ الوضوء
اس صورت میں فافرغ سے پہلے ذکر کیا ہوگا۔ مضمضۃ کے معنی اور ادارۃ الماء فی جمیع الفم کے ہیں
واضح رہے کہ وضو میں کلی اور پھر ناک میں پانی اور اس کے بعد پورے چہرہ کا دھونے کا حکم دیا گیا
اس وجہ سے کہ ان کا تعین وصف میں سنۃ ہے ہوں ۔ تو کلی کا حکم دیا تاکہ اس کا ذائقہ معلوم ہو جائے
کہ خراب تو نہیں ہوا اور ناک میں پانی کا حکم دیا تاکہ بو معلوم ہو جائے اور جب آیا چہرہ کو
دھونے لگے تو چلو بھر کر جب سامنے لائے گا تو رنگ معلوم ہوگا جس میں تغیر ہوگی اس سے لون کا علم ہو جائے گا
حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ پہلے مضمضہ اور استنشاق کا حکم دیا اور ہر عضو کا کیونکہ اول درجہ میں
ہیں اور جو فرض ہے تو احتیاطاً فرض کو مؤخر کر دیا کہ اگر کچھ کوتاہی ہو تو پہلے ہی سنتوں میں ہو جائے
بہر حال آپ نے وضو فرمائی اور فرمایا میں نے حضور کو دیکھا آپ نے وضو فرمائی نحو وضوئی ہذا جیسی
وضو۔ آپ نے نحو فرمایا مثلہ نہیں فرمایا کیونکہ مماثلت میں تمام اوصاف میں اشتراک ہوتی ہے
اور ایک وضو تمام اوصاف میں حضور کی وضو کا شریک نہیں ہو سکتی قالہ النووی ۔ لیکن حافظ
ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ کہنا امام نووی کا صحیح نہیں ہے کیونکہ بخاری شریف کی کتاب الرقاق اور مسلم میں مثل
وضوئی واقع ہوا ہے تو جس روایت میں لفظ نحو واقع ہوا ہے وہ روایۃ بالمعنی ہے اور اب
یہ حضور کی جیسی انکی وضو کیسے ہو سکتی ہے اس کا جواب دیا کہ مماثلت کلی مراد نہیں بلکہ مماثلت اکثری
مراد ہے پھر آپ نے فرمایا دو رکعتیں تحیۃ الوضوء کی جو شخص پڑھے اور اس حال میں کہ لا یحدث
نفسہ فیہما بشیء جمہور اور امام نووی فرماتے ہیں کہ دنیا کی کوئی بات نہ کرے قاضی عیاض مالکی
نے بعض علماء سے نقل فرمایا کہ دنیا کی کوئی بات نہ کرے قاضی عیاض مالکی نے بعض علماء سے نقل فرمایا
اس کا مطلب یہ کہ کسی قسم کا خیال بھی دل میں نہ لاوے۔ ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ ایک وساوس
با اختیار ہوتے ہیں اور ایک وہ جو نفس کہے تو اختیار سے چلتے ہیں تو یہاں حدیث میں
بیکار وساوس مراد ہیں اور جو با اختیار آتی ہو اگر وہ دنیا کی ہیں تو انکو بھی دفع کرو
288 اور اگر آخرت کی باتیں ہیں تو انکو بھی دفع کرنا بہتر ہے ۔ دوسری حدیث
حضرت عقبہ بن عامر کی ہے جس کا شروع حصہ ما قبل میں گذر گیا۔ تو آپ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص
دو رکعت نماز اس حال میں پڑھے کہ اس کا قلب یعنی باطن اور وجہ یعنی ظاہر متوجہ ہو تو اس کے
لئے جنت واجب ہو جاتی ہے ۔ خلاصہ یہ کہ نماز میں ظاہر و باطن کو متوجہ رکھنا ہے کہ
حضرت اقدس مولانا محمود الحسن صاحب جو مدرسہ کے صدر تھے فرماتے تھے کہ تصوف نام ہے ظاہر و باطن کو

مسئلہ

288 منبر نبوی کا پایہ ہے اگرچہ یہ اور جنت کا وجوب لفظ وا سے سمجھا جاتا ہے ورنہ منبر کا حوض پر ہونا ۳۹/۲

289 عن عمر بن الخطاب ما منکم الخ عن ابی ہریرۃ قال ان امتی الخ عنہ تبلغ الحلیۃ من المؤ ۴

اس حدیث میں وضو کے بعد شہادۃ کا ذکر کیا اور مقصود یہ ہے کہ پہلے طہارت ظاہری اور پھر طہارت باطنی حاصل کرے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں [illegible] حافظ ابن حجر کو ان کے ناموں میں مختلف احادیث الیسی ذکر فرمائیں جن سے آٹھ ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن حافظ عسقلانی نے مرحبا کے اندر تحریر فرمایا کہ یہ دروازے محل میں ہیں۔ اسبابی جو شخص وضو کرتا ہے تماماً پڑھے تو اس کے آٹھ دروازے کھل جاتے ہیں مگر کتاب الصوم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص جو عمل اختیار کرتا ہے وہ اسی عمل کے دروازے سے داخل ہوگا جیسے نماز پڑھی تو وہ باب الصلوۃ سے داخل ہوگا روزہ دار باب الریان سے اور وضو باب الوضوء سے داخل ہونا چاہئے ورنہ لازم آتا ہے کہ وضو کرنے والا نماز سے پہلے داخل ہو جواب یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا تو خود اسی فضیلت میں داخل ہو گیا کیونکہ نماز سے پہلے تو اس نے بھی وضو کیا ہوگا۔ جواب ثانی یہ ہے کہ آٹھوں دروازوں کا

290 کھلنا محض تکریم کے لیے ہے ورنہ وہ اپنے عمل والے دروازے سے داخل ہوگا۔ دوسری حدیث ۱۲

حضرت ابوہریرہ کی ہے ابو عوانہ کی روایت میں دونوں کا ثبوت باتوں ہے اس سے مطلب یہ نکلتا ہے کہ وہ لوگ بلائے جائیں گے۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا کہ اس کو غرا محجلین یعنی یہ کہا جائے گا کہ اے غر محجلون۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ یہ اعزاز و اکرام سے یعنی وہ لوگ اعزاز و اکرام کے ساتھ بلائے جائیں گے غرۃ اس سفیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کی پیشانی پر ہو پھر اس کا اطلاق مطلق چمک کے معنی میں ہونے لگا اور یہاں وہ چمک مراد ہے جو وضو کے ذریعہ ان کی

290 پیشانی پر ہوگی **محجلین** یہ تحجیل سے یا حجل سے مشتق ہے حجل پازیب کو کہتے ہیں اور تحجیل وہ ۱۳

سفیدی جو گھوڑے کے اقدام میں ہوتی ہے اور مقصود یہ ہے کہ ان کی پیشانیاں اور اقدام وضو کی وجہ سے روشن ہوں گی۔ **ان امتی** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علامہ حلیمی اس کے قائل ہیں کہ وضو امت محمدیہ کی خصوصیت ہے لیکن علامہ نووی اور امام [illegible] فرماتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سارہ کے قصہ میں ہے کہ انہوں نے وضو فرمائی البتہ غر محجلون ہونا اسی امت کی خصوصیت ہے جس کی اتفاق [illegible] انبیاء کی وضو کا بھی یہ اثر ظاہر ہوگا۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ جس سے ہو سکے غرہ کو طویل کرے اور ابن حجر فرماتے ہیں کہ آپ نے غرہ پر اکتفا کیا اور تحجیل کا حکم نہیں دیا کیونکہ اس سے وہ بھی سمجھ میں آگیا۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ چونکہ غرہ اشرف اعضاء میں ہوتا ہے اور تحجیل قدموں میں ہوگی

٣٩/١٣

290 اس وجہ سے غرہ کو خاص فرمادیا۔ اب یہ کہ اطالۃ غرہ کی مقدار کیا ہے۔ ابن بطال مالکی اور قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اطالۃ غرہ کا مطلب مقدار فرض سے بڑھ کر ٹخنوں اور کہنیوں سے زیادہ کا دھونا جائز نہیں ہے جمہور حنفیہ اور شافعیہ اطالۃ غرہ کے قائل ہیں۔ علامہ عینی مقدار بیان فرماتے ہیں کہ یا تو کہنیوں کو بغل تک اور ٹخنوں کو گھٹنوں تک دھویا جائے۔ دوسری مقدار یہ ہے کہ پیروں کو نصف ساق اور کہنیوں کو نصف بازو تک دھوئے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ کوئی مقدار متعین نہیں ہے بس ٹخنوں اور کہنیوں سے زیادہ ہونا چاہئے۔ علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم حافظ ابن حجر عسقلانی ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ من استطاع منکم الخ حدیث کا ٹکڑا مدرج ہے۔

تیسری حدیث بھی حضرت ابوہریرہ کی ہے کہ آدمی جب وضو کرتا ہے تو جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا اس جگہ تک اس کو زیور سے آراستہ کیا جائے گا۔ اس حدیث سے یا تو حلیۃ مجازی مراد ہے یا حقیقۃ زیور سے آراستہ کیا جائے گا۔

١٥ (الفصل الثانی)

292 عن ثوبان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ وعن ابن عمر من توضأ علی طہر الخ

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا استقامت اختیار کرو۔ استقامت کے معنی ہیں قیام الاعتدال وملازمۃ المنہج القویم دوسرے معنی بیان کئے گئے ہیں کہ اشتمال جمیع الامور واجتناب جمیع النواہی پھر آپ نے فرمایا ولن تحصوا اس کے علماء نے مختلف معنی بیان فرمائے (۱) استقامت اختیار کرو مگر اس کو تم پورا کما حقہ نہیں کر سکو گے۔

(۲) اعمال کو استقامت کیلئے شمار نہ کرو یہ نہ سوچو کہ اس میں بھی استقامت کر لی اور اس میں بھی استقامت کر لیں اور [illegible] اسی طرح کرو

(۳) پورا کام تم سے نہیں ہو سکتا جتنا ہو سکے کرو پھر آپ نے ارشاد فرمایا وضو پر محافظت کرو خاص طور سے وضو پر محافظت کیلئے اس وجہ سے حکم دیا کہ وضو نماز کا اہم شرائط میں سے ہے۔

293 دوسری حدیث حضرت ابن عمر کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص طہارت پر وضو کرتا ہے اس کے لئے دس حسنات لکھدئیے جاتے ہیں۔ ابن رسلان فرماتے ہیں کہ حسنات سے مراد دس وضو ہیں یعنی اس کو دس وضو کا ثواب ملتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ اس سے زیادہ بھی مراد ہو سکتا ہے لیکن یہ تمام حسنات اس وقت حاصل ہوں گی جبکہ درمیان میں کوئی عمل خیر کر لیا ورنہ اسراف ہوگا

(الفصل الثالث)

عن جابر مفتاح الجنة الخ عن شبیب بن ابی روح الخ عن رجل من بنی سلیم قال الخ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مفتاح جنت نماز ہے اور مقابل میں معلوم ہوا کتاب الایمان میں کہ مفتاح جنت شہادۃ ہے۔ ملا علی قاری نے فرمایا یہاں مفتاح جنت سے مفتاح درجات الجنة

297 وارد ہے اس روایت میں ابویحیٰ قتات راوی ہیں جو ضعیف ہیں ۔ دوسری حدیث شبیب بن ۳۹ ۱۸
ابی روح کی ہے بعض نے شبیب ابی ابو روح ضبط کیا ہے صحیح یہ ہے ابو روح انکی کنیت ہوگی اور
پہلی صورت میں والد کی کنیت ہوگی اور انکے والد کا نام نعیم ہے بعض نے انکو تابعی اور بعض نے انکو
صحابی کہا ہے یہ روایت نسائی میں ایک صحابی سے عن رجل الخ اور وارد حضرت اغر مزنی میں
لیکن حنظلہ بن عبید اور علامہ بغوی کے نزدیک یہ روایت اغر مزنی سے وارد ہیں ع ۔ تیسری حدیث
بنی سلیم کا رجل کی ہے السبحان اللہ نصف میزان کو بھر دیتا ہے یعنی جیسا وہ اجسام کی شکل
میں وزن کیا جائیگا اس سے نصف میزان بھر جائیگی کیونکہ لا الہ الا اللہ میں صفات دو قسم کی ہیں
ایک سلبیہ اور ایک ایجابیہ سبحان اللہ سے صفات سلبیہ کی نفی ہوگی اور چونکہ الحمد للہ سے
صفات ایجابیہ کا ثبوت ہوگا پس باقی نصف کو وہ بھر دیگا اسکو آپ نے بیان فرما دیا والحمد للہ
یملؤہ اور بعض نے کہا کہ پورا میزان الحمد للہ ہی سے بھر دیگا کیونکہ اس صورت میں صفات ایجابیہ
ثبوت بعینہ صفات سلبیہ کی نفی ہو جائیگی خود بخود پس سبحان اللہ یہی قائم مقام ہو جائیگا ۔

ع خلاصہ اس حدیث کا یہ ہے اکمال طہارۃ اکمال عبادت میں معین ہے ۔ ۱۲

297 عن عبد اللہ الصنابحی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا توضأ العبد الخ 23

حضرت عبد اللہ صنابحی انکے وجود میں اور صحابی ہونے میں اختلاف ہے علی بن مدینی اور امام بخاری
کی رائے یہ ہے یہ اصل میں ابو عبد اللہ ہیں اور یہ انکی کنیت ہے اور انکا نام عبد الرحمن ابن عسیلہ ہے
بعض کو وہم ہو گیا اور بجائے کنیت کے عبد اللہ ذکر کر دیا ۔ یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں کہ جو آدمی
ایسے میں حدیث میں جو صنابحی کہے تو وہ وہم ہے لیکن الصحیح یہ ہے دو ہیں ایک صنابح ابن
الاعسر احمسی اور دوسرے عبد الرحمن بن عسیلہ اور انکی کنیت ابو عبد اللہ ہے اور یہی
یہاں وارد ہیں اس حدیث کا جیسا امام بخاری کا قول گذرا اور وہ تابعی ہیں لہذا حدیث
مرسل ہوگی ۔ یحیی بن معین فرماتے ہیں کہ اسکی صحیح حیثیت حاصل ہے اور صحابی ہوں امام ترمذی
وغیرہ فرماتے ہیں ابو صنابحی کہے تو وہ موسوم ہیں وہ تین ہیں عبد الرحمن بن عسیلہ ۔ صنابح
بن الاعسر احمسی ۔ عبد اللہ صنابحی ۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی رائے عالی یہی ہے کہ یہ صحابی ہیں
حضرت عبد اللہ حضور سے نقل فرماتے ہیں کہ جب عبد مومن وضو کرتا ہے اور کلی کرتا ہے تو اسکے
منہ کی خطائیں نکل جاتی ہیں اور جب ناک میں پانی دیتا ہے تو ناک سے خطائیں نکل جاتی ہیں
اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ مضمضہ اور استنشاق میں تفریق ہے ۔ شافعیہ اور حنفیہ کا اختلاف ہے
اسبات میں کہ ان دونوں کی تفریق میں ہے یا وصل میں ہے ۔ شافعیہ کے نزدیک
وصل افضل ہے اور ہمارے نزدیک تفریق افضل ہے ۔ ان لوگوں کی دلیل ۔ قیل حضور نے مضمضہ

297 فرمایا بکف واحد کما ورد فی الحدیث یعنی معلوم ہو گیا کہ ایک چلو پانی کا لیکر مضمضہ اور استنشاق دونوں کر 39/23
ہمارے ائمہ کی طرف سے جواب دیا گیا کہ آپ نے اس بیان جواز کیلئے کیا۔ جو فرمایا بکف واحد کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں
چلو نہیں لیا بلکہ ایک ہی ہاتھ کا چلو بنا کر پانی لیا۔ مضمضہ اور استنشاق کی چھ صورتیں علماء نے بیان کیں

(۱) ایک چلو سے کر اور اسی سے پہلے تین مرتبہ کلی اور پھر ناک میں پانی دے ایسا تین مرتبہ۔
(۲) ایک چلو لیکر پہلے ایک کلی اور ایک مرتبہ ناک میں پانی دے اور پھر اسی سے ایک کلی اور پھر ناک میں پانی دے علی ہذا
(۳) تین چلو ہر ایک سے کلی اور ناک میں پانی دے۔
(۴) دو چلو سے پہلے سے تین مرتبہ کلی اور دوسرے سے تین مرتبہ استنشاق۔
(۵) چھ چلو سے پہلے تین سے کلی اور آخر تین سے ناک میں پانی دے۔
(۶) چھ چلو لے پہلے سے کلی دوسرے سے ناک میں پانی تیسرے سے کلی چوتھے سے ناک پھر پانچویں اور چھٹے میں ایسا کرے

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے استنشاق کو استنثار سے تعبیر کیا کیونکہ مقصود بیان اخراج خطایا ہے اور وہ نثر سے ہوتا ہے علامہ ابن حجر نے اس پر اعتراض کیا کہ بعض جگہ آپ نے استنشاق کے بعد بھی اخراج خطایا کا ذکر فرمایا ہے لہذا ایسا کہنا کچھ صحیح نہیں ہے۔ علامہ علی قاری نے جواب دیا کہ نکتہ ہے علت نہیں کہ اس کا ہر جگہ پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ پھر اسکے بعد ہی ترتیب مشروعہ ہوگی کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب مسح کرتا ہے سر کا تو نکل جاتے ہیں خطایا اسکے سر سے یہاں تک کہ اسکے دونوں کانوں سے۔ قاضی ابو الولید باجی اور دوسرے علماء نے اس حدیث سے استدلال فرمایا ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ اذنین سر کا حصہ ہے لہذا سر کا پانی سے مسح اذنین ہو گا اور یہی حنفیہ کا مسلک ہے

ثم کان مشیہ الی المسجد یعنی جب اسکی خطایا وضو سے معاف ہو گئیں تو اب اسکا مسجد کی طرف چلنا اور نماز پڑھنا عبادت زائدہ ہو گا یعنی ترقی درجات ہونگے خطایا تو معاف ہو چکیں ۲۷

298 عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی المقبرۃ فقال الخ 40/1
اس سے معلوم ہو گیا کہ موتی مخاطب بن سکتے ہیں جیسا کہ آپ نے خطاب فرمایا اور جو لوگ سماع موتی کے قائل نہیں ہیں وہ اسکا جواب دیتے ہیں کہ جیسا حضور نے بطور تمثیل ان کو زندہ کر دیا گیا ہو گا۔ جو آپ نے خطاب ان لوگوں کو سنانے کیلئے نہیں فرمایا بلکہ امت کو تعلیم دینے کیلئے ایسا فرمایا۔ دار قوم الخ دار سے مراد اہل ہے اور یہ منادیٰ ہے مثل مبتدا ہے اسی ندا پر یا مثل اختص کا مفعول ہو جائیگا اس پر اعتراض وارد ہوا کہ آپ نے جب لاحقون فرمایا تو لفظ ان شاء اللہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ یہ تو یقینی تھا جواب تبرکا یا خاتمہ ایمان پر ہو گا اسکے علماء نے مختلف جواب دیئے۔ جو آپ نے تعلیما امت کو ان شاء اللہ فرما دیا۔ قرآن کہتا ہے ولا تقولن لشیء انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ۔ جو آپ نے

298 یعنی ترجمہ کیا ہو جو اس کا تحسین کلام ہے یعنی جو اس کا گمان خاص کا اعتبار سے یعنی اگرچہ انکا ایمان 40/1
پر ہونا یقینی ہے لیکن کوئی خاص گمان ہوتا تھا نہیں تھا تو اس اعتبار سے آپ نے ان کا ارشاد کیا
جو اس کا ترجمہ ہے تو صحابہ تھے جنکا ایمان پر ہونا یقینی نہیں تھا انکے اعتبار سے جو اس کا تحسین تھا
ترجمہ ہے تو بعض منافقین تھے ان کے اعتبار سے آپ نے فرمایا جو اس کا خود آپ نے بار ہا انکو تردد
ہوتا تھا اور ادرتبا در گئے ہوں فیما بحبہ رسی خوف ہو وجہ سے اب اکثر خاتمہ بالخیر کی دعا فرماتے تھے
لیکن واضح رہے کہ اخر کی تینوں جواب مائل غلط ہیں۔ ہمارا جی چاہا فرمایا میں تمنا رکھتا ہوں کا
اپنے بھائیوں کو دیکھیں یعنی ان لوگوں کو بھی جو آئندہ آنے والے ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آپ نے
تمنا موت کی اس کیا تا کی فرمائی اور بعض نے کہا جمع الجماعات کی تمنا آپ نے فرمائی والاول اولٰی۔
ہو سکتا ہے انکو قبر میں ملاقات ہو۔ لوگوں کا یہ خیال آیا ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ان شاء اللہ لاحقین یا
تشبیہ اور اس یقین سے بعض لوگوں نے کہا کہ آپ پہ یقین کا حال اس رسول شاکی خاص ہوتے ہوں گا
اس کے ساتھ ہو جو حقیقا یہ حال اسی میں شک خاص ہو گئے ہوں گے۔ قالوا اولسنا اخوانک ۲
وارد ہوتا ہے اس لئے کہ اول وہ ہے اخوانک۔ آپ نے فرمایا انتم اصحابی یعنی تم لوگ تو اس
بڑھ کر ہو کیونکہ انہیں وصف رکھا وصف اخوۃ ہے اور تم میں وصف اخوۃ کے ساتھ ہو
299 عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا اول من یوذن لہ ۵
حضرت ابو الدرداء فرماتے ہیں کہ حضور نے فرمایا میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں جس کو قیامت کے دن سجدہ
کی اجازت ملیگی اور اول سے سر کو اٹھانے کی ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ چونکہ آپکی روح سب سے پہلے
پیدا کی گئی ہے اس وجہ سے آپ کو سجدہ کی اجازت ملیگی ہم چند احادیث ایسی بیان کریں جن سے
معلوم ہوتا ہے سب سے پہلے حضور کی روح کو پیدا کیا گیا لیکن یہ تمام اور یا جیسے حضور کی روح یا
نور کا اول خلق ہونا معلوم ہوتا ہے غلط ہیں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے پہلے حضور کی
نبوۃ لکھی ہوئی ہے یوذن لہ بالسجود سے کنایہ ہے شفاعت کی طرف یعنی سجدہ پھر سر اٹھانے کے بعد میں ۶
شفاعت کرونگا پھر حضور نے فرمایا میں اپنی امت کو پہچان لونگا جو میرے آگے پیچھے دائیں بائیں
ہوں گے خلف و یمین و شمال سے اشارہ کر دیا امت محمدیہ کی کثرت پر اور غلبہ پر۔ صحابہ نے عرض
کیا آپ اپنی امت کو کیسے پہچانیں گے جبکہ نوح علیہ السلام سے لیکر آپ تک کی سب امتیں اس میں
ہوں گی فیما بین نوح الیٰ امتی اشکال ہوا کہ حضرت نوح کی تخصیص کیوں کی ورنہ تو حضرت آدم سے لیکر ۸
آپ تک تمام انبیاء ہوں گی جواب یہ ہے کہ نوح علیہ السلام مشہور ہیں اور حضور آخر ہیں تو اول آخر کا سا نہ
کہ اول کم مشہور کا ذکر ہونا چاہئے جواب یہ ہے کہ حضرت نوح کی عمر ساڑھے نو سو سال کی ہوئی تو انکی امت کی

ج/۸ کثرت کی طرف اشارہ ہے کہ آپکی امت بھی بہت زیادہ ہوگی پھر بھی آپ پہچان لینگے آپ نے فرمایا کہ ان میں انکو چند علامتوں کے ذریعہ پہچان لونگا۔ اول وہ غر محجلون ہونگے اس سے معلوم ہوا کہ غرہ و تحجیل اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔ دوسری علامت یہ بتلائی کہ انکے داہنے ہاتھوں میں اعمالنامے دیئے جائینگے۔ اسپر اعتراض ہوا کہ یہ علامت تو دوسری امتوں کے بھی بعض افراد کیلئے ہوگی جواب یہ ہے کہ ایک تو یہ کہ تمام امتوں کے اصحاب یمین کو وہ اعمالنامے دیئے جائینگے انکے سب امت محمدیہ کو دوبارہ خاص طور سے دیئے جائینگے اسکی طرف اشارہ ہے۔ تیسری علامت یہ بتلائی کہ انکی ذریت انکے سامنے دوڑتی پھرتی ہوگی۔

باب مایوجب الوضوء ۹

لفظ باب کے متعلق علامہ اکمل بابرتی تحریر فرماتے ہیں کہ یہ نوع کا درجہ میں ہے اور مسائل کا ذکر ہے جو باب میں داخل ہوتا ہے۔ لفظ یوجب ایجاب سے مشتق ہے جسکے معنی لغت میں اثبات کے ہیں اور اثبات شئی علی الوجہ بدلیل الکتاب والسنۃ لا علی جہۃ الفرض لیکن یہاں ایجاب عام ہے فرض اور واجب دونوں کو شامل ہے۔ لفظ وضو کے متعلق علامہ ابن الانباری اور جوہری نے نقل فرمایا ہے کہ وضو بضم الواو بمعنی مصدر ہے اور بالفتح پانی کے معنی میں ہے۔ خلیل بن احمد اصمعی وغیرہ نے کہا کہ بفتح الواو پانی اور بمعنی مصدر دونوں کو شامل ہے۔ صاحب مطالع فرماتے ہیں کہ بضم الواو دونوں کو شامل ہے بفتح الواو نہیں لیکن اصح یہ قول ہے بالضم بمعنی مصدر اور بالفتح پانی کے معنی میں ہے۔ یہ مشتق ہے وضاءت جسکے معنی چمک کے ہیں اور نظافت کے اور وضو کرنے والا بھی حسن و نظافت سے آراستہ ہوتا ہے۔ موجب اور مستدل وضو یہ آیت ہے یا ایہا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ۔ وضو کیا واجب ہے؟ اسکے اندر علماء کے مختلف اقوال ہیں (۱) قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں کہ جب جب بھی نماز کیلئے کھڑا ہو وضو کرنا (۲) یہ حکم پہلے تھا اب یہ منسوخ ہوگیا اور کھڑا ہونے کیلئے وقت ~~[illegible]~~ وضو ضروری نہیں۔ (۳) یہ حکم اب بھی باقی ہے یعنی جب جب بھی نماز کیلئے کھڑا ہو تو اسوقت وضو کرنا مستحب ہے (۴) یہ حکم صرف حضور اکرم کیلئے ہے۔ اب یہ کہ موجبات وضو کیا ہیں اسکے اندر بھی مختلف اقوال ہیں۔

(۱) ارادہ صلوٰۃ بشرط الحدث علامہ عینی نے اسکو ارجح قرار دیا ہے۔

(۲) بعض فقہاء نے فرمایا کہ حدث بشرط ارادہ صلوٰۃ۔ دونوں اقوال کا ثمرہ فقہی میں ظاہر ہوگا کہ جب کسی کا وضو ٹوٹ گیا تو پہلے قول والے مذہب والوں کے نزدیک جب نماز کا وقت آئیگا

اور نماز کا ارادہ کرے گا تب فرضیت وضو واقع ہوگی اور دوسرے علماء کے نزدیک جب بھی حدث 40/9
لاحق ہوگا فرضیت واقع ہو جائیگی۔ (۳) بعض لوگوں نے مطلق حدث کو موجب وضو قرار دیا۔
(۴) اور بعض نے ارادہ صلوٰۃ کو (۵) اور بعض نے کہا کہ ہر اس چیز کا ارادہ جو بغیر طہارۃ کے جائز نہ ہو
شافعیہ کے نزدیک تین قول ہیں (۱) صلوٰۃ (۲) نماز اور حدث دونوں کا وجود (۳) حدث۔
ابن الجہم مالکی فرماتے ہیں کہ وضو ہجرت سے پہلے مستحب اور ہجرت کے بعد فرض ہوئی ہے۔ ابن حزم
ظاہری کے نزدیک بھی بعد الہجرۃ فرضیت ہوئی۔ حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ غسل جنابت کی
فرضیت ہجرت سے پہلے تھی اور وضو بھی قبل الہجرۃ تھی لیکن انہوں نے یہ ذکر نہیں کیا کہ قبل الہجرۃ
وضو مستحب تھی لیکن اصح یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے فرض ہوئی۔

300 الفصل الاول:۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتقبل الخ 9
حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں قبول کیجاتی ہے حدث والے کی نماز
یہاں تک کہ وہ وضو کرے لاتقبل قبول کے دو معنی ہیں (۱) ایک حصول الثواب (۲) دوسرا صحۃ اور یہاں دوسرا
معنی مراد ہیں بالاجماع یعنی اس کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ حضرت ابوہریرہ نے جب یہ حدیث بیان فرمائی تو ایک
حضرمی شخص نے آپ سے سوال کیا کہ حدث کیا ہے تو آپ نے فرمایا فساء اور ضراط۔ اب یہ کہ حضرت ابوہریرہ نے
صرف ان دو کو حدث کیسے خاص کیا اس کی کیا وجہ ہے جواب ابن بطال مالکی فرماتے ہیں کہ آپ نے
یہ اس وقت میں فرمایا ہوگا جبکہ ان دو کا ذکر ہوگا یا اسوقت ضراط پیش آیا ہوگا۔ جواب ثانیہ
اخف الحدث کو بیان فرمایا تاکہ اس سے اشد خود بخود سمجھ میں آجائے۔ جمہور امت کا اجماع ہے
اسبات پر کہ کوئی نماز بغیر طہارت کے مقبول نہیں ہے البتہ شعبی اور ابن جریر الطبری سے نقل کیا
گیا کہ ان کے نزدیک صلوٰۃ جنازہ بغیر طہارۃ کے جائز ہے لیکن اس قول کو باطل قرار دیا گیا کیونکہ اس
حدیث کا اور اجماع کا معارض ہے

301 عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتقبل صلوٰۃ بغیر طھور الخ 10
حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بغیر طہارۃ کے نماز مقبول نہیں ہے۔ اب یہ کہ جس شخص کو طہارۃ
کیلئے پانی نہ ملے اور نہ تیمم کے لئے مٹی ملے مثلاً کسی کمرہ میں محبوس ہے جو کمرہ گندگی سے لپا ہوا ہے تو اسکا
کیا حکم ہے یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور یہ مسئلہ فاقد الطہورین کے نام سے مشہور ہے حضرت امام شافعیؒ
چار قول نقل کئے گئے جو چاروں ائمہ کے ہیں۔ (۱) ایسے شخص کیلئے نہ ادا واجب اور نہ قضاء
واجب یہ امام مالک کا قول ہے (۲) امام شافعی کے نزدیک ادا واجب اور قضاء واجب
اور ایک روایت ان سے یہ کہ ادا مستحب اور قضاء واجب (۳) امام احمد کے نزدیک ادا واجب

1 قضاء واجب نہیں

301

40/10

(۱) امام شافعی نے فرمایا ادائے حرام قضاء واجب ہے ان چار مذاہب کے متعلق حضرت ناظم صاحب ایک شعر بیان فرمایا کرتے تھے

کہ اما بعد شافعی بھی احمد بھی اور حکم ~ لالانعم نعم ونعم لاولانعم

یہاں اوپر میں جو چار مذاہب بیان کئے اور ان کو شمار کرا دیئے ہیں لیکن اس میں لف ونشر کا اعتبار ہے مشوش ہے لا لا سے پہلے مذہب کی طرف اور نعم نعم سے ثانی مذہب کی طرف اور اسی طرح اور میں یہ اقوال اربعہ تو مشہور ہیں اس کے علاوہ اور بھی تین اقوال ہیں چنانچہ قاضی ابو الشیخ نے حنفیہ سے ایک قول نقل کیا کہ نہ ادا واجب ہے اور نہ قضاء کیونکہ وہ تو مجبور ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ وہ تشبہ بالمصلین اختیار کرے۔ بعض نے کہا کہ اشارہ سے پڑھے بعض نے کہا کہ رکوع وسجدہ کرے بعض نے تفصیل کی کہ اگر دیوار کی مٹی گیلی ہو تو بیٹھ کر پڑھے اور اگر خشک ہو تو کھڑے ہو کر پڑھے تیمم کرکے بیٹھ کر پڑھے۔ ولا صدقة من غلول حضرت استاذی مولانا محمد انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ اس کا پہلے جملہ سے ربط یہ ہے کہ قبل میں طہارۃ ظاہری کو بیان فرمایا اور اب باطن سے اس چیز کو بیان فرماتے ہیں جس سے طہارۃ باطنی حاصل ہو۔ غلول کے معنی خیانت کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں کہتے ہیں مال غنیمت میں خیانت کرنا اور یہاں غلول سے حرام مال مراد ہے۔ رہا یہ کہ غلول کیوں کہا بجائے مال حرام کیوں نہ کہا اس کا جواب یہ ہے کہ مال حرام تو مسلمانوں اور غیر مسلمانوں سب کو شامل ہے اور مال غنیمت صرف مسلمانوں کیلئے ہوتا ہے تو غلول سے مسلمانوں کے مال کی اہمیت کو بیان فرمایا اگرچہ خیانت سب میں حرام ہے (۲) دوسرے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ مسلمانوں کے مال میں خیانت اشد ہے (۳) اس وقت غلول کا مسئلہ درپیش ہوگا اس وجہ سے اسکو خاص طور سے بیان فرمایا (۴) حضرت انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ چونکہ مال غنیمت میں اس کا خود حق ہے اور جب وہ بھی مقبول نہیں تو دوسرے مال حرام کا صدقہ کرنا تو بطریق اولیٰ حرام ہوگا۔ رہا یہ کہ جب وہ صدقہ مقبول نہیں ہے تو پھر فقہاء یہ کیوں کہتے ہیں کہ صدقہ کردو اس کا جواب یہ ہے کہ دفع خلاص کیلئے ایسا کرتے ہیں جو گویا اپنے ذمہ سے بوجھ اتار رہا ہے کیونکہ اسکو حکم دیتے ہیں اور بلا نیت ثواب دینے کو کہتے ہیں۔

302

11

عن علی قال كنت رجلا مذاء فكنت استحيي ان اسأل النبي صلى الله عليه وسلم الخ

حضرت علی فرماتے ہیں کہ مجھ کو مذی بہت زیادہ آتی تھی لیکن شرم کی وجہ سے میں سوال نہیں کر سکتا تھا پس میں نے حضرت مقداد کو حکم دیا۔ ایک روایت میں بجائے فامرت المقداد کے فامرت عمارا ہے اور ترمذی کی اور ابن ماجہ میں خلاف واقع ہوا ہے ان تینوں میں جمع کی صورت ان حضرات نے بیان فرمائی کہ اول حضرت مقداد کو حکم دیا پھر شدت کی وجہ سے حضرت عمار سے سوال کیلئے کہا اور پھر خود سوال کر لیا تو گویا ان کی نسبت دیکھا کہ ایک نے سوال کیا۔ اب اعتراض ہوگا کہ وہ خود تو فرماتے ہیں

302 40/11 کہ مجھکو شرم آتی ہے اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود سوال کیا۔ یہ دونوں باتیں کیسے جمع ہوں گی؟ اسماعیلی، علامہ نووی اور ابن حجر وغیرہ نے جواب دیا۔ سوال کی نسبت حضرت علی کی طرف مجازی ہے یعنی بھیجنے والوں کی طرف ہے حقیقۃً سوال وہ حضرت مقداد نے کیا اور حضرت عمار یا علی کی طرف نسبت مجازی ہے بعض نے اس طرح جمع کیا کہ ایک مجلس میں تینوں حاضر ہوں گے اور سوال انہیں سے ایک نے کیا اور پھر نسبت تینوں کی طرف کر دی جیسا کہ عام طور سے ہوتا ہے اور بعض نے کہا کہ دونوں نے ایک سوال کیا ہو اور حضرت علی خاموش ہوں۔ بہر حال آپ نے فرمایا کہ ذکر کو دھولو۔ مذی کی بالاجماع نجاست کا حکم لگایا ہے۔ پھر اس سے طہارت کس چیز سے حاصل ہوگی اس کے اندر اختلاف ہے بعض محدثین اور ظاہریہ کے نزدیک پانی کے علاوہ کسی چیز سے طہارت نہیں ہو سکتی۔ مالکیہ کی ایک روایت اسی کی ہے۔ شافعیہ اور مالکیہ کی ایک روایت یہ ہے کہ بجائے پانی کے پتھر کافی ہے اور یہی مذہب حنفیہ کا ہے۔ اب رہا یہ کہ حضور نے ذکر کا دھونا جو فرمایا کتنا دھونا چاہئے؟ حنفیہ، شافعیہ اور امام مالک کی ایک روایت یہ ہے کہ صرف موضع اصابت کو دھویا جائیگا۔ امام مالک کی دوسری اور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ پورے ذکر کو دھوئے اور امام احمد کی دوسری روایت میں ذکر کے ساتھ انثیین کو بھی دھوئیگا۔

303 12 عن ابی ھریرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول توضؤا مما مست النار

وضو مما مست النار کے اندر علماء کا اختلاف ہے اور اس میں دو جماعتیں ہیں۔ پہلی جماعت میں خلفاء اربعہ، جابر، ابی، عبد اللہ بن مسعود، ابو درداء، ابو امامہ، ائمہ اربعہ، داؤد ظاہری ہیں ان تمام کے نزدیک وضو نہیں ہے۔ دوسری جماعت جس کے اندر حضرت عائشہ، حسن بصری، ام حبیبہ، امام شعبی، زہری، ابو ہریرہ وغیرہ ان تمام کے نزدیک وضو واجب ہوگی اور یہ لوگ استدلال کرتے ہیں اسی حدیث باب سے اور پہلی جماعت والے لوگ متعدد احادیث سے استدلال کرتے ہیں وجہ یہ کہ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے کتف شاۃ کھایا اور بغیر وضو کے نماز پڑھی۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس کی یہ حدیث کہ آپ نے کتف شاۃ تناول فرمایا اور وضو نہیں فرمائی یہ فتح مکہ ۸ھ میں یہ واقعہ پیش آیا اور ما مست النار کا حکم پہلے تھا لہذا اس حدیث ابن عباس سے منسوخ ہوگا۔ اسی طرح ابو امیہ ضمری کی حدیث صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ بکری کا گوشت کاٹ رہے تھے موذن نے آکر بلایا نماز کیلئے تو آپ وضو کئے بغیر تشریف لے گئے۔ ابو داؤد اور مسند احمد میں ام سلمہ کی حدیث ہے جس میں ہے کہ آپ بکری کا دست تناول فرمایا اور وضو نہیں فرمائی اور اسی طرح بہت سی احادیث میں خود اس مسئلہ کا ترک میں فعل نبوی ہیں اور اس سے پہلے کی ایک دو حدیثیں سب اسی کی تائید میں ہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف صدر اول اور سلف امت میں رہا ہے اور اب سب اسی بات کے قائل ہیں کہ ما مست النار سے وضو نہیں۔

عن جابر بن سمرۃ ان رجلا سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتوضأ من لحوم الخ

اس حدیث کا باب سے معلوم ہوا کہ لحوم ابل سے بھی وضو واجب ہے چنانچہ امام احمد ۔ اسحق بن راہویہ ۔ یحیی بن یحیی ۔ ابن خزیمہ ۔ امام بیہقی ۔ شافعی ان سب کے نزدیک اس حدیث کی بنا پر اکل لحم ابل سے وضو واجب ہے لیکن جمہور اصحاب خلفاء اربعہ ۔ ابو درداء ۔ ابن مسعود ۔ ابو طلحہ ۔ ابی بن کعب ۔ ابو امامہ ۔ امام مالک ۔ امام ثوری ۔ امام شافعی رضوان اللہ علیہم اجمعین ان تمام کے نزدیک وضو واجب نہیں تھا اور اس حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے جیسا کہ ماقبل میں گذر گیا کہ ما مستہ النار سے وضو کا نسخ ہو چکا ہے اور یہ لوگ استدلال کرتے ہیں ایک حدیث سے جو حضرت جابر سے سنن ابو داود نسائی وغیرہ میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا آخری امر ترک وضو تھا یعنی آپ نے اولاً لوگوں کو وضو کا حکم دیا اور پھر ترک وضو کا حکم دیا ۔ دوسرا مطلب یہ ہو گا کہ آخر کو معنی واحد الامرین لیا جائے کہ ایک شان یہ تھی کہ آپ وضو فرماتے تھے اور پھر آپ نے وضو کا ترک کر دیا ۔

اس سے امام ابو داود جو کہ حنبلی ہیں اور حنابلہ کے نزدیک وضو واجب ہے لہذا وہ اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں قال ابو داود ہذا اختصار من الحدیث الاول اور در اصل اس سے یہ اعتراض مقصود ہے کہ حنفیہ وغیرہ کو اس حدیث جابر سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث تو اختصار ہے پہلی حدیث کا اور راوی کو بیان غلط فہمی ہو گئی اور پہلی حدیث یہ ہے کہ وہ اس حدیث جابر سے پہلے ایک حدیث لائے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے گوشت پکایا اور روٹی بھی ساتھ میں پیش کیا آپ نے اسکو تناول فرمایا اور ظہر کا وقت قریب آ گیا تو آپ نے وضو فرمائی اور نماز پڑھی اور پھر نماز کے بعد بقیہ لائے اور بقیہ کھانا کو تناول فرمایا اسکے بعد عصر کا وقت آ گیا تو آپ نے بغیر وضو کے نماز پڑھی تو اس سے راوی نے سمجھا کہ حضور نے اولاً وضو فرمائی اور پھر آپکا آخری امر ترک وضو مما مستہ النار ہوا حالانکہ وضو مما مستہ النار کا تو رسوخ تک نہ آپکو حکم بھی ہوا تھا بلکہ آپ نے ظہر کیوقت وضو کسی اور حدث کیوجہ سے فرمائی نہ کہ اکل مما مستہ النار کیوجہ سے لہذا اس سے استدلال غلط ہو گیا ابن حزم ظاہری نے جواب دیا یہ دو مختلف حدیثیں بالکل الگ ہیں ان دونوں کو ایک کہنا اور یہ کہ اختصار من الاول ہے یہ بالکل غلط ہے لہذا معلوم ہوا کہ مما مستہ النار چونکہ منسوخ ہے اور لحم ابل بھی اسی کا ایک فرد ہے لہذا یہ بھی منسوخ ہوا اور وضو واجب نہیں ہے ۔ علامہ ابن قیم نے ایک اعتراض کیا کہ ہم اکل مما مستہ النار کو تو منسوخ مانتے ہیں لیکن چونکہ وہ عام ہے اسکے تحت میں بہت سے افراد ہیں اس میں سے لحم ابل ہے تو ہم کہیں گے کہ جابر بن سمرہ کی حدیث نے اس عام میں سے لحم ابل کو مستثنیٰ کر دیا اور اس عام میں گویا تخصیص ہو گئی کہ مما مستہ النار کا تمام افراد سے سوائے لحم ابل کا وضو واجب نہیں ہے

305 40/15

اسکا جواب حضرت سہارنپوریؒ نے یوں دیا کہ جب یہ آخری فرد ہے اس کلی کا اور کلی کا منسوخ ہونا معلوم ہو گیا تو اس کا جزء بھی منسوخ ہو گیا پس تخصیص کا دعویٰ غلط ہے یہ جواب اور [illegible] میں جگہ [illegible] وضو سے وضو شرعی مراد ہو ورنہ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں وضو سے وضوء شرعی مراد نہیں بلکہ وضو لغوی یعنی ہاتھ دھونا وغیرہ مراد ہے۔ علامہ شوکانی نے اعتراض کر دیا کہ شرع میں جو الفاظ وارد ہوں تو وہاں ان کے معانی شرعیہ مراد ہوتے ہیں یہاں بھی وضو شرعی مراد ہے۔ حضرت سہارنپوریؒ نے جواب دیا کہ لغوی وضو مراد لینے کیلئے ہمارے پاس یہیں سے قرائن موجود ہیں (۱) ما قبل میں بیان کیا گیا کہ [illegible] معلوم ہوا کہ آپ نے وضو نہیں کیا فرمائی تو اگر وضو شرعی مراد ہوتی تو آپ وضو ترک نہیں کرتے معلوم ہوا کہ لغوی مراد ہے (۲) جب حضرت ابوہریرہؓ نے یہ حدیث الوضوء مما مست النار کو حضرت ابن عباسؓ کے سامنے بیان فرمائی تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ انتوضأ من الحمیم۔ انتوضأ من الدهن المطبوخ؟ [illegible] مما مست النار سے اگر وضو واجب ہو تو اگر کوئی شخص سردی میں گرم پانی سے وضو کرے تو پھر دوبارہ ٹھنڈے سے وضو ضروری ہونی چاہیے۔ ایسے ہی اگر تیل لگایا جائے تو وضو واجب ہونا چاہیے حالانکہ کسی کے نزدیک بھی وضو واجب نہیں ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ وضو سے وضوء لغوی مراد ہے (۳) حضور ﷺ سے پوچھا گیا کیا میں لحم غنم سے وضو کروں [illegible] مشیت پر مدار رکھا جس سے معلوم ہوا کہ اسمیں وضو سے وضو لغوی مراد ہے ورنہ مشیت پر کیسے معلق کرتے۔ ایک اور [illegible] جب لحم غنم میں وضو سے وضو لغوی مراد لیا گیا تو جو اسکے مقارن اور متلاحق ہے وہ بھی اسی حکم میں ہوگا اور لحم ابل میں بھی وضو سے وضو لغوی مراد ہوگا۔

16

مرابض غنم بکری کی رہنے کی جگہ اور اعطان ابل اونٹ کے آرام کی جگہ ہے صحابہ کرام نے انکے متعلق رسول اکرم ﷺ سے [illegible] ابل کی آرام گاہ کے متعلق خاص طور سے سوال اس وجہ سے کیا کہ حضرات بکری اور اونٹ پالتے تھے اور چونکہ ان دونوں سے سابقہ رہتا تھا اس وجہ سے سوال کیا۔ مرابض غنم میں تمام جمہور ائمہ کے نزدیک بالاتفاق نماز جائز ہے البتہ مبارک ابل میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور حنفیہ و شافعیہ کے یہاں نماز مکروہ ہوگی امام احمد کا مشہور قول ہے کہ اعادہ ہوگا۔ امام مالک سے بھی یہی منقول ہے کہ نماز نہیں ہوگی [illegible] بعض فقہاء کے نزدیک [illegible] کے اندر اندر نماز ادا کرے۔ حسن بصری و اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ نماز مکروہ ہوگی۔ اب یہ کہ نماز کس وجہ سے جائز نہیں علماء نے بیان کیا کہ اونٹ کی شرارت کی وجہ سے اسمیں نماز کی ممانعت نہیں [illegible] کی وجہ سے ممانعت (۱) یحییٰ [illegible] میں فرماتے ہیں کہ ممانعت [illegible] سے [illegible] اونٹ [illegible] (۲) شریک بن عبد اللہ نخعی فرماتے ہیں کہ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ والوں کا قاعدہ تھا کہ وہ ہمیشہ پیشاب

305 پاخانہ اونٹ کی آڑ میں بیٹھکر کیا کرتے تھے تو نجاست والا جز ہی پاتی تھی اس وجہ سے منع فرمایا 40/16

(۳) بعض لوگوں نے کہا کہ خود اونٹوں کی لید وغیرہ والا جز ہی پاتی تھی اس وجہ سے ممانعت ہے

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ روایات کو اگر دیکھا جائے تو دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ جگہ ناپاک ہے اور دوسری حدیث میں ارشاد ہے ابوال الغنم مرابض کی ہے کہ زمین تمام کی تمام ہمارے لئے مسجد اور طہور بنائی گئی ہے تو جب روایات میں تعارض ہو گیا تو عقل سلیم کی طرف رجوع کرینگے تو معلوم ہوگا کہ اونٹ اور بکری کا گوشت حلال ہے اور پیشاب پاخانہ دونوں کا ناپاک ہے پس از روئے عقل کوئی فرق نہیں دونوں میں مساوات ہو اور جیسا کہ بکریوں کے باڑے میں نماز جائز ہے صحیح ہے ایسے ہی دوسرے میں بھی جائز ہونی چاہئے یا پھر دونوں میں ناجائز ہونی چاہئے علامہ ابن حجر نے اعتراض کیا کہ حدیث میں تو دونوں کے درمیان تفریق ہے اور آپ عقل و قیاس کے ذریعہ مساوات پیدا کرتے ہیں۔ علامہ عینی نے جواب دیا کہ عقل و قیاس کے ذریعہ تفریق کو ختم نہیں کرتے بلکہ ترک فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ عقل کا مقتضی یہ ہے اور چونکہ احادیث میں تعارض ہو گیا تو عقل کی طرف رجوع ہونا چاہئے ۱۲

306 عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا وجد احدکم فی بطنہ الخ 17

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک یقین نہ ہو جائے اس وقت تک نماز سے نہ نکلے اور یہ ارشاد ہے دین کے فقہی قواعد میں سے ایک قاعدہ کی طرف وہ یہ کہ الیقین لا یزول بالشک اور آپ نے جو یہ فرمایا جب تک سماع نہ ہو یا بو محسوس نہ ہو یہ اس وجہ سے فرمایا کہ سماع اور شم سبب ہے یقین کا ورنہ مقصود تو یہ ہے کہ یقین ہونا چاہئے حدث لاحق ہو گیا خواہ وہ بغیر سماع کے ہو جیسا کہ اصم کو اور بغیر شم کے ہو جیسے وہ شخص جسکی قوت شامہ مفقود ہو گئی ہو۔ امامؒ امام شافعیؒ نے اس کو لیا اور ایک روایت امام مالک کی اور امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ نماز کو وہ شخص پورا کرے اور دوسری روایت امام مالک کی یہ ہے کہ شک سے وضو ٹوٹ گیا۔ حسن بصری وغیرہ نے فرق کیا خارج صلوٰۃ اگر یہ شک واقع ہو تو وضو ٹوٹ جائیگا اور داخل صلوٰۃ وضو نہیں ٹوٹے گا یہی ایک روایت مالکیہ کی ہے ہمارے اصحاب کا استدلال یہ حدیث باب ہے۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ عراقی نے کہا کہ امام مالک نے زیادہ احتیاط برتا ہے اور نماز چونکہ اہم عبادات سے ہے اس وجہ سے انکے اور یہی زیادہ احتیاط فرمائی ہے اسپر ابن حجر نے اعتراض کیا کہ آپکا عقل ہے اور آپکا نقل عقل کے اعتبار سے جو چاہیے کہا جائے لیکن نقل کے اعتبار سے قاعدہ مسلمہ الیقین لا یزول بالشک من المسجد ابو داؤد شریف میں ہے فی الصلوٰۃ واقع ہوا اور یہی وارد ہے ۱۲ 18

307 عن عبد اللہ بن عباس قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرب لبنا الخ 40/18

حافظ عسقلانی و عینی وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں جو مضمضہ کا ذکر ہے وہ استحبابی درجہ رکھتا ہے صاحب توضیح شارح بخاری لکھتے ہیں کہ ابن ماجہ کی ایک حدیث میں لفظ مضمضوا بصیغۃ الامر واقع ہوا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ مضمضہ واجب ہے لیکن ابو داؤد میں ہے کہ آپ نے دودھ پیا ہے اور کلی نہیں کی لہٰذا اس سے ابن ماجہ کی حدیث منسوخ ہو گئی۔

308
309 عن بریدۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ عن سوید بن النعمان انہ خرج الخ 19

اس حدیث کے پہلے سے معلوم ہوا کہ مسح علی الخفین ثابت ہے دوسرا یہ کہ جمع بین الصلوۃ فی وضوء واحد آپ کے خصوصیات میں سے نہیں تھا ورنہ لفظ عمدًا ارشاد نہ فرماتے۔ دوسری حدیث حضرت سوید بن نعمان کی ہے خیبر کا واقعہ ۷ھ میں واقع ہوا وہی ادنیٰ من خیبر یہ کلام ایک راوی کا ہے جس کا 21 نام یحییٰ بن سعید الانصاری ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ توشہ وغیرہ لینا سفر میں توکل کے منافی نہیں ہے اسی طرح انبیاء کو کوئی شیء ساتھ رکھنا ان کی شان کے منافی نہیں ہے۔ یہ حدیث بھی ناسخ ہے وضو مما مست النار کے لئے۔

310 الفصل الثانی:- عن ابی ہریرۃ لا وضوء الا الخ عن علی قال سألت النبی الخ 23

حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے حصر معلوم ہوا لہٰذا تم اس کلام سے حصر ثابت ہو گا معلوم ہوا کہ اسباب وضوء دو ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس کا جواب ملا علی قاری نے دیا کہ حصر کیا تو ان دو کو صرف اس وجہ سے ذکر کر دیا کہ آپ سے اسی کے متعلق سوال ہوا ہو گا تو آپ نے فرمایا کہ نقض وضو ان دو سے ہو گا۔ دوسری حدیث حضرت علی سے ہے جس میں مذی اور منی کا سوال کا متعلق آپ نے فرمایا مذی کی بحث

312 ماقبل میں ص ۲۶۵ پر گذری اور منی کے متعلق ان شاء اللہ جب غسل کی گفتگو ہو گی۔ تیسری حدیث بھی حضرت علی کی 25 اس حدیث کے تین جز ہیں اول مفتاح الصلوۃ الطہور اس کے متعلق ماقبل میں کلام گذر چکا دوسرا جز وتحریمہا التکبیر ہے اس کے اندر دو مسئلے ہیں ایک مسئلہ یہ کہ تکبیر فرض ہے یا نہیں دوسرا کن الفاظ سے تکبیر کہی جائیگی۔ پہلے مسئلہ کو لیجئے۔ ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ تکبیر فرض ہے ابراہیم اصم۔ اسمٰعیل بن علیہ وغیرہ کے نزدیک فرض نہیں ہے۔ البتہ ائمہ اربعہ میں سے امام ابو حنیفہ کے نزدیک شرط ہے اور باقی ائمہ کے نزدیک رکن ہے کیونکہ اس حدیث پاک میں تحریم کی اضافت صلوٰۃ کی طرف ہے جیسے رکوع الصلوۃ سجود الصلوۃ کہا جاتا ہے لہٰذا جیسے رکوع رکن ہیں ایسے ہی تحریمہ بھی ہے اور ہماری دلیل یہ آیت ہے وذکر اسم ربہ فصلی صلوۃ کا عطف ذکر پر ہے اور معطوف اور معطوف علیہ دونوں متغائر ہوتے ہیں لہٰذا تکبیر اور نماز الگ الگ ہیں دونوں ایک نہیں

اب اعتراض ہوا حنفیہ پر کہ جب تم نے کہا تحریمہ شرط ہے اور رکن نہیں تو پھر اسکو وضو کی طرح کیوں شرط قرار دیتے ہو جیسے کہ تمام ارکان نماز کے وضو شرط ہے۔ اسکا جواب دیا کہ چونکہ تکبیر کا ارادہ نماز کے ساتھ متصل اور اتصال شدید ہوتا ہے اس وجہ سے وضو شرط ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ کہ تکبیر میں الفاظ کیا مشروط ہے۔ امام مالک امام احمد جمہور اہل حدیث کا مذہب ہے ان تمام کے نزدیک اللہ اکبر ضروری ہے اسکے علاوہ سے تکبیر ادا نہیں ہو سکتی۔ امام شافعی کے نزدیک اللہ اکبر یا اللہ الاکبر سے بھی تکبیر ہو سکتی ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اللہ کبیر اور اللہ الکبیر اللہ اکبر اللہ الاکبر ان چار الفاظ سے ہو سکتا ہے۔ بعض شراح جو یہ نقل کیا کہ اللہ الکبیر امام ابو یوسف کے مذہب میں داخل نہیں ہے۔ امام صاحب اور امام محمد کے نزدیک ہر وہ لفظ جو تعظیم پر دلالت کرے اور اسکے اندر اپنی غرض نہ ہو تو تکبیر کے لئے کافی ہے۔ امام صاحب اور امام محمد فرماتے ہیں کہ قرآن میں مطلق ذکر کا لفظ ہے۔ وذکر اسم ربہ فصلی اور ذکر تمام اذکار کو شامل ہے خواہ وہ ذکر تعظیمی ہو یا نہ ہو لیکن دوسری آیت میں آیا وربک فکبر میں تمام مفسرین نے اس کی تفسیر تعظیم سے کی لہذا معلوم ہوا کہ ذکر سے ذکر تعظیمی مراد ہے۔ تیسرا جزء ~~وتحلیلہا السلام~~ وتحلیلہا التسلیم ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک السلام علیکم کہنا فرض ہے امام اور ان کی توجیہ کہ یہی اگر ایک لفظ بھی کم ہو جائے تو نماز نہ ہوگی۔ اور امام صاحب کے نزدیک واجب ہے لہذا السلام علیکم کہنا ضروری نہیں۔ آدمی کسی بھی طریقہ سے نماز سے نکل سکتا ہے مثلاً حدث، قہقہہ وغیرہ۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ایک حدیث حضرت رفاعہ کی ہے ترمذی میں موجود ہے کہ آپ نے ایک اعرابی کو تین مرتبہ نماز پڑھنے کیلئے فرمایا اور پھر آپ نے نماز سکھائی اور اسکے بعد فرمایا فقد قضيت صلاتك اور نماز پہ اسکے اندر تمام فرائض آگئے اور سلام آپ نے سکھایا نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ فرض نہیں اور اس حدیث ~~[illegible]~~ میں جو تحلیل کو سلام پر موقوف کیا ہے خبر واحد ہے لہذا اسکی وجہ سے ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ واجب ہے۔ اسکے علاوہ ہمارے پاس اور احادیث ہیں جن سے معلوم ہوا کہ سلام فرض نہیں۔ ابن مسعود کی ایک حدیث ہے معلوم ہوا کہ آپ نے ایک مرتبہ نماز سکھائی اور تشہد سکھانے کے بعد فرمایا اذا قلت هذا او فعلت هذا فقد تمت صلوتك ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد اسکے اندر سلام کا بیان ذکر نہیں ہے اور اگر وہ فرض ہوتا تو ضرور بیان فرماتے پھر اختیار دینا [illegible] اعتراض کیا گیا کہ یہ حدیث کا ٹکڑا نہیں بلکہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے اسکا جواب دیا گیا کہ اول تو حدیث کا قول ہونا ثابت ہے اور اگر ہم مان لیں حضرت ابن مسعود کا قول مانیں تب بھی اہل اصول کا قاعدہ ہے کہ غیر معقول میں صحابی کا قول مرفوع کے حکم میں ہے لہذا مرفوع ہوگا۔ ایک اشکال یہ ہوا کہ حضور نے اس حدیث میں تین اجزاء بیان کئے جن میں سے ایک یعنی الطہور کو آپ نے فرض اور باقی کو واجب کیوں قرار دیا؟ حضرت گنگوہی نے جواب دیا کہ طہور کا ثبوت قرآن سے ہے لہذا فرض ہوا اور دو کا ثبوت نہیں ہے ۱۲

314 عن علی بن طلق قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ عن معاویہ بن سفیان 40/26

اور اس حدیث میں اختلاف ہے بعض نے اسکو طلق بن علی اور بعض نے علی بن طلق ضبط کیا ہے امام احمد اور ترمذی نے اسکو مسانید علی میں ذکر کیا ہے۔ امام رافعی نے فتح العزیز میں اس حدیث کا تعلق فرمایا کہ حدیث علی بن ابی طالب لیکن یہ غلط ہے بلکہ یہ علی بن طلق ہیں ولا تأتوا النساء فی اعجازھن پہلے طہارت ظاہرہ کو بیان فرمایا اور اسکے بعد طہارت باطنہ کو بیان فرماتے ہیں [illegible] وطی فی الدبر [illegible] متعلم اسکے ترک کا ذریعہ طہارت باطنی حاصل کرو۔ امام مالک کی ایک روایت اور امام شافعی کا قول کی ایک روایت میں جسکو ابن عبد الحکم نے نقل کیا ہے ان دونوں کے نزدیک وطی فی الدبر جائز ہے حاکم بن عبد اللہ نے مستدرک میں ایک قصہ نقل کیا جس سے معلوم ہوا کہ آپ بھی قائل تھے لیکن اصح یہ ہے کہ وہ اسکے عدم جواز کا قائل ہیں اور یہ قصہ غلط ہے یا پہلے جواز کا قائل ہونگا اور اسکے بعد آپ نے رجوع کر لیا۔ ابن عمر سے بھی جواز نقل کیا گیا ہے لیکن اب متبعین ائمہ اربعہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ 316 41/2

[illegible]

دوسری حدیث معروف ہے وہ یہ ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کا سو جانا سبب ہے بندھن کھل جانا ہیں اور نقض وضو ہو جاتا ہے وکاء السہ وکاء کا معنی بندھن کا ہیں اور السہ کا معنی دبر بیان کئے گئے ہیں الاست (دبر) حلقۃ الدبر۔ دبر۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ شوکانی نے اسکو

عن علی وکاء السہ العینان الخ عن ابن عباس ان الوضوء علی من نام الخ

یہ حدیث مطلق ہے اور امام محی السنۃ شافعی ہیں تو انہوں نے اپنا مسلک کا ساتھ دیتے ہوئے فرمایا کہ ھذا فی غیر القاعد یعنی نقض وضو کا حکم غیر قاعد کیلئے ہے اور جو قاعد ہو ان کی حالت میں سوئے اسکی وضو نہیں ٹوٹتی کیونکہ مشہور ہے صحابہ کرام آنحضرت علیہ السلام کی نماز کے انتظار میں بیٹھے بیٹھے سوتے تھے اور پھر بغیر وضو کے نماز پڑھ لیتے تھے۔ مسئلہ نوم میں علماء کے مختلف اقوال ہیں علامہ شوکانی نے ۸ و علامہ نووی نے آٹھ مذہب نقل کئے ہیں نیز اسکے علاوہ اور بہت سے اقوال ہیں لیکن یہ آٹھ مشہور ہیں غور سے سنئے۔

[illegible]

۱ المذہب الاول:۔ نوم مطلقا ناقض نہیں ہے یہ مذہب حمید الاعرج۔ ابو موسیٰ الاشعری شعبی وغیرہ کا ہے۔

۲ المذہب الثانی۔ حسن بصری اسحاق بن راہویہ۔ امام مزنی ابو القاسم بن المنذر۔ ابو عبیدہ۔ الحسن۔ ابن عباس کے نزدیک مطلقا

۳ الثالث:۔ ربیعۃ الرائے امام احمد زہری مالک بن انس کے نزدیک کثیر ناقض ہے قلیل نہیں۔

۴ الرابع:۔ امام احمد کی ایک روایت ہے کہ نوم راکع اور ساجد کی ناقض ہے۔

۵ الخامس:۔ امام احمد کی ایک اور روایت ہے کہ صرف راکع کی نوم ناقض ہے۔

۶ السادس:۔ نماز میں کسی حالت میں سو جائے وضو نہیں ٹوٹے گی یہ امام شافعی کی ایک روایت ہے۔

۷ السابع:۔ امام شافعی کے نزدیک اگر مقعد زمین پر ٹکی رہیں تو ناقض نہیں ہے۔

316 الثامن عشر :- سفیان ثوری کا نزدیک صرف مضطجع کی نوم ناقض ہے۔ 41/2

التاسع :- امام شافعی کی پہلی روایت حنفیہ کا مذہب کی نوم ناقض نہیں ہیں رکوع و سجدہ کی نوم ناقض ہے۔

العاشر :- ارشاد حضرت میں ہے حنفیہ کا مذہب اگر خواب دیکھنے لگ گیا تو نوم ناقض ہے ورنہ نہیں ہے۔

الحادی عشر :- حضرت امام صاحب کا نزدیک نماز کی کسی حالت میں ہو ایسے ہی خارج صلوٰۃ کسی حالت میں ہو ناقض وضو نہیں۔ البتہ مضطجع اور مستند الی شئی کو ازیل لسقط کی نوم ناقض ہے۔

دوسرا حدیث جو حضرت ابن عباس کی ہے تشریح کا محتاج نہیں ہے۔

[illegible]

319 عن بسرة قالت اذا مس احدكم ذكره الخ عن طلق بن علي قال سئل عن الخ 6

حضرت بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے ذکر کو مس کرے تو اس کو وضو کرنا چاہئے۔ دوسری حدیث حضرت طلق بن علی کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مس ذکر سے وضو واجب نہیں ہے لیکن یہ شوافع کا مذہب کے خلاف ہے لہٰذا وہ اثبات مذہب کیلئے فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

مسئلہ مس ذکر کے اندر علماء کا اختلاف ہے جمیع ائمہ دو جماعتیں ہیں۔ اول حضرت ابن عباس، ابن عمر، عائشہ، سعد بن وقاص، عمر بن الخطاب رضوان اللہ علیہم اجمعین، امام شافعی امام احمد ان تمام کے نزدیک وضو واجب ہے۔ البتہ امام شافعی کے نزدیک وضو واجب ہوگا جبکہ باطن کف سے مس کرے۔ جابر بن زید کہتے ہیں کہ العمد اً مس سے وضو واجب ہے ورنہ نہیں۔ یہ تمام لوگ استدلال کرتے ہیں حضرت بسرہ کی حدیث سے اور حضرت طلق بن علی کی روایت کو یہ لوگ منسوخ مانتے ہیں حضرت ابو ہریرہ کی ایک حدیث سے جس میں آتا ہے مس ذکر سے وضو ہے۔ محی السنہ، ابن حبان، طبرانی ان تمام کے نزدیک منسوخ ہے کیونکہ حضرت طلق بن علی حضور کے پاس سنہ ۱ھ میں آئے اور اس وقت مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی اور ابو ہریرہ کی حدیث اس کے بعد میں ہے لہٰذا وہ ناسخ ہوگی متقدم کے لئے لہٰذا ناقض وضو ہونا ثابت ہو گیا۔ دوم حضرت علی بن ابی طالب، عمار بن یاسر، عمران بن حصین، ابو درداء، سعد بن وقاص، سفیان ثوری، حضرت امام صاحب ان تمام کے نزدیک واجب نہیں ہے اور یہ لوگ استدلال کرتے ہیں حضرت طلق بن علی کی حدیث سے جسکو پہلی جماعت نے منسوخ قرار دیا تھا یہ لوگ کہتے ہیں کہ منسوخ ہونا جب تسلیم کرتے جب متقدم ہونا ثابت کر سکتے اول یہ کہ حضرت طلق بن علی سنہ ۱ھ میں آئے اسکے بعد نہیں آئے۔ دوم یہ کہ مسجد نبوی سنہ ۱ھ میں بنی ہے اسکے بعد نہیں بنی اور یہ دونوں باتیں ثابت نہیں ہوسکتی لہٰذا نسخ کا دعویٰ باطل ہے کیونکہ ابن سعد نے طبقات کے اندر لکھا کہ حضرت طلق سنۃ الوفود میں حاضر ہوئے اور یہ فتح مکہ کے

جب کا واقعہ ہے اور اسی وفد میں مسیلمۃ الکذاب بھی ہے۔ دوسرا یہ بات رسوخ سے ثابت نہیں
کر سکتے کہ مدینہ منورہ آئے۔ علامہ نور الدین سمہودی نے وفاء الوفاء میں تحریر فرمایا کہ مسجد نبوی سنہ ۱ھ میں بنائی گئی
اور ایک بار غزوہ فتح مکہ سے پہلے اور فتح خیبر کے بعد بنائی گئی ہے لہٰذا ان کا یہ کہنا کہ مسجد نبوی کے
بنتے وقت موجود تھے اس سے دونوں احتمال ہو گیا پہلے مرتبہ میں ہوں اور ہو سکتا ہے کہ دوسری مرتبہ
میں ہوں لہٰذا ان کا مقدم ہونا ثابت نہ ہو سکا اور جب تقدیم ثابت نہیں ہے تو ان کا منسوخ ہونا بھی ختم
ہو گیا۔ یہ تو منسوخ کے متعلق گفتگو تھی اب رہ گئی وہ حدیث جس کو وہ لوگ ناسخ مانتے ہیں اس کے متعلق بھی
ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کے اندر احتمال ہے کہ حضرت
ابوہریرہ نے یہ حدیث کسی اور سے سنی ہو اور یہ احتمال ضعف کی وجہ سے پیدا ہوا کہ حضرت ابوہریرہ
اکثر اوقات دوسرے صحابہ کے قول کو اپنی طرف منسوب کیا کرتے تھے اور صحابہ بھی احادیث کو کبھی خود
اور کبھی دوسروں سے حاصل فرمایا کرتے تھے لہٰذا جب یہ احتمال پیدا ہو گیا تو استدلال ختم کیونکہ
اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ دوسرا جواب یہ ہے حضرت امام شافعی وغیرہ فرماتے
ہیں کہ بسرہ کی حدیث راجح ہے اور طلق بن علی کی حدیث مرجوح ہے کیونکہ اس کے دو راوی ضعیف
ہیں ایک محمد بن جابر یمامی۔ دوسرا ایوب بن عتبہ لہٰذا جب یہ مرجوح ہو گئی تو ہمارا مذہب ثابت
ہو گیا۔ حنفیہ کا جواب یہ ہے کہ علی بن مدینی نے حضرت طلق بن علی کی حدیث کے متعلق تو یہ کہا ہے
کہ یہ احسن ہے حدیث بسرہ سے۔ جیسا کہ طحاوی اور ابن حبان نے بھی حدیث طلق کی تصحیح فرمائی ہے
نیز ہم نہیں مانتے کہ اس کے دو راوی ضعیف ہیں کیونکہ دوسرے ذریعہ سے یہ سند ثابت ہو چکی لیکن ایک اس کی
تیسرے راوی ملازم بن عمرو ہیں وہ بالکل ثقہ ہیں اور ان کی سند ثابت ہو چکی ہے اس وجہ سے آپ کا
مرجوح قرار دینا۔ نیز یہ قصہ ایسا ہے کہ عام البلویٰ ہے تو اس کی وجہ سے اگر موجب وضو ہوتا تو دوسرے
اصحاب بھی روایت کرتے کیونکہ احادیث مشہور ہو جاتیں حالانکہ علاوہ حضرت بسرہ کے کسی اور کی حدیث اتنی
مشہور نہیں ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ بسرہ کی یہ روایت ضعیف ہے۔ نیز جب عروہ بن زبیر نے یہ
حدیث بیان کی تو ان سے پوچھا گیا کہ تم نے یہ حدیث کس سے سنی انہوں نے فرمایا مروان سے اور مروان نے
بسرہ سے حالانکہ اس میں مروان متہم ہے لہٰذا یہ حدیث بسرہ ناقابل اعتبار ہو گی۔ اس کا جواب انہوں نے
دیا کہ مروان نے تو ایک شرطی کو بھیجا تھا بسرہ کے پاس خود مروان نے نہیں سنا تو اس نے جا کر
اصحاب نے فرمایا کہ وہ شرطی تو مروان کے پاس آ کر پڑھا ہوا ہے کیونکہ اس کا تو نام وغیرہ کا بھی پتہ نہیں
بالکل مجہول ہے۔ حضرت امام شافعی وغیرہ نے ایک اور اشکال پیش کیا کہ صحیحین نے بسرہ کی تمام روایات سے
استدلال کیا ہے اور طلق بن علی کی حدیث کی روایت سے استدلال نہیں کیا اس سے معلوم ہوا کہ

319 حدیث بسرہ صحیح ہے جو امام محمد نے موطا میں لکھا ہے بسرہ کی حدیث کے تمام رواۃ سے استدلال کیا تو خود 41/6
بسرہ کی اس حدیث کو مسلم و بخاری نے کیوں ذکر نہیں کیا معلوم ہوا کوئی علت قادحہ ضرور تھی جس کی
وجہ سے ان لوگوں نے اس حدیث کو نہیں لیا۔ اب سمجھا دو دعوی کہ یہ بھی حدیث بسرہ کی صحت مان کر
تو ان لوگوں نے کہا کہ ان دونوں حدیثوں میں تطبیق کیوں ہو یہ نکلے گی کہ طلق بن علی کی حدیث کو مس
بغیر حائل الید پر محمول کیا جائے اور بسرہ والی حدیث کو مس بلا حائل الید پر محمول کیا جائے چنانچہ خود
حدیث میں اسکی طرف اشارہ ہے۔ ورنہ لفظ افضاء بالید کا ذکر حدیث ابو ہریرہ میں ہے اور افضاء
کے معنی امام شافعی نے بیان فرمائے باطن کف کو پہونچانا بغیر حائل جیسا ہم جو جانتے ہیں ہمارے اصحاب نے
جواب دیا کہ افضاء کے معنی مطلق پہونچانے کے آتے ہیں یہ بات حدیث میں نہیں۔ دو وجہ بتا سکتے ہیں ظاہر یا باطن
کف سے ہے۔ ہمارا ادعا اس تقریر کے بعد اظہر من الشمس ہو گیا۔ واحتفظ هذا التقرير فانه جيد غاية الجودة۔

323
324
325
عن عائشة قالت الخ عن ابن عباس قال اكل الخ عن ام سلمة انها قالت الخ 41/11

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کا بوسہ لیا کرتے
تھے اور نماز پڑھ لیتے تھے وضو نہیں فرماتے تھے۔ مس امرأۃ کے بعد وضو لینا چاہیے میں علماء کا تین قول ہیں
(۱) امام شافعی امام احمد کی ایک روایت عبد اللہ بن مسعود۔ عبد اللہ بن عمر بن الخطاب۔ شعبی نخعی
ابو عثمان نہدی۔ سلیمان بن یسار ان تمام کے نزدیک مطلقاً مس ناقض وضو ہے (۲) امام صاحب ابن عباس
ابی بن کعب۔ قتادہ۔ امام احمد کی ایک روایت۔ عبیدہ بن عمر شعبی وغیرہ کے نزدیک ناقض نہیں ہے
(۳) امام مالک کے نزدیک اگر شہوت کیساتھ مس ہے تو ناقض وضو ہے ورنہ نہیں۔ یہی اور ایک روایت عن احمد
وهو المشهور عنه۔ بر اصل اختلاف قرآن پاک کی آیت او جاء احد منكم من الغائط او لامستم النساء
سے ہوا ہے جنہوں نے آیت شریفہ میں لامستم سے مس بالید مراد لیا ہے انکے نزدیک ناقض ہے اور
جنہوں نے مس سے جماع مراد لیا ہے انکے نزدیک مس بالید ناقض وضو نہیں ہے۔ آیت کا تعلق وہ
لوگ کہتے ہیں کہ لامستم النساء میں ایک قراءت لمستم النساء ہے اور لمس کے معنی مس بالید کے
ہیں نیز ایک قرینہ یہ بھی ہے حدیث میں آتا ہے الید زناها اللمس بہر حال قراءت کے پیش نظر مس
بالید مراد ہوگا۔ ہمارے لوگ کہتے ہیں جو روایت قید لمس کی دو معنی ہیں ایک وہ جو آپ بیان کئے
اور دوسرا مجاز کی معنی مراد ہیں وہ جماع ہے چنانچہ حضرت ابن عباس۔ قتادہ۔ طاؤس وغیرہ
نے لامستم النساء کی تفسیر جماع کے ساتھ کی ہے جو آیت پر جنبی ہونا میں لمس کی نسبت ذکر نہیں
کیونکہ ہوتی ہے تو اس سے جماع مراد ہوتا ہے جو آیت پر اگر لمس بالید مراد لیں گے تو تکرار ہوگا
اور جدید فائدہ حاصل نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں اس پر وضو واجب ہوگی اور حدث اصغر کا

323 الزام ہوگا حالانکہ ماقبل میں نماز کو ٹوٹ جانے کا حضرت ... ہیں ہے اور اگر مس کا بھی حکم قرار دیا جائے تو 41/11
غسل واجب ہوگا اور حضرت زہری کا الزام ہوگا جسکا ماقبل میں ذکر نہیں۔ تو گویا لمس بالید کی صورت میں
کلام پر ضرور تاکید ہوگی اور ثانی صورت میں تاسیس ہوگی والتاسیس اولی من التاکید نیز اس حدیث
سے ہی ہمارا مذہب ثابت ہوا نیز جو اثر ابن مسعود سے مروی ہے جو حضرت زہری کا مقتضی ہے
علاوہ جماع کا ... ہوتی ہے۔ مگر ان لوگوں نے اعتراض کیا اس حدیث کو ابو روق ابراہیم
تیمی سے اور وہ حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں اور ابو روق پر کلام ہے نیز ابراہیم کا سماع
حضرت عائشہ سے ثابت نہیں ہے لہذا یہ حدیث مرسل ہوگی۔ اول کا جواب یہ ہے کہ ابو روق راوی ثقہ اور
صحیح ہیں اور ابراہیم کا سماع اگرچہ ثابت نہیں لیکن محمد بن جریر طبری فرماتے ہیں کہ مراسیل ہمیشہ
مقبول ہیں البتہ امام شافعی نے سب سے پہلے اسکا انکار کیا ہے لہذا ہمارا استدلال حدیث مرسل صحیح
سے درست اور صحیح ہے چنانچہ امام نسائی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہو لیکن باوجود احسن ما فی الباب
دوسری دلیل ہمارا یہ ہے کہ جب حضور جب تہجد پڑھتے تو حضرت عائشہ آپکے پاس ہی پیر پھیلائے لیٹی رہتی تھیں
جب آپ سجدہ میں جاتے تو ان کو ہاتھ سے آپ انکا پیر ایک طرف فرماتے اور سجدہ کرتے اسکے علاوہ اور
بہت سی احادیث ہمارے موید ہیں۔ دوسری حدیث حضرت ام سلمہ کی ہے جسکا تعلق وضو مما مست
النار سے ہے ماقبل میں توضیح گزر گئی۔

الفصل الثالث: اس فصل کی تمام احادیث بھی وضو مما مست النار سے متعلق ہیں جو قابل تشریح 16
نہیں ہیں انکا مفصل بیان ماقبل میں گزر گیا البتہ یہ حدیث

333 عن عمر بن عبد العزیز عن تمیم الداری قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الو 42/1
قابل توضیح قبیل ہے وہ یہ کہ حنفیہ کے نزدیک دم سائل ناقض وضو ہے اور یہ حدیث مستدل ہے
لیکن دار قطنی نے اعتراض کیا کہ یہ حدیث اور روات کی وجہ سے ضعیف ہے لہذا اس سے استدلال صحیح
نہیں تھا جواب محقق ابن ہمام نے دیا کہ ہمارا استدلال اسکے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں اسکی
ضعف سے ہمارے مذہب پر اثر نہیں پڑتا۔ شافعیہ کے نزدیک دم ناقض وضو نہیں ہے
یہ لوگ استدلال کرتے ہیں ایک حدیث سے جسمیں قصہ آیا ہے کہ غزوہ ذات الرقاع کو کسی مقام کی
حفاظت کیلئے بھیجا جب وہ پہونچے تو انہیں سے ایک نے کہا کہ تم سو جاؤ اور آدھی رات میں
حفاظت کرونگا اور اسکے بعد تم اٹھ جانا اور میں سو جاؤنگا چنانچہ وہ سو گئے اور دوسرا
نماز کی نیت باندھ لی دشمن میں سے کسی نے آکے تیر مارا ایک دو کو آپ نے نکالا لیکن اسکا
پورا بدن کا خون سے رنگ گیا اور حضور کے پاس آئے تو دیکھو باوجود خون کا سیلان کا وہ نماز
پڑھتے رہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضور کی تقریر سے ثابت نہیں۔ جو ازالہ خون تو آپکے
نزدیک بھی خون جب کپڑوں پر لگ گیا تو نماز نہ ہونی چاہئے ۱۲

باب آداب الخلاء

الفصل الاول :- عن ابی ایوب الانصاری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ

آداب جمع ادب کی بمعنی عادات اور ادب کی تعریف فرمائی ہے علی ما یحمد قولاً و فعلاً اور اصطلاح فقہاء میں ادب کہتے ہیں جسکا کرنے والا ثواب پاوے اور تارک موجب عتاب ہو اور گنہگار نہ ہو۔ خلاء لغت میں مکان خالی کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں پردہ مکان جسمیں انسان اپنی حاجت کو پورا کرتا لیکن یہ ہیں اسکا رکھنا ان بول وبراز ہی ہوتا تھا اور کہا جاتا ہے بیت الخلاء۔ اب حدیث سنئے :-

الغائط ہر مکان منخفض کو کہتے ہیں اور چونکہ اسکا اطلاق بول وبراز پر ہوتا تھا ۔

علماء دین محدثین کا دستور ہے کہ وہ مجہول کا صیغہ لیتے تو اس روایت کو ذکر فرماتے ہیں جو ضعیف ہو اور جو صحیح ہو اسکو معروف کا صیغہ لیتے تو استعمال کرتے ہیں لیکن یہاں مصنف نے تسامح کیا اور اس حدیث کو باوجود صحیح ہونے کے صیغہ مجہول سے تعبیر کیا۔ ارتقیت فوق بیت حفصۃ ایک روایت میں فوق بیتنا ہے اور ایک روایت میں فوق بیتنا واقع ہوا۔ حافظ ابن حجر نے جمع فرمایا کہ حضرت حفصہ کیطرف اسناد حقیقی اور اپنی طرف اسناد مجازی ہے (۲) چونکہ حضرت حفصہ کا مکان ابن عمر کو بطور میراث ملا تھا تو حضرت حفصہ کیطرف نسبت باعتبار ما کان کے ہے اور اپنی طرف نسبت باعتبار مایؤل کے ہے یہ نقل تحقیق تھی۔ خلاصہ مقال یہ نکلا کہ حضرت ابو ایوب کی حدیث سے استقبال و استدبار سے نہی وارد ہوئی اور ابن عمر کی حدیث سے معلوم ہوا کہ بنیان میں یہ دونوں جائز ہیں چنانچہ علماء کا اختلاف

القول الاول :- حضرت ابو ایوب انصاری۔ مجاہد۔ نخعی۔ امام ابوحنیفہ امام ابو یوسف و محمد ابو ثور ان تمام کے نزدیک صحاری و بنیان میں استقبال و استدبار ناجائز ہے ۔

القول الثانی :- ربیعۃ الرائے۔ داؤد ظاہری۔ حضرت عروہ بن زبیر وغیرہ کے نزدیک استقبال و استدبار صحاری و بنیان دونوں میں جائز ہے ۔

القول الثالث :- امام مالک۔ امام شافعی اور ایک روایت امام احمد کی اسی طرح حضرت ابن عباس وغیرہ کے نزدیک بنیان میں جائز ہے اور صحاری میں ناجائز ہے ۔

القول الرابع :- امام محمد امام احمد کی ایک روایت میں استقبال صحاری اور بنیان میں ناجائز ہے اور استدبار دونوں جگہ جائز ہے ۔

القول الخامس :- امام ابو یوسف سے نقل کیا گیا کہ بنیان میں صرف استدبار جائز ہے اور استقبال اور ایسے ہی صحاری میں استقبال و استدبار دونوں ناجائز ہے ۔

القول السادس :- ابو ایوب انصاری۔ امام محمد امام احمد ایک روایت میں ابو ثور سے منقول ہے کہ استقبال و استدبار صحاری و بنیان میں منہی عنہ ہے مگر نہی تنزیہی ہے

القول السابع: ابن سیرین اور ابراہیم ان دونوں کے نزدیک نہی عام ہے یعنی تمام صورتوں کو
شامل ہے اور ایسے ہی عام ہے قبلتین کو یعنی کعبہ کیطرح بیت المقدس کا بھی یہی حکم ہے۔

القول الثامن: ابو عوانہ کہتے ہیں کہ یہ نہی خاص مدینہ والوں کیلئے ہے۔ ان آٹھ اقوال کے
بعد مجملاً ہر ایک کی دلیل سنئے اور ہر ایک کے مذہب کو سمجھئے تاکہ اور تمام مذاہب سامنے
رہنے پر ترجیح کے درجہ کا درجہ اور باہمی کا باہمی ارتباط ہو جائے۔

پہلا قول امام مالک وغیرہ کا ہے ان لوگوں نے استدلال کیا حضرت ابو ایوب انصاری کی حدیث سے جسمیں مطلقاً استدبار
و استقبال دونوں سے ممانعت کا پایا جاتا ہے چنانچہ یہ حدیث بخاری و مسلم سنن بیہقی میں ان کے الفاظ کا
ساتھ موجود ہے فقدمنا الشام فوجدنا مراحیض قد بنیت قبل القبلة فننحرف ونستغفر الله یعنی جب
ہم ملک شام گئے تو وہاں کے مراحیض (پاخانے) قبلہ کی جانب بنے ہوئے دیکھے تو ہم ناجائز کہکر انحراف
کرتے اور اللہ سے استغفار کیا اور اس میں زیادتی کی گئی جو سنن نسائی میں یہ حدیث گذری لیکن
وہاں شام کا بیان ہونے کا ذکر ہے چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں حدثنا ابو ایوب الانصاری وھو بمصر
ان دونوں روایتوں میں ابو زرعہ کا جمع دینے کیا کہ تعدد پر محمول ہے یعنی یہ واقعہ ایک دفعہ شام میں
اور ایک دفعہ مصر میں واقع ہوا۔

دوسرا قول امام ربیعہ اور ان وغیرہ کا ہے کہ مطلقاً جائز ہے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں حضرت ابن عمر
کی حدیث سے اور کہتے ہیں کہ اس نے ابو ایوب انصاری کی حدیث کو منسوخ کر دیا۔

تیسرا قول امام مالک وغیرہ کا ہے کہ صحراء میں ناجائز اور بنیان میں جائز ہے اس تفریق کی
وجہ یہ ہے حضرت ابو ایوب کی حدیث کا تعلق جنگل صحاری و بنیان میں ناجائز ہو اور حضرت ابن عمر
کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بنیان میں جائز ہو جاتے ہیں لہذا ہم کی حدیث کو صحاری پر اور حضرت
ابن عمر کی حدیث کو بنیان پر محمول کریں گے۔

چوتھا قول امام صاحب اور امام احمد کی ایک روایت کہ صرف استقبال ہر جگہ ناجائز ہے وہ لوگ کہتے ہیں
کہ ایک حدیث حضرت سلمان فارسی کی ہے جس میں صرف استقبال کی نہی ہے۔

پانچواں قول امام ابو یوسف کا کہ بنیان میں صرف استدبار جائز ہے کیونکہ ابن عمر کی حدیث کا اندر
مستدبر القبلة کا ذکر ہے اور وہ بنیان کا واقعہ ہے اور باقی تمام صورتیں ناجائز ہیں۔

چھٹا قول حضرت ابو ایوب انصاری وغیرہ سے منقول کہ یہ نہی تنزیہی ہے کیونکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا
کہ یہ دونوں ناجائز ہیں اور بعض سے جواز ثابت ہے لہذا دفع تعارض کے لئے ہم نے یہ کہدیا۔

ساتواں قول ابراہیم وغیرہ کا ہے کہ نہی عام شامل للقبلتین ہے کیونکہ ایک حدیث معقل بن ابی معقل کی

334 جیسے اندر آپ نے دونوں قبلوں کا استقبال و استدبار سے منع فرمایا ہے 42/3

آٹھواں قول ابو عوانہ کا ہے یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ حضور نے حضرت ابو ایوب کی حدیث میں فرمایا شرقوا او غربوا اور یہ خطاب اہل مدینہ کو تھا لہذا وہیں تک اس کا حکم ہے تو مختص ہیں۔ ہاں جو اضعف الاقوال یہ تو آٹھ قول نسخ الدلیل پر راجح ہو گئے اب عجم اور امام شافعی جیسا ان میں باقی ہیں ہمارا طرز دیکھا ایسے ہیں ابن حزم ظاہری ابن العربی ان تمام کا مزید کہنا ہے کہ نہی عام ہے استدبار و استقبال بنیان اور صحراء میں ممنوع شامل ہے اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ چونکہ دونوں میں تعارض ہے لہذا جمع احکام سے ترجیح کر ابو ایوب کی حدیث کو صحرا پر اور ابن عمر کی حدیث کو بنیان پر محمول کر کے لیکن ابن عمر کی حدیث سے ہمارے نزدیک استدلال کرنا امام شافعی علیہ الرحمۃ کا صحیح نہیں چند وجوہ سے جو حسب ذیل ہیں

الوجہ الاول یہ خصوصیت حضور کی ہے جبکہ آپ کا استقبال و استدبار کرتے ہیں۔

الوجہ الثانی ان دونوں کا عدم جواز اس وجہ سے ہے کہ استقبال یا انحراف ہے کعبہ کی اور آپ کعبہ سے افضل ہیں

الوجہ الثالث آپ کا بول و براز پاک ہے لہذا وہ نجاست نہیں ہوگی اس وجہ سے یہ انحراف نہیں ہوگی

الوجہ الرابع سینہ انور کعبہ کی طرف ہوگا اور ذکر مبارک کو دوسری جانب فرما رکھا ہوگا۔

الوجہ الخامس آپ ایسے وقت میں کعبہ کا مشاہدہ فرما رہے ہوں گے اور چہرہ انور جہت قبلہ ہی کو مڑا ہوا مشاہدہ کیونکہ عین قبلہ کا استقبال و نظر میں ہے نہ کہ جہت قبلہ کا۔

الوجہ السادس شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن فرماتے ہیں کہ جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم استنجے کیلئے بیٹھے اور ابن عمر آگئے اور انہوں نے آپ کی جانب دیکھا تو وہ یہ سمجھے کہ آپ قبلہ کی جانب منہ کر کے ہیں حالانکہ آپ کا چہرہ انور آپ نے دیکھنے کیلئے مستور نہ ہوا تھا اور نہ وہ تو سمجھے آپ نے استقبال قبلہ نہیں کیا تو کیا ان چھ وجوہات کے سننے کے بعد معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس حدیث سے استدلال کرنا اور رفع تعارض کے لئے جمع کا طریقہ اختیار کرنا سب بیکار ہے۔ ۱۲

336 عن سلمان قال نهانا يعني رسول الله صلى الله عليه وسلم ان نستقبل القبلة الخ 6

آپ فارسی النسل ہیں اسلام کا قصہ بہت مشہور ہے حضور کا ارشاد تھا ایک مرتبہ فرمایا تھا سلمان منا اہل البیت۔ آپ کی عمر شریف بعض ڈھائی سو سال اور بعض تین سو سال بیان کرتے ہیں الاول اصح آپ کا ارشاد ہے کہ ہم کو منع فرمایا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی عبارت سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مخاطب امت کا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حتی کہ حدیث کے بعض ایک کا تعلق ہیں فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود علم بغوی کا قول ہے اس حدیث کا اور پانچ حصوں کو بیان کیا گیا ایک استقبال قبلہ کو استنجاء میں بیان کر دیا اب آگے چار استنجاء دایاں ہاتھ سے۔ استنجاء ہاتھ سے۔ استنجاء

بار دھیلے۔ خاص استنجاء کا معلوم رکھنے شخص سینٹے ۔ بعض ظاہریہ اور بعض حنابلہ کے نزدیک استنجاء
بالیمین ناجائز ہے اور وہ کافی نہیں ہوگا عقیدہ ہو دوں ہمارا بعض اصحاب شوافع
شافعی اس نہی کو ادب کی طرف ارشاد کیا لیکن یہ غیر معتبر ہے جمہور کے نزدیک مکروہ ہے۔

استنجاء بعدد مخصوص کا ثبوت ہے جواز اور حسن بن سہیل اور داود ظاہری اور بعض مالکیہ
ہیں اور نجو بلند زمین کو کہتے ہیں چونکہ پہلے لوگ استنجاء کے لئے ایک بلند مقام پر چلے جاتے تھے
اب یہ استنجاء کا کیا حکم ہے؟ امام حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک
واجب ہے سعید بن جبیر عطاء وغیرہ اور امام مالک امام شافعی کے ساتھ ہیں اور بعض نے کہا کہ امام
مالک امام شافعی کے ساتھ ہیں لیکن یہ اختلاف اس وقت ہے جب نجاست مخرج سے متجاوز
نہ ہو اور اگر قدر درہم سے کم متجاوز ہوگئی تو پھر سنت ہوگا اور اگر برابر ہے تو واجب اور
اگر قدر درہم سے زیادہ ہوگئی تو استنجاء فرض ہے۔ علماء نے استنجاء کی تین قسمیں بیان کی
اول استنجاء بالحجر والماء۔ دوم بالماء فقط۔ سوم بالحجر فقط والاول اولی والافضل۔ بعض
ظاہریہ اور حنابلہ کے نزدیک بغیر حجر کا استنجاء جائز نہیں ہے لیکن جمہور کے نزدیک تمام شئی طاہر سے
استنجاء ہو سکتا ہے البتہ کاغذ سے استنجاء دو حال سے خالی نہیں یا تو اس پر لکھا ہوا ہوگا یا نہیں اگر
لکھا ہوا نہیں تو مکروہ تنزیہی ہے اور اگر لکھا ہوا ہو تو دو حال سے خالی نہیں یا تو متعلق بالقرآن لکھا
ہے یا غیر متعلق بالقرآن اگر اول ہے تو ناجائز ورنہ جائز ہے۔ اب ایک مسئلہ باقی رہ گیا احجار میں
عدد متعین ہے یا نہیں۔ امام ابو حنیفہ امام مالک داؤد ظاہری کے نزدیک اصل مقصود انقاء (یعنی صفائی)
ہے اور امام شافعی امام احمد اسحق بن راہویہ کے نزدیک تین کا عدد ضروری ہے اور یہ لوگ استدلال
کرتے ہیں اس حدیث سلمان سے اور ہمارا استدلال ہے حضرت ابن مسعود کی حدیث سے جو صحیح بخاری
میں وارد ہوئی کہ حضور نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میرے پاس تین پتھر لاؤ چنانچہ میں دو پتھر اور ایک روثہ
لایا تو آپ نے اسکو پھینک دیا لیکن صرف دو پتھر سے قضاء حاجت فرمائی معلوم ہوا کہ تین کا عدد ضروری نہیں ہے
اور یہی استدلال امام طحاوی نے فرمایا ہے لیکن ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام طحاوی کو غفلت واقع ہوئی ہے کہ
جب آپ نے روثہ کو پھینک دیا تو آپ نے تیسرا پتھر منگا لینے کا حکم فرمایا اور اس حدیث کی سند بیان کرتے ہیں اخرجہ
احمد بن ... عن معمر عن ابی اسحق عن علقمہ عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ الخ علامہ عینی نے ابن حجر کی
تردید کر دی اور فرماتے ہیں کہ جس طحاوی کو غفلت کی طرف منسوب کیا وہ خود غافل ہے اور فرماتے ہیں
کہ ابن حجر نے حدیث کی جو سند بیان کی اسکے اندر ابو اسحق کا سماع علقمہ سے ثابت نہیں ہے لہذا یہ حدیث
منقطع ہے اور اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ اب اگر کوئی فرض اعتراض کرے کہ اگر یہ منقطع ہو تب بھی

دلیل الوجوبیہ

عدد الحجر

42/6

336 اس حدیث کی متابعت ابو شیبہ واسطی کی حدیث سے ہوتی ہے مصنف عینی نے جواب دیا کہ ابو شیبہ واسطی خود ضعیف ہے لہذا متابعت معتبر نہیں ہے۔ ابن الصغار فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں کہ آپ نے تیسرا جو طلب فرمایا تھا اور اگر ہم تسلیم کرلیں تب بھی ہو سکتا ہے کہ ایک سے آگے کا اور دو سے پیچھے کا استنجاء کیا ہو نیز یہ کہنا ہے جیسا خود امام شافعی کے بیان میں شروع ہے کیونکہ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص ایک ڈھیلہ کے تین کونوں سے استنجاء کرے تو کافی ہے حالانکہ ایسی صورت میں کوئی ثبوت نہیں لہذا معلوم ہوا کہ مقصود انقاء اور طہارت ہے نہ کہ تین کا عدد۔ دوسری دلیل ہمارے مذہب کی یہ حدیث ہے کہ آگے حضرت ابوہریرہ کی حدیث آرہی ہے کہ من استجمر فلیوتر من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج۔ اس سے معلوم ہوا کہ تین سے کم اور زیادہ میں بھی حرج نہیں۔ تیسری دلیل ہماری یہ ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم میں سے جب کوئی پاخانہ پیشاب میں جائے تو تین پتھر لیکر جایا کرے اور یہ اس کیلئے کافی ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ کفایت کا درجہ ہے نہ کہ وجوب کا۔ اب رہ گیا استنجاء بالرجیع والعظم اس کی تحقیق سنئے۔

رجیع بمعنی المرجوع گوبر کو کہتے ہیں کیونکہ وہ حالت طہارت سے حالت نجاست کی طرف منتقل ہوا ہے امام شافعی امام احمد کے نزدیک ان دونوں سے استنجاء ناجائز ہے۔ ہمارے اصحاب کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے البتہ ادا ہو جائیگا اور یہ حدیث ان کے نزدیک تحریم پر محمول ہے۔ رجیع سے مکروہ تحریمی یا ناجائز اس وجہ سے ہے کہ یہ توشہ دواب جن ہے جیسا کہ روایات سے ثابت ہے جب آپ کے پاس اہل جن نصیبین شہر کا ایک وفد جنوں کا آیا اور انہوں نے آپ سے توشہ طلب کیا تو آپ نے ان کیلئے ہڈیوں کا توشہ دیا اور ان کے دواب کیلئے گوبر کا توشہ دیا۔ اور ہڈی سے بھی استنجاء مکروہ ہے (۱) اس وجہ سے کہ ہڈی چکنی ہوتی ہے طہارت اس سے نہیں ہو سکتی (۲) بعض ہڈیوں کو کھایا جاتا ہے (۳) بعض ہڈیاں نوکدار ہوتی ہیں تو ان سے زخم کا اندیشہ ہے (۴) جنوں کا توشہ اور زاد ہے۔

عن انس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل الخلاء یقول الخ

337 اذا دخل الخلاء ای اذا اراد دخول الخلاء۔ تو آپ یہ دعا پڑھتے تھے اب یہ کیوں پڑھتے تھے (۱) آپ چونکہ ان سے محفوظ تھے اس لئے اظہار عبدیت کیلئے (۲) تعلیم امت کیلئے (۳) شیطان کا اس جگہ زیادہ اثر رہتا تھا۔ ۸

اب رہا یہ کہ دعاء کہاں پڑھی جائیگی؟ جمہور علماء کے نزدیک اندر داخل ہونے سے پہلے اور اگر بیابان میں ہے جیسا کہ صحراء میں ہے تو ازار کھولنے سے پہلے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اندر داخل ہو جانے کے بعد بھی پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ کا ذکر ہر جگہ کیا جاتا ہے اور نجاست ابھی نکلی نہیں ہے

الخبث امام خطابی فرماتے ہیں کہ بسکون الباء غلط ہے بلکہ بضم الباء صحیح ہے اور بعض نے کہا کہ دونوں مشہور لغتیں ہیں لیکن قاعدہ ہے کہ جو جمع فُعُل کے وزن پر ہو اس میں تخفیف جائز ہے سکون کے ساتھ

337 خبث سے مراد ذکور ان شیاطین اور خبائث سے اناث شیاطین مراد ہیں۔ بعض نے کہا کہ اول ۴۲/۸
سے معاصی اور ثانی سے شیاطین مراد ہے۔

338 عن ابن عباس قال مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقبرین فقال الخ ۹
حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ آپ کا دو قبروں پر گذر ہوا۔ دیکھا اور حضور صلی اللہ علیہ نے دونوں قبر
والوں کی تشخیص نہیں کی۔ ابن العطار فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی قبریں تھیں۔ حافظ عسقلانی بھی
اسی طرف رجحان رکھتے ہیں چنانچہ ذکر کیا حدیث ابن ماجہ میں بقبرین جدیدین اور ظاہر ہے کہ جدید قبر مسلمان
کی ہوگی اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے ان کے لئے استغفار فرمایا تو ان تمام روایات کی روشنی
میں معلوم ہوا کہ یہ مسلمان تھے۔ ابو موسی المدینی فرماتے ہیں کہ یہ کافر کی قبریں تھیں کیونکہ ایک حدیث
میں آیا ہے کہ مر بقبرین ہلکا فی زمان الجاہلیۃ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کافر تھے اس روایت کا
جواب دیا گیا کہ اس کا راوی ابن لہیعہ ہے جسکو اختلاط ہو گیا تھا لہذا معتبر نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا
انہما لیعذبان الا انہما کی ضمیر قبرین کی طرف راجع ہے یعنی صاحب القبرین کی طرف راجع ہے گویا قبر کو
مقبور مراد لیا گیا۔ اس جملہ سے معلوم ہوا کہ عذاب قبر حق ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں وما یعذبان فی کبیر کا یہ
مطلب نہیں ہے کہ بلیٰ انہ کبیر ابو عبد الملک البونی فرماتے ہیں کہ حضور نے پہلے یہ فرمایا کہ وما یعذبان فی کبیر
لیکن آپکو بعد میں وحی ہوئی تو آپ نے فرمایا بلیٰ انہ کبیر ۔ دوسرا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے کبیر سے اکبر مراد ہے
اور دوسرے سے کبیر مراد ہے۔ تیسرا مطلب یہ ہوگا کہ اکبر سے اکبر کبیر مراد ہے انہیں عذاب دیا گیا یہ کسی
بڑے کام میں نہیں بلکہ وہ ایک معمولی کام یعنی پیشاب کی وجہ سے عذاب دیا گیا۔ چوتھا مطلب یہ کہ کبیر سے
مراد کبیر فی اعتقادہما ہے۔ پانچواں مطلب یہ کہ کبیر عند الناس مراد ہے۔ النمیمۃ امام نووی فرماتے ہیں
کہ ہو نقل کلام الغیر بقصد الاضرار۔ ما لم ییبسا اس قید کی چند وجوہ سے توجیہ کی (۱) آپ نے دعاء
کی تھی کہ تخفیف عذاب کی حتی کہ خشک ہو گیا (۲) خشک ہونے سے پہلے پہلے تسبیح کرتا رہتا ہے
درخت اور خشک ہونے کے بعد تسبیح منقطع ہو جاتی ہے اس وجہ سے عذاب میں تخفیف تسبیح کی وجہ سے
تھا یقینی ہے اب رہا کہ آپ نے لعلہ کیوں فرمایا تو یہ شک کا جواب ہے۔ لہذا آپکی دعاء مقبول ہوگی
جو اللہ تعالیٰ پر تمام امور کو چھوڑ دیتے تھے اور چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مختار ہیں۔ معلوم ہوا کہ لعل کا معنی
جو آپ کے لعل تحقیق کے لئے ہے جو آپ کے بیان لعل تعلیل کے واسطے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اب بھی قبر پر
تخفیف کے لئے درخت کی ٹہنی گاڑ دینا چاہئے یا نہیں۔ جمہور حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک جائز ہے
قاضی عیاض اور علامہ تورپشتی مالکی بلکہ جمہور مالکیہ کے نزدیک ناجائز ہے لیکن اکثر سب کو
منع کرنا چاہئے ۱۲

42/12 عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا اللاعنین الخ 339
اللاعنان علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ دو سبب ہیں جو لعنت کو کھینچنے والے ہیں علامہ
نووی فرماتے ہیں کہ اگر اسکو مفعول کے معنی میں لیا جائے تو مطلب ہوگا کہ ایسے دو ملعونوں سے بچو کہ جس کے عامل پر
لعنت کی گئی ہے لیکن مسلم میں فعال کے وزن پر لعان واقع ہوا ہے اور اس مفعول والی تاویل نہیں چل سکتی
بلکہ یہی تاویل خطابی والی مراد ہوگی پھر آپ نے دونوں سببوں کو بیان فرمایا کہ ایک راستہ میں پاخانہ
کرنا اور ایک کسی سایہ کے نیچے پاخانہ کرنا اور یہ اس وجہ سے کہ ایسے مقامات پر پاخانہ وغیرہ سے
لوگوں کو اذیت ہوتی ہے اور وہ بد دعا دیتے ہیں اور مناسبت اس حدیث کو باب سے یہ ہوئی
کہ اس میں ایک مسئلہ ہوا کہ قضاء حاجت ایسے مقامات پر نہ کرو۔ علامہ نووی۔ خطابی۔ جمہور
کے نزدیک اس ظل سے مطلق ظل مراد نہیں بلکہ جسمیں لوگ قیام کرتے ہوں اور وہ انکی حاجت
اور ضرورت کی جگہ ہو ورنہ مطلق ظل میں تو حضور سے ثابت ہے کہ آپ نے استنجاء فرمایا چنانچہ ایک
حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک صحابی کو حکم دیا کہ ان دو درختوں سے کہو کہ ملجاؤ پس وہ دونوں آگئے
اور آپ نے انکے سایہ میں استنجا فرمایا۔ علماء نے لکھا ہے کہ جیسے ظل میں ممنوع ہے ایسے ہی سردی
میں اگر کوئی دھوپ کی جگہ لوگوں کا قیام گاہ ہو تو وہ بھی اسی کے حکم میں ہے

340 341 342 عن ابی قتادۃ قال۔ عن ابی ھریرۃ قال۔ عن انس قال کان رسول اللہ الخ 13
آپ نے اس حدیث میں ایک ادب یہ بیان فرمایا کہ پانی پیتے وقت برتن میں سانس نہ لینا چاہئے اور
علماء نے لکھا ہے کہ اولاً سانس کیوجہ سے جو برودۃ قاطع للعطش پانی کے اندر ہوتی ہے وہ سانس کی
گرمی کیوجہ سے ختم ہو جاتی ہے (۲) اس سے نظافت ختم ہو جاتی ہے اور لوگ گھن محسوس کرتے ہیں
(۳) ہوسکتا ہے کہ سانس لیتے وقت منہ سے کچھ نکل جائے اور اسمیں لگ جائے اور اس سے دوسروں کو کراہت
محسوس ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیشہ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ تین سانس میں پانی
نوش فرماتے تھے کیونکہ اگر ایکدم سے میں تمام پانی پی لیا جائے تو اسکی برودۃ معدہ پر پڑتی ہے اور
اس سے قوۃ ہضم پر اثر پڑتا ہے (۴) بعض مرتبہ جگر پر برودۃ کا اثر ہوتا ہے اور پھر اس سے
ورم جگر وغیرہ کی شکایت ہو جاتی ہے۔ حضور نے اس حدیث میں ایک تنفس فی الاناء اور ایک مسح
بالیمین اور ایک مس بالیمین کو ذکر فرمایا۔ تنفس کا مسئلہ مع حضور کی عادت شریفہ کے گذر گیا اب
رہ گیا مسح اور مس بالیمین اسکے متعلق حافظ مستقل کلام فرماتے ہیں کہ علامہ خطابی نے یہاں پر ایک بحث
عجیب کی ہے اور وہ لکھتے ہیں کہ ابو علی بن ابی ہریرہ نے ایک خراسانی فقیہ سے اس حدیث کا مطلب دریافت
فرمایا جسکا وہ جواب نہ دے سکا اور وہ مسئلہ یہ تھا کہ حضور نے مسح اور مس کو ذکر فرمایا کہ ان دونوں سے اکو

42
13

میں ہے تو چھوٹا اور ڈھیلے سے استجمار اور دونوں ہاتھ حالانکہ یہ مشغول ہوگا ۔ آدمی استنجا کیونکر کرتا اور دونوں ہی ہے
کیونکہ استنجا کی صورت یہ ہو گی کہ داہنے ہاتھ سے ڈھیلا لے اور بائیں ہاتھ سے ذکر کو پکڑے تو
تو اس صورت میں مس بالیمین اگرچہ نہیں ہے لیکن مسح بالیمین ہے ایسے ہی اگر اس کا عکس ہو کہ داہنے
سے ذکر کو پکڑے اور بائیں سے استنجا کرے تو اس صورت میں اگرچہ استجمار بالیمین نہیں ہے
البتہ مس بالیمین ہے لہذا ایک یہ صورت بتائی جاتی ہے کہ ڈھیلا ... دیوار ہے اگر ڈھیلے
اور ذکر کو بائیں ہاتھ سے پکڑ کے اس پر مسح کرے تو مس بالیمین سے بھی بچ جائے گا اور اگر دیوار نہ ہو
تو ایسا کرے کہ ڈھیلے کو ایڑی سے دبا کر بیٹھے اور اپنی دونوں ایڑیوں میں ڈھیلا پکڑ کر استنجا کرے اور بائیں ہاتھ سے
ذکر کو پکڑے ۔ حافظ فرماتے ہیں اس مقصد کے تحت کہا گیا ہے جو دو صورتیں بیان کی گئی ہیں نہایت ہی
بعید اور غلط ہے بلکہ اس کو چاہئے کہ وہ ایسا کرے کہ ڈھیلے کو داہنے ہاتھ میں لے اور اس کو کوئی حرکت نہ
دے بلکہ ہاتھ کو ایک ہی جگہ پر مستقر رکھے اور دوسرے ہاتھ یعنی بائیں سے ذکر کو پکڑ کر اس ڈھیلے سے
لگاتا رہے اور رگڑتا رہے تو اس صورت میں مس بالیمین ہی ہے تو ساتھ مسح بالیمین سے بھی بچا رہے گا
کیونکہ مسح تو جب ہوتا جبکہ اپنے داہنے ہاتھ کو حرکت دیتا اور جب وہ ایک جگہ مستقر ہے تو مسح
نہیں کہا جا سکے گا ۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ و ذلک التعجب من هذه الکبراء
یعنی معلوم نہیں کہ ان بڑے بڑے لوگوں کو کیا ہو گیا کیسی کیسی صورتیں بیان کر رہے ہیں حالانکہ ہمارے یہاں کا
بچہ بچہ جانتا ہے کہ استنجا بائیں ہاتھ میں ڈھیلا لیکر اور بائیں ہاتھ سے ہی پکڑ کر ہوتا ہے داہنے ہاتھ کا دخل
کیا ہوتا ۔ حضرت شیخ مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت کا یہ تعجب اس معنی کے اعتبار سے صحیح ہے جب خود
حضرات سمجھتے ہیں اور عمدہ خطابی وغیرہ ۔ ان تمام حضرات نے جو یہ لکھا غیر لازم ہے اس وجہ سے کہ ان لوگوں
کے ذہن میں استنجا کی صورتیں وہ نہیں جو ہمارے یہاں عام طور سے رائج ہے کیونکہ ایسے اندر تو جب
ڈھیلے ذکر کو لگایا گیا تو قطرہ اس ڈھیلے پر پہنچ گیا اور پھر مستقر ہی وہ قطرہ اس ڈھیلے کو دوسری جگہ لگا
تو اس صورت کا ہر دفعہ کی تعیین لازم آئے گی تو اس سے بچنے کیلئے ان لوگوں نے یہ صورتیں اختیار
کی ہیں کہ ڈھیلے کو ذکر کے سوراخ پر ایسے لگایا جائے کہ قطرہ باہر آ کر مستقر ہو نہ پھیلے بلکہ سوراخ
ہی پر سے ڈھیلے اس کو جذب کر لے اور اس صورت کے اندر ایک ہاتھ سے مشغول ہے ۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابتداء ادخال الماء یا بعد اخراج الماء کو ذکر فرمایا حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کا ن
کی شان یہ تھی کہ وہ ایک اتنا ... ہے اور آپ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ استنجا کرنا بعد وضو فرماتے اور پھر پانی
پیتے لہذا ہر مسلمان کو ایسا کرنا چاہئے کہ ان دونوں کو جمع کرے ۔ مدرسہ کی حدیث حضرت ابو ہریرہ کی ہے کہ
وضو میں استنشاق کرے اور استجمار میں عدد طاق کی رعایت کرے و حنفیہ کے نزدیک امر استحباب کیلئے ہے

15

۱۲۹
باب
عن ابی هریرة سلام
۱۵
۱۲۴

341 دوسرا مطلب من استجمر کا یہ بیان فرمایا کہ استجمار کے معنی اخذ البخور کے ہیں یعنی دھونی دینا اسکے معنی ہیں 15
اور مطلب یہ ہوگا کہ دھونی میں تین مرتبہ کا لحاظ رکھو۔ تیسری حدیث حضرت انس کی ہے کہ جب حضور
قضاء حاجت کیلئے تشریف لیجاتے تو میں اور ایک غلام ایک برتن پانی کا اور ایک عنزہ اٹھا لیتے
اور پانی سے استنجا فرماتے تھے غلام کے متعلق تین قول ہیں جابر بن عبد اللہ انصاری۔ عبد اللہ بن
مسعود۔ ابو ہریرہ۔ غلام کا اطلاق سات سال کی عمر تک ہوتا ہے اور اسکے بعد اگر کسی کو غلام کہا
جائے تو وہ مجاز ہوگا۔ من ماء متعلق ہے محذوف کے مطلب یہ ہے کہ آپ استنجا فرماتے تھے عنزہ کیوں
لیجاتے تھے جواب ۱ یہ کہ دشمن چونکہ بہت تھے تو اس سے تحفظ کیلئے لیجاتے تھے جواب ۲ موضع کثرۃ الہوام
تھا تو اس جگہ موذی جانور کو مارنے کی ضرورت پیش آتی جواب ۳ اگر کہیں زمین سخت ہوتی تو
اسکے ذریعہ کھود دیا جاتا تھا جواب ۴ محض قبلہ نماز پڑھنے کی ضرورت پیش آتی اور اسکے ساتھ وضو کی
بھی ضرورت پیش آتی جواب ۵ کہیں اگر [illegible] ہو تو اسکو گاڑ کر اسپر پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔

342 یستنجی بالماء جمہور نے کہا کہ ماء سے جائز بلکہ افضل ہے بعض نے کہا ہے لیکن ابن ابی شیبہ نے حذیفہ بن 17
الیمان سے نقل کیا ہے کہ اگر میں پانی سے استنجاء کروں تو میرے ہاتھ میں بو ہو جاتی ہے۔ ابن وھب
مالکی فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ مطعوم ہے لہذا اس سے استنجاء جائز نہیں ہے۔ حضرت انس۔ ابن عمر۔
حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہم نے کہا کہ جائز نہیں ہے۔

343-6 **الفصل الثانی :- عن انس قال۔ عن جابر قال۔ عن ابی موسی۔ عن انس قال اذا** 17
علامہ ابو داؤد کا [illegible] ترمذی فرماتے ہیں کہ آپکی انگوٹھی کا نقش جو تھا وہ محمد رسول اللہ تھا تو اسکے اندر اللہ کا
نام تھا تو احترام نہیں کیا جاتا ہے یہ اسپر ہی [illegible] الخاتم [illegible] چنانچہ علماء نے کہا کہ
اس حدیث سے معلوم ہوگیا کہ انبیاء کرام کا نام بیت الخلاء میں لیکر جانا منع ہے امام ابو داؤد نے اس حدیث کو
منکر قرار دیا کیونکہ اسکا ایک راوی ہمام ہے جو مجہول ہے لیکن واضح رہے کہ وہ ثقہ اور ثبت ہے
چنانچہ امام بخاری و مسلم نے اسکی احادیث کی تخریج کی ہے اسی وجہ سے امام ترمذی نے اسکو صحیح حسن
غریب فرمایا۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ [illegible] نہیں ہے کیونکہ اسکو ابن جریج نے زہری سے اور زہری نے انس
بن مالک سے روایت کیا جاتا [illegible] جریج [illegible] موجود ہے [illegible] گویا کہ
اس سند کا [illegible] دوسرا ہے [illegible] ہے [illegible]
دوسرا حصہ [illegible] اعتراض ہوسکتا ہے [illegible] ایک سند سے [illegible]
دوسری حدیث حضرت جابر کی ہے کہ آپ تشریف لے جاتے تاکہ کوئی اسکو دیکھ نہ
پائے اور یہ کمال حیاء کی وجہ سے تھا کہ کسی کی نگاہ [illegible] اگر [illegible]

344 کسی کو شناخت نہ ہو سکے البراز ۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ بکسر الباء مصدر ہے مبارزۃ کا جس کے معنی میدان میں 42/19
مقابلہ کیلئے خصم کو نکلنا ہے اور بالفتح اسم ہے جیسا کہ [illegible] فضاء پر ہوتا ہے لیکن محدثین نے بالکسر والفتح
دونوں کو روایت کیا ہے یعنی میں کہا البتہ اشتباہ ہے کہ یہ [illegible] بالفتح پڑھنا چاہئے ۔ تیسری حدیث حضرت
ابو موسیٰ اشعری کی ہے جب آپ پیشاب کا ارادہ فرماتے تو نرم زمین میں تشریف لے جاتے ۔ علامہ شوکانی نے
دمث کو بالفتحتین ضبط کیا ہے لیکن علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ دمث بفتح الدال وکسر الثانی اور دمس
بفتح الدال وسکون الثانی صفت کا صیغہ ہے جس کے معنی نرم کے ہیں اور بالفتحتین مصدر کے معنی میں ہے
ادب یہ ہے کہ پیشاب کیلئے ایسی جگہ تلاش کرے جس میں چھینٹے نہ اڑیں [illegible] ہو تو ملحوظ رہے
[illegible] دیوار کی جڑ میں پیشاب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پیشاب میں شور پیدا ہوتا ہے جو [illegible]
دیوار کے [illegible] علماء نے مختلف جواب دئے (۱) وہ دیوار کسی کی نہ ہوگی (۲) مرضی مالک کی اجازت ہوگی
(۳) دیوار [illegible] ہوگی (۴) آپکے پیشاب میں شور پیدا نہیں ہوگی (۵) دیوار سے ذرا ہٹکر فرمایا ہوگا
چوتھی حدیث حضرت انس کی ہے اس حدیث میں لفظ نہ کا فاعل میں دونوں ہیں اول یہ کہ حضرت انس
فاعل ہوں ای یخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے یہ کہ فاعل ہو ای یخرج ایسا اور [illegible]
پیشاب سے فارغ ہوئے صلی اللہ علیہ وسلم ۔

347 عن ابی ہریرۃ قال ۔ عن عائشہ قالت ۔ وعنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 22
حضور نے فرمایا میں والد کی مانند ہوں جو کچھ آپ نے اس کی تعلیم فرمائی حضرت [illegible] آپکا
[illegible] تو آپ نے استنجاء کیلئے فرمایا میں تو مثل والد کے ہوں ۔ اب یہ بات کہ استنجاء بیداں
[illegible] کا لینا جائز ہے یا نہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین پتھر لینا قرآن کا
میں آتا ہے کہ کان [illegible] اس سے معلوم ہوا کہ [illegible] نہیں ہو سکتی امام
نووی اور علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ بعض نے کہا جائز ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ جائز نہیں
کیونکہ قرآن نے نفی کر دی ہے لیکن [illegible] فرماتے ہیں کہ [illegible] اخرجہ [illegible]
کرتے ہیں اور قرآن میں اسکی نفی نہیں ہے [illegible] کی نفی کی گئی ہے شافعیہ کا قول [illegible]
یہی ہے کہ [illegible] جائز ہے المرجۃ کہتے ہیں وہ [illegible] دو [illegible] ہوتی ہے اور
طعام الجن ہے [illegible] ۔ دوسری حدیث حضرت عائشہ کی ہے جیسا کہ [illegible] اور جو چیز
نجس اور بری ہو اس کو داہنے ہاتھ سے استعمال کرنا چاہئے کیونکہ داہنا ہاتھ اچھے افعال کیلئے ہے ۔
تیسری حدیث بھی اسی سے ہے جیسا کہ مضمون اور توضیح فصل میں گزر چکی البتہ اس عبارت کا [illegible] فاتخذ عنہ
میں عنہ کی ضمیر ملا علی قاری نے [illegible] اور ابن حجر مکی نے [illegible] کو راجح ہے

میں اس توجیہ کو ملا علی قاری نے بعید قرار دیا اور حضرت سہارنپوری نے اس کو راجح قرار دیا ۱۲

350 عن ابن مسعود قال الخ عن رویفع بن ثابت قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ 42/27
علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا جنوں میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں ہیں اسکے اندر اختلاف ہوا کہ (۱)
جنات کھاتے پیتے ہیں یا نہیں اسکے اندر مختلف اقوال ہیں (۱) بعض علماء نے کہا کھاتے پیتے نہیں
یہ قول مردود ہے ساقط ہے (۲) سارے کھاتے ہیں (۳) بعض کھاتے ہیں اور بعض نہیں پھر اسکے
اندر دو قول ہیں حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ انکا کھانا پینا سونگھنا ہے اور بعض نے کہا حقیقۃ
کھاتے ہیں اور پیتے ہیں بالعظام اس سے مراد ہے جس ہڈی پر بسم اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ دوسری 43/1
حدیث حضرت رویفع کی ہے حضور نے انکے متعلق درازی عمر کی خبر دی علماء نے کہا کہ یہ اعجاز ہے اور
یہ دلیل ہے من دلائل النبوۃ چنانچہ آپ حضرت معاویہ کی امارت کے زمانہ میں بھی مختلف علاقوں کے
گورنر رہے ہیں۔ اس میں لفظ لعل آیا کیونکہ حق تعالیٰ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے
351 پھر اسکی تحقیق پیش کی آرہی ہے من عقد لحیتہ اسکے علماء نے تین مطلب بیان فرمائے (۱) اپنی 3
داڑھی میں تجعید اختیار کرے یعنی انکو گھنگھریالی بنانے کی کوشش کرے اسکے اندر چونکہ تغیر خلق اللہ
ہے نیز زمانہ جاہلیت کا افعال کی تشابہ ہے اور ہنود کا طریقہ ہے۔ (۲) یہ قبیلہ انکا
دستور تھا کہ لڑائی کے وقت داڑھی میں گرہ لگا لیتے تھے تو اس سے ممانعت فرمائی۔ تیسرا مطلب
یہ قبیلہ انکے یہاں قاعدہ تھا کہ جسکے گھر میں جتنی بیویاں ہوتی اتنی ہی گرہ لگا لیتے تو اس سے
351 ممانعت فرمائی ہے او تقلد وترا اس سے مراد گلے میں تعویذ وغیرہ ڈالنا ہے ابتداء اس سے 43/3
ممانعت معلوم ہوتی ہے حالانکہ احادیث سے اسکا جواز ثابت ہے اسکا جواب علماء نے دیا کہ زمانہ جاہلیت
میں تعویذ کو موثر بالذات سمجھتے تھے تو اس عقیدہ کو ختم کرنے کیلئے اسکو بالکل اولاً منع فرما دیا
تاکہ اسکا اثر قلوب سے بالکل نکل جائے۔ دوسرا مطلب علماء نے یہ بیان کیا کہ پہلے لوگ اپنے جانور
کے گلے میں تیر باندھ دیتے تھے اور بعض نے یہ لکھا کہ تانت جس سے کمان کی تانت کھینچی جاتی تھی اور
گلے میں لٹکاتے تھے تو آپ نے اس سے منع فرما دیا وتر کہتے ہیں تانت کو مشہور ہے کہ [illegible] اسی کو
کہتے ہیں۔ آگے آپ نے فرمایا فان محمداً منه بری یعنی محمد [illegible] جب آپ بری ہیں
اس سے یہ وہ شخص جو کہ ایسا کام کرتا ہے اور ایسے اس قول کو مانتا وہ مجرم ہے اور یہ تو الغرض ہے
352 عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اکتحل فلیوتر من فعل الخ 4
سرمہ تین مرتبہ لگائے اور یہ ایتار جنس ہے مجموعہ پر تو پانچ مرتبہ لگائے تین داہنی آنکھ میں اور دو
بائیں آنکھ میں اور دوسرا یہ کہ ایک کے اعتبار سے ایتار ہے تو تین ایک آنکھ میں اور تین ایک آنکھ
میں لگائے کل چھ مرتبہ ہوگا۔ اور لگانے کے مختلف طریقے ہیں (۱) پہلے تین مرتبہ ایک آنکھ میں

352 اور پھر دوسرا کلمہ میں (۲) دو رشتہ ایک میں اور پھر دو رشتہ ایک میں اور پھر ایک رشتہ پہلی میں اور 43/4
ایک رشتہ دوسرا میں (۳) پہلا ایک رشتہ ایک کلمہ میں اور پھر دوسرا کلمہ میں پھر پہلی کلمہ میں اور
پھر دوسرا کلمہ میں ایسے ہی تین رشتہ ہیں اس حدیث سے استدلال کیا قاضی ابو زید دبوسی
کا استنجاء واجب نہیں ہے اور انہ فصول سے نکلا ہوا ہو تو [illegible] کا حکم اس وجہ سے دیا کہ اس کا اثر
قرن کا شبہ ہے لیکن وہ شرعی ہے اس وجہ سے [illegible] فرما دیا ۱۲

353 عن عبد الله بن مغفل قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عن عبد الله بن سرجس ٨
مستحمہ [illegible] کا معنی میں ہے جائے حمیم (گرم پانی) جہاں استعمال کیا جائے اور پھر مطلقاً غسل جائے
کے معنی میں مستعمل ہونے لگا برابر ہے کہ وہاں ماء حمیم کا استعمال ہوتا ہو۔ ثعلب نحوی کہتے ہیں کہ
حمیم اضداد میں سے ہے ثم یغتسل فیہ اس کا اعراب تین طرح جائز ہیں اول جزم لام
کے ساتھ اس صورت میں عبارت ہوگی ثم لا یغتسل فیہ دوم فتحہ اس صورت میں اس کا نصب ان
المقدرہ ہوگا [illegible] واو یا فا کے بعد [illegible] دونوں لفظ کے بعد ہوا ان
مقدر ہوتا ہے اس کا جواب دیا کہ ثم واو جمع کے معنی میں ہے چنانچہ ابن مالک نحوی فرماتے ہیں
کہ ثم واو جمع کے لئے آتا ہے سوم سکون لام کے ساتھ اس صورت میں اس کا عطف لا یبولن پر ہوگا
اس حدیث سے [illegible] اور پھر غسل [illegible] منسوخ کیا گیا لہذا اگر کوئی شخص وضو یا غسل
یا وضو کے [illegible] جائز ہے چنانچہ [illegible] ہے [illegible]
[illegible] سے الوسواس بکسر الواو مصدر ہے حدیث النفس کے معنی میں ہے اور بفتح ٩
الواو اسم ہے شیطان کا [illegible]
سے وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے عامۃ کا مطلب اکثر اور جمیع دونوں ہیں ہے [illegible] بمعنی الاکثر ہے
ابن ابی شیبہ نے انس بن مالک سے ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے [illegible]
[illegible] اس سے لمم پیدا ہوتا ہے اور لمم کا معنی [illegible] جنون کا ہے [illegible]
اس حدیث میں اور انس بن مالک کی حدیث میں کوئی فرق نہیں ہے اور نہ کوئی تعارض ہے [illegible]
لمم کا معنی [illegible] من الجنون [illegible] لغات عرب میں [illegible] کا نام ہے اور
[illegible] من الجنون ہے منہ اس کی ضمیر میں تین احتمال ہیں (۱) بول فی المغتسل دوم وضو او
الغسل فی المغتسل بعد البول سوم جمع بین البول والغسل [illegible]
354 دوسرا حدیث عبد اللہ بن سرجس کی ہے [illegible] سوراخ میں پیشاب کرنے سے [illegible] علماء نے ٩
بیان فرمایا کہ سوراخ دو حال سے خالی نہیں یا پیشاب کی [illegible] ہے یا نہیں۔ اگر اول [illegible]

354 تو مجموعہ علم ہی نہیں ہے ورنہ مجموعہ علم ہے۔ ایسا ہی مجموعہ علم کیوں ہے ۹ جو آپ نے ان میں سے قال قتادۃ یقال 43/9
ان اسم ساکن الجن ہنیرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نماز یا چارپائی کا کپڑا تو اپنے مسکن میں ٹھیرا ہو اور تکلیف پہنچایا
گیا جس سے اسکو تکلیف ہوئی۔ حضور اکرم نے غصہ میں آکر اسے قتل کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان موذی جانور

355 عن معاذ قال ۔ عن ابی سعید قال ۔ عن زید بن ارقم قال الخ ١٠
الملاعن ملعنۃ کی جمع ہے اسم ظرف ہے یا مکان جالبہ للعن کے معنی میں ہے یا مصدر ہے مصدریا
میں یا اسم فاعل کے معنی میں ہوگا ای السببیۃ الجالبۃ للعن اور یا اپنے مصدری معنی میں
ہوگا اور مضاف محذوف ہوگا ای سبب اللاعن الثلاثۃ الخ اور مقصد ایک تو اسوجہ
کہ وہاں لوگوں کو اذیت ہوگی اور بد دعا دینگے دوسرا یہ اس سے حقوق العباد کی اضاعت ہے جو ظلم ہے
اور الا لعنۃ اللہ علی الظالمین قارعۃ قرع کے معنی کھٹکھٹانا کے ہیں۔ لوگوں کے جوتوں کا ذریعہ اسکو کھٹکھٹانا
ہے۔ تیسری چیز اپنے ظل کو بیان فرمایا الظل سے مراد ہم ہوا اسلئے میں ہے کہ اسکو سایہ سے ١١
زیادہ مخصوص یا قضاء حاجت کیلئے مجبوراً ان کے مخصوص اور مطرق تھے جو ف نکلنے میں بلند جگہ کو یعنی اسکی
وجہ سے جو سایہ ہوتا ہے اسمیں قضاء حاجت فرماتے تھے اور یہاں ظل میں کا نہیں کہا فرمائی!
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیان ظل سے وہ ظل مراد ہے جس سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں چنانچہ مسند احمد میں حضرت
ابن عباس کی روایت میں ہے الذی یستظل بہ الناس میں۔ حضور اکرم نے اپنے بول و براز سے گندگی نہیں
پھیلتی بنا ہے اس سے لوگوں کو اذیت نہیں پہنچتی تھی کیونکہ آپکے بول و براز کو زمین نگل لیتی تھی۔
حضور اکرم کے بول و براز کی جگہ سے تو خوشبو آتی تھی۔ دوسری حدیث حضرت ابو سعید خدری کی ہے
جسمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم آدمی کو پیشاب یا پاخانہ کیوقت کلام اور کشف عورت دونوں سے منع فرمایا ہے

356 لیضربان الغائط ضرب کا مختلف معنی آتے ہیں اگر کہا جائے ضرب فی الارض تو اسکے معنی ہیں سفر 12
کرنا اور اگر ضرب الارض کہا جائے تو اسکے معنی ہیں پیشاب یا پاخانہ کیلئے جانا اور ضرب الغائط کا
معنی پیشاب یا پاخانہ کرنا اور اسکے لئے جنگل کے معنی میں بھی آتا ہے۔ ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض کیوں
ہوتا ہے اسوقت جبکہ وہ لوگ پیشاب یا پاخانہ کیلئے جاتے ہیں یا کہ ان کا ہوتا ہے جو آپ صلعم کلام
کیوجہ سے منع فرمایا ہے کیونکہ کشف عورت کیوجہ سے ہے علامہ تور پشتی فرماتے ہیں کہ کلام حرام ہے
کیونکہ وہ سبب ہے اللہ تعالیٰ کے غضب کا اور مقت اللہ کا سبب گناہ کبیرہ ہوتا ہے۔ حضرت سلمان کی روایت
357 کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کشف اور دونوں میں سے اگر ایک سے تو جائز ورنہ حرام ہے۔ تیسری حدیث زید 13
بن ارقم کی ہے حشوش کی جمع حش ہوتی ہے اور حش کہتے ہیں پاخانہ کو اور محتضرۃ سے شیاطین و جن مراد ہیں
آپ نے اعوذ باللہ الخ کی تعلیم دی اور علماء بھی بیان فرماتے ہیں کہ یہ جگہ بے موقع مواضع نجس اور اکثر خبیثہ

357 بیان ہوئے جیسا کہ اکتاف بھی انہی میں سے ہے جو اسب گزند کا خطرہ ہے۔ یہاں آپ نے دعاء میں صیغۂ خطاب 43/13
استعمال نہیں کیا بخوف ناقبل کے علماء نے دعا یا کبھی اسکو اور کبھی دوسرا کو ترجیح۔ ملا علی قاری نے لکھا
بیان وہ تے ہیں کہ ناقبل والی دعا شاید وہ دونوں کا ثبوت ہے اور یہ غیر کیسو ترجیح ہے۔

358 عن علی قال۔ عن عائشۃ قالت کان۔ عن ابی ھریرۃ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم 43/14
آپ نے اس حدیث میں داخل ہوتے وقت بسم اللہ ... کا حکم دیا اور وجہ یہی ہے کہ یہ مقامات شیاطین و جن کا
مسکن ہیں اور ان الشیطان یلعب بمقاعد بنی آدم ہے اس لئے پڑھو اور بچنے کیلئے آپ نے اسکا حکم فرمایا
تعوذ باللہ سے کام لو ورنہ صفائی کا ایک بہت بڑا فائدہ ہوجائیگا شیاطین و جن کا اثر ان خبیثہ پر

359 دوسری حدیث حضرت عائشہ کی ہے کہ آپ خلاء سے نکلتے تو یہ کہتا چاہئے غفرانک۔ یہ مفعول مطلق ہے ١٦
یا مفعول بہ ہے اشکال یہ کہ آپ نے اپ نفوذ استغفار کیوں طلب کرتے تھے؟ جواب ۱ اتنی دیر ذکر اللہ سے
محروم رہے جواب ۲ اگرچہ قلب ذکر میں مشغول تھا لیکن چونکہ وہاں پر ذکر اللہ کی شان کے مناسب نہیں ہے
تو اس سے مغفرت طلب کی کہ بے موقع ذکر کیا جواب ۳ یہ سوچا کہ اللہ نے ہمکو یہ غذا عطا کی لیکن ہم نے اسکی
حقوق کو ادا نہیں کیا جواب ۴ چونکہ یہ نجس ہوتا ہے تو اسی سے ذہن کا انتقال نجس روحانی کیطرف ہوا

360 یعنی گناہوں کیطرف اور مغفرت طلب کی۔ تیسری حدیث حضرت ابوہریرہ کی ہے کہ جب آدمی فارغ 17
ہو جائے تو ہاتھوں کو بھی گرم دھونا اس سے معلوم ہوا کہ آپ استنجاء بالماء کرتے تھے لیکن زیلعی نے لکھا
طبعیہ کا تقاضہ ہے کہ آپ استنجاء بالماء کیا تو بالکل بھی ضرور اُٹھ جاتا ہے تاکہ اثیشہ بالماء اور آخر کا تعلق
یہ نہ سمجھنا کہ یہ استنجاء کا پانی ہے اور وضو کیلئے اور مانگا اسلئے میں کہ وہ چونکہ ختم ہوگیا

[illegible]

361 عن الحکم بن سفیان قال۔ عن امیمۃ بنت رقیقۃ عن عمر قال رآنی النبی صلی اللہ 19
اس سے معلوم ہوا کہ آپ پیشاب کے بعد پانی کا ایک چھینٹا دیتے تھے اگر وہ اندر ہو تو
رک جائے اور وسوسہ پیدا نہ ہو کیونکہ اگر پاجامہ پر پانی نہ ہو اور کوئی چھینٹا نہ آئے تو وہم ہو جاتا ہے تو اس کا
دفعیہ اور وسوسہ ہوگا کہ خدا جانے یہ چھینٹا پڑ گئی تو اب یہ سمجھیگا کہ پانی کا ہے نہ پیشاب۔

362 اور اگر بیٹھ کر پیشاب نہ ہو تو وجہ یہ ہے کہ اس سے تقلص یعنی سکڑ پیدا ہوتی ہے۔ دوسری حدیث حضرت 20
امیمہ کی ہے کہ آپ رات کو پیشاب کو ترا اندر ایک برتن میں کرلیتے تھے (۱) بیان جواز کیلئے (۲) چونکہ
دشمنوں کا خطرہ تھا رات کو باہر نکلنے سے (۳) شام کے وقت مدینہ شیاطین اور جن خوب منتشر ہو جاتے
ہیں تو باہر نکلنے سے اُنکے دستاویں اور خطرات کا اندیشہ تھا اسلئے احتراز فرمایا وارد ہوا کہ دوسری حدیث
سے وجہ یہ ہے عن عبد اللہ بن یزید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ینقع بول فی طست فان الملائکۃ
لا تدخل بیتا فیہ بول منتقع او کما قال علیہ السلام۔ مقصد حدیث یہ ہے کہ کسی برتن میں پیشاب جمع کرنا جائز

362 کیونکہ جیسے گھر میں اب ہوتا ہے وہاں حکم نہیں آتے تو اس سے معلوم ہوا کہ پیشاب پاخانہ آنا جانا چاہئے 43/20
اور حدیث ابن عمر سے رستا نہیں ہوتا ہے تو دونوں میں تعارض ہو گیا رستا جو اس کے لئے آپ نے صحیح ہے
منع فرمایا تھا حدیث عبد اللہ بن زید میں اس سے مراد یہ تھی کہ ہمیشہ اسکو صحیح رکھے اور وہ گھر میں
پڑا رہے۔ حافظ خطابی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کثرت نجاست ہے۔ حضرت سہارنپوری جوابا
دیا ممکن ہے کہ اس عضو کو بچا رستا عمل ہے ہاں تھا وہ فرشتہ داخل نہیں ہوتے اور ایک میں جیسا کہ علم
ہوا تو آپ نے پیشاب کا آنا چھوڑ دیا تھا اس پر اعتراض ہوا کہ ان میں حضرت عائشہ کی حدیث وارد ہوئی
جس سے معلوم ہوا کہ آپکو انتقال کا وقت تھا بھی طشت پیش کیا گیا تھا پیشاب کیلئے تو اس سے معلوم ہوا
کہ آخر وقت تک آپ نے پیشاب کیا۔ حضرت شیخ دامت برکاتہم جواب عنایت فرماتے ہیں کہ فوری کی
وجہ سے اسوقت پیش کیا گیا تھا نیز ایک بول کا حکم تھا اور یہی ہے کہ بول سے ہے ہمارا دونوں حدیثوں
میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ حافظ ابن عبد البر نے اس حدیث میں اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ آپ نے صبح
کو اس کے دیکھا سے فرمایا کہ اسکو پھینک دو تو انہوں نے اسکو پی لیا جب آپ نے پوچھا کہ پھینک دیا تو انہوں
363 نے عرض کیا کہ میں نے تو پی لیا اس سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ بول طاہر ہے۔ تیسری حدیث 21
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضور نے کھڑے ہو کر پیشاب سے منع فرمایا اور حضرت
حذیفہ بن الیمان کی حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا چونکہ احادیث مختلف ہیں
بعض سے ثبوت ہوا اور بعض سے نہی معلوم ہوئی لہذا دو جماعتیں ہو گئیں عروۃ بن زبیر۔ سعید بن
المسیب۔ حکم بن عتبہ کے نزدیک مطلقاً بول قائما جائز ہے جمہور کے نزدیک مکروہ ہے بلا عذر کیونکہ
جائز ہے۔ امام مالک کے نزدیک اگر ایسی جگہ کہ جس میں چھینٹیں پڑیں تو ناجائز ورنہ جائز ہے۔ اب
رہا یہ مسئلہ کہ حضور اکرم سے بول قائما فرمانا ثابت ہے اسکا جواب کیا ہے؟ جواب اول بیان
جواز کیلئے فرمایا۔ جواب ثانی اہل عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ کمر کا درد بول قائما سے کم ہو جاتا ہے
تو آپکی کمر میں درد ہوگا۔ جواب ثالث حضرت ابو ہریرہ کی ایک حدیث سے معلوم ہوا کہ آپنے مابض گھٹنے
میں درد کی وجہ سے کیا۔ جواب رابع چونکہ ہر وقت امت کے کام میں مشغول رہتے تھے جلدی کی وجہ
دور نہیں جا سکتے تھے۔ جواب خامس وہاں کوڑی موجود تھی اگر اسوقت بیٹھ کر کرتے تو اوپر کو پیشاب
آ کر پاؤں پر آتا اور دوسری جانب لوگ موجود تھے تو ستر کھل جانے کا ہوتا تو اسلئے آپنے بول قائما کر دیا
جواب سادس سے لوگ موجود تھے اور ریح خارج ہونے کا احتمال تھا تو ریح کی آواز کے خوف سے
کھڑے ہو کر کیا کیونکہ قائم ہونے کی حالت میں ریح کا خروج نہیں ہوتا۔ جواب سابع وہ ایک جگہ تھی
سے میں ہو رہی تھی جسکی قبلہ نہیں تھی۔ حضرت عمر کا قول یعنی نہی البول قائما احسن للبدن

364 مستاطہ قوم : آپ نے بغیر اجازت کے غیر کی کوڑی پر پیشاب کیوں فرمایا؟ جواب: درحقیقت اجازت تھی جو اس کی 43/24
عرفاً اجازت تھی جو ایسی جگہ پیشاب وغیرہ کرنے کو کوئی اعتراض نہیں تھا جواب: النبی اولیٰ بالمؤمنین
من انفسہم وازواجہ امہاتہم اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور کو ہر کام کا حق حاصل تھا ۔

365 **الفصل الثالث :- عن عائشۃ من حدثکم - عن زید بن حارثۃ - عن ابی ہریرۃ** 24
جو لوگ عدم جواز کے قائل ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں دوسری طرف سے جواب اس حدیث کا یہ ہے کہ
یہ حضرت عائشہ کا اپنے علم کے اعتبار سے فرمایا جو اب انہوں نے عادت کی نفی فرمائی نہ کہ جواز کی ۔

366 دوسری حدیث حضرت زید بن حارثہ کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ وضو کی تعلیم سب سے پہلے وحی میں ہوئی 26
اور وہ وحی مکہ میں تھی حالانکہ سورہ مائدہ جس کے اندر وضو کا حکم دیا گیا وہ مدنیہ ہے ملا علی قاری نے
دونوں میں جمع فرمایا کہ پہلے مکہ میں بطور وحی کے حکم دیا ہو اور پھر اس کی تثبیت کیلئے آیت مائدہ مدینہ میں
نازل فرمائی بہر حال جب آپ وضو سے فارغ ہو گئے تو اخذ غرفۃ اخذ کا فاعل یا تو
367 حضرت جبرئیل ہیں یا خود حضور ہیں - تیسری حدیث حضرت ابو ہریرہ کی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ 44/1
حضرت جبرئیل نے فرمایا آکر اذا توضأت فانتضح اس کے علماء نے مختلف مطالب بیان فرمائے ۔
مطلب ۱: جب آپ وضو کریں تو استیعاب کریں یعنی اعضاء وضو پر خوب پانی ڈالیں مسح پر اکتفاء نہ کریں
مطلب ۲ :- جب آپ وضو فرمائیں تو شرمگاہ پر پانی چھڑک لیں تاکہ تقلیل وسوسہ پیدا ہو جائے ۔
مطلب ۳ :- آپ وضو کریں تو بول سے استبراء کریں - اب اعتراض وارد ہوا کہ وضو ہو جانے کے بعد استبراء
من البول کا کیا مطلب ؟ وہ تو وضو سے قبل ہوگا اس کا جواب دیا کہ توضأت سے مراد اردت الوضوء ہے
کہ جب ارادہ وضو ہو تو استبراء من البول کریں - مطلب ۴: جب آپ وضو کا ارادہ فرمائیں تو استنجاء کریں

368 **عن عائشۃ قالت بال - عن ابی ایوب وجابر وانس - عن سلمان الفارسی قال الخ** 3
369 حضرت عائشہ کی حدیث قابل توضیح نہیں - دوسری حدیث حضرت ابو ایوب وغیرہ سے مروی ہے کہ جب آیت 5
اہل قبا کے بارے میں نازل ہوئی فیہ رجال یحبون ان یتطہروا الخ تو حضور نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا
کہ تمہارا کونسا فعل طہارت کا ایسا ہے جس پر اللہ نے تمہاری تعریف کی - تیسری حدیث میں لفظ محبت آیا ہے
امام نووی نے محبت کی تعریف فرمائی میلان النفس الی ما یوافق المحبوب - محبت کا جو اطلاق ہے یعنی میلان نفس
کا قائل ہونا اور نفس خاصہ ہے حیوان کا اور یہ مخلوقات سے ہے تو باری تعالیٰ پر یکطرفہ محبت کی نسبت
کیسے صحیح ہوئی اس کا جواب دیا گیا کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جو الفاظ اللہ کے سلسلہ میں بولے جائیں
اور اس کے مبادی کا ارادہ نہیں ہوتا ہو تو وہاں اس کے غایات مراد ہوتے ہیں علماء نے محبت کی
تین قسمیں بیان فرمائیں محبت الاستعظام - محبت الشفقۃ - محبت المشاکلۃ - -

44/5 معنی اس قوم کو کہتے ہیں جو کسی وصف کیساتھ موصوف ہو علیکموہ کی ضمیر علامہ ابن حجر کا 369
نزدیک کمال طہارت یعنی وضو غسل وغیرہ کی طرف راجع ہے جو کہ مجموعہ ماقبل سے سمجھ میں آ رہی ہے
ملا علی قاری کے نزدیک ضمیر کا مرجع استنجاء بالماء ہے وضو للصلوۃ اور غسل من الجنابت کی
طرف راجع نہیں کما قال ابن حجر کیونکہ مدح صفتا اور فعل مخصوص پر ہے اور یہ دونوں فعل مخصوص
نہیں کیونکہ اسکو تو اور لوگ بھی کرتے ہیں البتہ استنجاء بالماء انہی لوگوں کی خصوصیت ہے۔

7 تیسری حدیث حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی ہے کہ بعض مشرکین نے تنقیص کے طور پر کہا تھا 370
اور حضرت سلمان کا جواب اسلوب حکیم کے طور پر ہے کہ ہاں ہمارے نبی نے ایسا ہی ہمیں تکمیل دین
کیلئے تمام اشیاء کو بیان فرما دیا۔

9 عن عبد الرحمن بن حسنۃ الخ عن مروان الاصفر الخ عن انس اذا خرج الخ عن ابن مسعود الخ 371
عبد الرحمن ابن حسنہ صحابی ہیں صحاح ستہ میں صرف ایک روایت ہے انکی جو یہ ہے کہ حضور تشریف
لائے اور آپ کے ہاتھ میں درقہ تھا پس آپ نے بیٹھ کر پیشاب فرمایا **فقال بعضھم** اس بعض سے
منافقین مراد ہیں مراد نہیں یعنی ابوداود کے اندر ابن جارود کی روایت میں تصریح ہے جسمیں ان
کے نیز علامہ سندی کی بھی یہی رائے ہے۔ اول صورت میں یہ قول عناداً ہوگا اور مسلمان ہونے کی صورت
میں استعجاباً ہوگا چونکہ اہل عرب کا پیشاب کرنا کھڑے ہو کر تھا عادت اور عبادت کی اور چونکہ
آپ نے بیٹھ کر پیشاب فرمایا تو اس سے بزدلی مفہوم ہوئی اور البتہ عورت کہا تو تشبیہ دی علامہ
نووی فرماتے ہیں کہ تشبیہ ستر میں ہے جس طرح عورت اپنے آپکو چھپاتی ہے ایسے ہی آپ نے بھی اپنے
ستر کو چھپا لیا۔ اور حافظ ولی العراقی ابوزرعہ نے کہا کہ بیٹھنے میں تشبیہ دی ہے۔ بعض لوگوں نے
11 کہا کہ دونوں میں تشبیہ دینی مقصود ہے **قرضوہ بالمقاریض** علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ جب کبھی
پیشاب دامن کو لگ جاتا تھا تو وہ اس کپڑے کو کاٹ دیتے تھے۔ ترمذی حکیم فرماتے ہیں کہ بعض
مشائخ فرماتے تھے کہ جب جسم کو لگ جاتا تھا تب اس جگہ کو کاٹ دیتے تھے اور یہی ابن
سید الناس نے ابن دقیق العید سے نقل کیا اور خود اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ اس عذاب کا مستحق ہو
جائیگا کیونکہ معلوم ہے کہ بنی اسرائیل نے حکم سے سرتابی کیا تو مستحق ہوئے اور اپنی قبر کے اندر عذاب
دیا گیا وہ اس وجہ سے کہ پیشاب کی چھینٹوں سے وہ بچتا نہیں تھا تو گویا کہ ارشاد النبوی سے بچنے
12 کیلئے ایسا کیا۔ دوسری حدیث حضرت مروان بن الاصفر کی ہے جس سے شافعیہ کا استدلال ہے کہ 373
14 صحراء میں استقبال ناجائز اور بنیان میں جائز ہے۔ تیسری حدیث حضرت انس کی ہے اس کے اندر 374
ترتیب یہ دعاء پڑھنے کیلئے شروع کی الحمد للہ الذی اذھب عنی الاذی وعافانی۔ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ
ماقبل میں غفرانک جو دعاء وارد ہوئی ہے یہ بھی اسکو کہ بھی اسکو پڑھے اور معافی کا اس وجہ سے فرمایا کہ

اقال

۳ بڑا احساس کا
کا نجات دے اور
حضرت ابن مسعود
بھی تو عظیم
اور دیا او
پر قرار دیا
عموم پر تکیہ ازق
نشین تھا
سکو پر کرا
اشتعال
فرمایا ۱۳

باب السواک

لفظ سواک بمعنی مصدری یا اور اسمی دونوں میں مستعمل ہوتا ہے اگر یہاں معنی مصدری مراد ہیں تو حذف کی ضرورت نہیں اور اگر معنی اسمی مراد لئے جائیں تو لفظ استعمال محذوف ہوگا سواک کے معنی لغت میں تحریک کے ہیں بولتے ہیں ساک الابل اذا تحرکت وتمایلت اور چونکہ مسواک کا بھی دانتوں میں تحریک ہوتا ہے اسوجہ سے اسکو سواک کہتے ہیں۔ مصنف رحمہ کتاب الطہارۃ کو بیان فرمایا اور یہ شرط اصلی اور اعلی مقصد توصل الی الصلوۃ ہے اور طہارۃ کی دو قسمیں ایک صغری اور ایک کبری اور طہارۃ صغری کثیر الوقوع ہے تو اسکو پہلے بیان فرمایا لیکن اسکے چند موجبات ہیں اور موجب بفتح الجیم مؤخر ہوتا ہے اپنے موجب بکسر الجیم سے لہذا وضوء سے پہلے موجبات کو بیان فرمایا اور پھر اسکے بعد چونکہ سنن وضوء کو بیان فرمایا اور ان سنن میں کثیر الوقوع مسواک ہے لہذا پہلے مسواک کو اور پھر دوسرے سنن کو بیان فرمایا طہارۃ کبری کو اور دیگر متعلقات کو بیان فرما کر مقصد اصلی یعنی نماز کیطرف رجوع فرمائیں گے اس تمام تقریر سے جملہ ابواب کی وجہ مناسبت سمجھ میں آگئی ہوگی۔

مذاہب: مسواک کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اسحق بن راہویہ اور داؤد ظاہری کے نزدیک واجب ہے لیکن داؤد ظاہری کے نزدیک اسکے ترک سے نماز باطل نہ ہوگی اور اسحق بن راہویہ کے نزدیک عمداً ترک سے نماز باطل ہو جائیگی۔ ابن حزم ظاہری کے نزدیک سنت ہے اور یہی عمل افضل ہے لیکن یوم جمعہ میں فرض ہے۔ جمہور کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ حنفیہ کے نزدیک سنن وضو، سنن صلوۃ اور سنن دین ہر ایک میں سے ہو سکتی ہے چنانچہ اگر وضو کیوقت مسواک کی تو سنت کا ثواب ملیگا۔ نماز کیوقت کی تو نماز کی سنت ہوگا اور سنن دین میں سے ہونے کی صورت میں کوئی وقت خاص نہیں ہوگا بلکہ جسوقت بھی مسواک کر لیا تو سنت کا ثواب ملیگا۔ ہمارے محققین کی رائے یہی ہے کہ یہ من سنن الدین ہے۔ شافعیہ کے نزدیک سنن صلوۃ میں سے ہے لہذا اگر کسی نے نماز سے پہلے وضو کیوقت کر لی اور وقفہ میں مسواک کی تو سنت کا ثواب نہیں ملیگا بلکہ عین نماز کیوقت کرنے سے ثواب ملیگا۔ بعض فقہاء سے منقول ہے کہ نماز کیوقت مسنون نہیں کیونکہ ایسے وقت میں ہو سکتا ہے کہ مسوڑھوں سے خون نکلنے لگے۔ علامہ شامی نے جواب دیا کہ یہ علت موہوم ہے اور علت کا مدار امر موہوم پر نہیں ہوا کرتا چنانچہ علامہ شامی ابن ہمام کا اتباع کرتے ہوئے اور محقق ابن ہمام غزنویہ کا اتباع کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسواک چند اوقات میں مسنون ہے (۱) قراءۃ قرآن کیوقت (۲) گھر میں دخول کیوقت (۳) دیر تک خاموش رہنے کے بعد (۴) نماز کے وقت (۵) وضو کیوقت (۶) منہ کی بو بدل جانے کے وقت (۷) دانتوں کا زرد ہونے کے وقت (۸) سو کر اٹھنے کے بعد۔ اسکے علاوہ اور بہت سے مواقع گنوائے ہیں جنکے معلوم

ہوا کہ مسواک صرف وضو کیوقت سنت نہ خاص نماز کیلئے ۱۲

376 44/18 الفصل الاول :- عن ابی ھریرۃ لولا ان اشق الخ عن شریح بن ھانی قال سألت الخ 44/18

لفظ لو دلالت کرتا ہے انتفاء اول پر بسبب انتفاء ثانی کے اور لولا دلالت کرتا ہے انتفاء ثانی پر بسبب وجود اول کے تو یہاں بھی اس حدیث میں یہ دلالت کرتا ہے انتفاء امر پر وجود مشقت کی وجہ سے - حضور نے فرمایا میں تاخیر عشاء کا حکم دیتا علماء کا اس تاخیر میں اختلاف ہے کہ تاخیر کتنی ہو سکتی ہے چونکہ روایات میں اختلاف ہے بعض میں نصف لیل اور بعض میں ثلث لیل وارد ہوا اس وجہ سے مذاہب میں اختلاف ہو گیا چنانچہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ثلث تک مستحب ہے اور بعض فقہاء حنفیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ نصف لیل تک لیکن محقق قول امام صاحب کا بھی یہی ہے کہ ثلث لیل تک مستحب ہے اور نصف تک جائز اور بعد میں مکروہ ہے عند کل صلوٰۃ جو لوگ کہتے ہیں السواک من سنن الوضوء ہے وہ لوگ اس عبارت میں حذف مانتے ہیں ای عند وضوء کل صلوٰۃ اور کیونکہ بعض روایات میں عند وضوء واقع ہوا ہے تو اس حدیث میں اور عند صلوٰۃ والی حدیث میں جمع کی صورت علماء نے یہ اختیار کی ہے کہ عند وضوء کل صلوٰۃ - محقق ابن ہمام فرماتے ہیں کہ جمع کی صورت یہ ہے کہ دونوں وقتوں میں مستحب ہے - یہ حدیث شافعیہ کا مستدل ہے کیونکہ ان کے نزدیک السواک من سنن الصلوٰۃ ہے حضرت شریح کی حدیث سے سواک کی مداومت معلوم ہوتی ہے ۔۱۲ 377

378 ۲۰ عن حذیفۃ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام للتہجد من اللیل یشوص

بخاری کی ایک روایت میں تہجد کا اضافہ ہے لیکن دوسری روایت میں یہ اضافہ نہیں ہے ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ قید ہو اس لئے کہ جب صبح میں بھی کھڑے ہوتا تو سواک فرماتا ہوں گا - دوسرا احتمال یہ ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتا تو سواک فرماتے تھے للتہجد یہ ہجود سے ماخوذ ہے جس کے معنی جاگنے کے ہیں اور اصطلاح میں تہجد اس نماز کو کہتے ہیں جو ثلث لیل یا نصف لیل کے بعد پڑھی جائے - تہجد کی نماز پہلے تمام لوگوں پر اور حضور پر فرض تھی بعد میں امت سے فرضیت ختم کر دی گئی لیکن آپ پر فرضیت باقی رہی اور بعض علماء کہتے ہیں کہ حضور سے بھی فرضیت ختم ہو گئی تھی لیشوص فاہ اس کے معنی بعض نے ملنے کا اور بعض نے غسل اور بعض نے اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر کو ملنا کہا - علماء نے لکھا ہے کہ سواک عرضاً کی جانی علامہ حصکفی نے اور اس سواک کی لمبائی میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک بالشت (بالشت) لمبی سواک ہونا چاہئے ورنہ اس سے زیادہ لمبی پر شیطان بیٹھتا ہے

379 ۲۱ عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشر من الفطرۃ الخ

مبتدا نکرہ ہے اور اصل یہ ہے کہ وہ موصوف ہو تو علامہ ابن حجر عسقلانی کا ہے کہ عشر سے پہلے لفظ خصال محذوف ہے لیکن علامہ رضی کی رائے یہ ہے کہ مبتدا و خبر کا دارومدار افادہ اور عموم افادہ ہے موصوف اور نکرہ

۴۴/۲۱ ہو جاتا ہے پس یہ بھی الفطرۃ سے مراد خطابی فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کے نزدیک اس سے سنت مراد ہے علامہ ماوردی 44/۲۱ 379
وغیرہ کے نزدیک اس سے دین مراد ہے بعض نے کہا کہ اس سے سنت ابراہیمی مراد ہے بہرحال حضرت عمار
والی حدیث میں کہ حضور نے فرمایا کہ دس چیزیں سنت میں سے ہیں اول قص الشارب ضبط میں اختلاف ہے
بعض انہکوا الشوارب۔ احفوا الشوارب۔ حلق شوارب۔ قص شوارب وغیرہ مختلف روایات ہیں
قص کا معنی کاٹنے کا ہیں۔ اسکے اندر اختلاف ہے کہ شوارب میں قص ہے یا حلق ہے یا احفاء۔ امام
مالک کے نزدیک قص ہے یعنی ہونٹ سے بڑھے ہوئے بالوں کو کم کرنا ہے۔ امام شافعی۔ امام ابو یوسف
و محمد رحمہم اللہ کے نزدیک ایسے ہی۔ امام احمد کے نزدیک احفاء ضروری ہے یعنی کاٹنے میں اتنا مبالغہ
کرنا کہ کھال نظر آنے لگے۔ امام طحاوی نے ائمہ ثلاثہ حنفیہ کا مذہب حلق نقل کیا ہے لیکن ابن الہمام کہتے ہیں
انکے نزدیک احفاء ہے اور حلق کے بارہ میں دو روایتیں ہیں گنجائش آگیا ہے یہ بدعت ہے اور یہ
یہ مسئلہ ہے بہرحال ضروری ہے کہ اس میں حلق سے بچے۔ امام طحاوی نے احفاء والی روایات کو حلق پر
محمول کیا۔ آگے چلکر فرماتے ہیں کہ مجھے امام شافعی کا مسلک معلوم نہیں ہو سکا انکے نزدیک کیا حکم ہے البتہ
انکے دوست مزنی اور ربیع کو میں نے دیکھا ہے وہ دونوں احفاء کرتے تھے اس سے معلوم
ہوتا ہے کہ یہ دونوں اپنے استاذ محترم امام شافعی سے لیا ہوگا واللہ اعلم
قص سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا سعید بن المسیب نے موطا میں ایسا ہی نقل فرمایا۔

۲۲ دوسری چیز ان دس میں سے اعفاء اللحیۃ داڑھی کو چھوڑ رکھنا اسکی مقدار میں آگیا ہے کہ ۲۲
جتنی چاہے بڑھ جائے چھوڑ رکھے اور دوسرا قول قبضہ کی برابر ہے یہی مذہب امام شافعی کا ہے لیکن حلق
اللحیۃ ائمہ اربعہ کے نزدیک حرام ہے تیسری چیز استنشاق الماء ہے دو چیزیں ہیں ایک استنشاق ہے
اور ایک مضمضہ ان دونوں کے حکم میں بھی علماء کا اختلاف ہے حنفیہ کے نزدیک دونوں وضو میں سنت
اور غسل میں فرض ہیں امام مالک امام شافعی کے نزدیک وضو اور غسل دونوں میں سنت ہے۔ اسحق
ابن ابی لیلیٰ۔ اور امام احمد کے نزدیک دونوں میں واجب ہے ایک روایت امام احمد سے یہ بھی ہے کہ مضمضہ سنت
اور استنشاق واجب ہے۔ چوتھی چیز قص الاظفار ہے متقدمین کے نزدیک اسکا کوئی خاص طریقہ
کا ثبوت نہیں ہے علامہ علی قاری اور امام نووی فرماتے ہیں کہ داہنے کی سبابہ انگلی سے ابتدا ہوگی اسکے بعد
وسطی بنصر اور خنصر اور پھر انگوٹھا اور اسکے بعد بائیں ہاتھ کی خنصر سے ابتدا ہوگی الخ اور پیروں میں
داہنے کی خنصر سے ابتدا ہوگی اور بائیں کی خنصر پر اختتام ہوگا۔ بعض لوگوں کے نزدیک داہنے ہاتھ
کے انگوٹھے کو چھوڑ کر پہلے بائیں ہاتھ کی پانچوں انگلیوں کو کاٹا جائیگا اور پھر آخر میں داہنے کا انگوٹھا
کو کاٹا جائیگا تاکہ ابتدا اور انتہا دونوں داہنے ہاتھ پر ہو جائے۔ ایسا کہتے ہیں کہ بعض روایات

یہ مسنون ہوتا ہے کہ دفن کر دیا جائے لیکن یہ تمام روایات ضعیف ہیں اگرچہ حکیم ترمذی نے بھی نوادر الاصول
میں بھی تخریج فرمایا ہے لیکن وہ بھی ضعیف ہے شوافع نے کہا چونکہ اس کی اصلی غرض یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو تکلیف نہ ہو
اس لیے پیروں میں نہ چبھیں اور اگر ناک کنویں وغیرہ میں ڈال دیئے تو ضعف کا اندیشہ ہے۔ اور بعض لوگوں نے
دفن کی علت یہ بیان کی ہے کہ چونکہ یہ انسان کے بدن کا ایک جزو ہے لہذا انسان کی طرح اس کو بھی
دفن کیا جائیگا۔ پانچویں چیز غسل البراجم ہے براجم کہتے ہیں ظاہر اعضاء پر جو شکنیں
اور لکیریں ہوتی ہیں جوڑوں پر اور باطن اعضاء پر جو لکیریں ہوں ان کو رواجب کہتے ہیں۔ ان کا
دھونا مطلقاً مسنون ہے خواہ نماز کا وقت ہو یا وضو کیلئے یا کھانا کھانے کیلئے۔ چونکہ عرب کا قاعدہ
تھا اور ہمیشہ ہاتھ دھوئے بغیر کھانا کھانے بیٹھ جاتے اور ان جوڑوں میں میل جم جاتا ہے تو آپ نے ان کے
دھونے کی تاکید فرما دی۔ چھٹی چیز ہے نتف الابط یعنی بغل کے بالوں کو اکھاڑنا اور نتف کا
تمام ائمہ کے نزدیک مسنون ہے لیکن اگر حلق کرا لے تو کوئی مضائقہ نہیں چنانچہ امام شافعی ایک شخص سے
حلق کرا رہے تھے تو آپ پر کسی نے اعتراض کیا حضرت یہ تو نتف مسنون ہے آپ نے فرمایا میں اس پر
قادر نہیں ہوں۔ علماء نے لکھا ہے کہ ابتداء نتف میں قدرے تکلیف ہوگی لیکن اس کے بعد تکلیف نہ
ہوگی نیز اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر ہمیشہ نتف کیا جائے تو بغل کی بدبو ختم ہو جاتی ہے۔
ساتویں چیز حلق العانۃ ہے عانہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو ذکر کے اوپر ہوں بعض کے نزدیک
وہ بال جو حلقۃ الدبر پر ہوں وہ بھی اس کے اندر داخل ہیں لہذا دونوں کا حلق ضروری ہے۔ ابن
العربی مالکی وغیرہ کے نزدیک حلقۃ الدبر کا حلق ضروری نہیں تکلیف کا اندیشہ ہے۔ آٹھویں چیز
۲۳ انتقاص الماء ہے اس کی تفسیر مختلف منقول ہیں (۱) قاسم بن سلام و وکیع بن الجراح کے نزدیک اس سے
استنجاء مراد ہے (۲) اس سے انتضاح مراد ہے یعنی ازار پر پانی کی چھینٹیں ڈالنا تاکہ وسوسہ
منقطع ہوں (۳) پیشاب کا نہ آنا کم کرنا اس طریقہ پر کہ اس پر پانی ڈالا جائے تاکہ اس کو ٹھنڈک
حاصل ہو۔ اس روایت میں انتقاص نون قاف صاد کے ساتھ ہے اور دوسری روایات میں انتفاص
ف صاد کے ساتھ ہے اس کے معنی انتضاح کے ہیں۔ نویں چیز راوی نے مسواک کو بیان کیا جس کی تحقیق
گذر گئی۔ آگے چلکر فرماتے ہیں کہ راوی نے کہا کہ دسویں چیز میں بھول گیا۔ راوی کا نام مصعب بن شیبہ ہے
آگے چلکر فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ وہ مضمضہ ہو اور یہ بیان ہے احتمال اس وجہ سے ہے کہ اوپر استنشاق کا
ذکر فصل میں آیا تھا اور دونوں کا ذکر ساتھ ہے۔ اور ابو داؤد کی روایت میں اعفاء لحیہ کی جگہ ختان
آیا ہے۔ امام احمد اور امام مالک کے نزدیک سنت ہے اور امام شافعی کے نزدیک اور حنفیہ کی دوسری روایت
وجوب کی ہے اور اس کے دو وقت ہیں ایک وقت الوجوب اور ایک وقت الاستحباب۔ وقت وجوب

379 ۲۴/۲۳ تو بعد البلوغ ہے اور وقت الاستحیاء یا قبل البلوغ ہے اور بعض بعض نے کہا کہ سات سال بعض نے سات دن اور بعض نے دس سال بیان کیا۔ جو لوگ مختون پیدا ہوتے ہیں ان کا حکم۔ جیسا کہ شرع ان پر پھیر دیا جائے۔ اور یہ اختلاف کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مختون تھے یا نہیں؟ پہلا قول یعنی آپ مختون اور جس وقت پیدا ہوئے تھے اور مسرور کا مطلب جیسا کہ سرہ کٹی ہوئی تھی۔ دوسرا قول یعنی آپ حضرت حلیمہ کے یہاں تھے تو جبرئیل علیہ السلام نے ختنہ کی۔ تیسرا قول یعنی جب آپکی عمر دس سال کی ہوئی تھا خواجہ عبد المطلب نے آپکی ختنہ کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

381 ۲۵ **الفصل الثانی:۔ عن عائشة قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ مطہرة مصدر ہے اسم فاعل کے معنی میں ہے یا مصدر ہے کے معنی میں ہو یا اسم آلہ کے معنی میں ہو۔ مصدر ہونے کی صورت میں زید عدل کے قبیل سے ہوگا اور اسم فاعل کی صورت میں مُطَہِّرَة کے معنی میں ہوگا اور اسم آلہ کی صورت میں ترجمہ ہوگا کہ مسواک سبب ہے رضاء الہٰی کا۔ اس حدیث کے اندر آپ نے طہارت ظاہرہ اور باطنیہ دونوں کو بیان فرمایا۔ طہارت ظاہرہ تو تطہیر للفم ہونا اور باطنی مرضات للرب ہونا ہے کیونکہ روح کے اندر صفائی اللہ تعالیٰ کی رضا پر چلنے کا ذریعہ ہوگی۔

382 ۲۶ **عن ابی ایوب اربع من سنن الخ عن عائشة کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم**

انبیاء کرام کی چار سنتیں ہیں الحیاء؛ امام نووی نے ابن حنده سے نقل کیا جیسا کہ متعدد روایات میں لفظ حیاء ہے ترمذی کی روایت صحیح میں لفظ ختان واقع ہوا اور تیسری روایت میں الحناء واقع ہوا ہے۔ علامہ نووی۔ ابن حجر مکی رحمہ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں تصحیف ہے۔ علامہ ابن العربی مالکی نے کہا کہ الختنہ یا اور شہ خطاء ہیں ہے کیونکہ آپ تزئین ظاہر کے اسباب کو بیان فرما رہے ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ چونکہ آگے تعطر کا ذکر ہے لہذا حناء ہی بہتر ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ حیاء کی دو قسمیں ہیں ایک حیاء شرعی دوسری حیاء طبعی یہ تو ہر ایک کے اندر موجود ہوتی ہے طبیعت کا مقتضی ہے۔ اور حیاء شرعی کا مطلب جیسا کہ شریعت نے جس عمل کرنے کو کہا یا اسکو کیا اور جس سے منع کردیا اس سے بچتے گئے۔ دوسری حدیث حضرت عائشہ کی ہے علامہ مظہر فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضرت عائشہ کی ذہانت اور با ادب ہونے پر دلالت ہے۔ ایک سوال پیدا ہوا کہ حضور نے حضرت عائشہ کو مسواک دھونے کیلئے دی تھی تو آپ نے واپس کیوں کر دی؟ جواب۱ آپ نے دھوئے واپس کردی تا کہ آپ اسکو کسی اونچی جگہ پر رکھدیں جواب۲ اسوقت واپس ہی نہ کی بلکہ دھو کر رکھدی اور وضو کے وقت واپس کی۔ جواب۳ احتمال ہے کہ آپ نے اسکو نرم کرنے کیلئے دی ہو تا کہ جب نرم ہو جائے تو واپس کردیں بعد استعمال کریں۔

385 ۵/۳ الفصل الثالث :- عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ارانی فی المنام
ارانی علامہ توربشتی فرماتے ہیں کہ ہمارے نسخہ میں صیغہ ماضی کا ہے تو واقع ہے اور یہاں حال
کا صیغہ استعمال کیا اشارہ کرنے کیلئے زمانہ حال کا واقعات کیطرح ماضی کا حالات مجھے یاد رہتے
ہیں ۔ خلاصہ حدیث یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں نے ایک خواب دیکھا کہ میں مسواک کر رہا ہوں پس دو
آدمی میرے پاس آئے ان میں سے ایک بڑا تھا اور ایک چھوٹا میں نے وہ مسواک چھوٹے کو دینی تو مجھے
کہنے والے نے کہا بڑے کو دیدو میں نے بڑے کو دیدی فضیلت یہی ہے وہاں حضرت جبریل علیہ السلام تھے
آگے حضرت عائشہ کی حدیث آرہی ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ بیداری کا ہے اور اس حدیث سے معلوم
ہوتا ہے کہ خواب کا ہے دونوں جمع اسطرح کیا (۱) ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ واقعہ متعدد ہے
(۲) ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اروایا المنام پر اس بیداری کے واقعہ کو محمول کریگا

386 ۵ عن ابی امامۃ :- اس سے مقصود مسواک کو تاکید کرنا ہے

387 ۶ عن انس اور وعن عائشۃ اور کہ دو مطلب (۱) مبالغۃ زیادہ حکم دیا (۲) بکثرت فضائل بیان کئے

388 ۷ اور اس کا فائدہ یہ تھا کہ وہ بھی چیزوں کو اختیار کرتا ہے ۔ حضرت عائشہ کی حدیث ختام
توضیح ہے کیونکہ ابن عمر کی حدیث میں اس کی توضیح بالتفصیل آگئی ہے اور یہاں مجمل ہی چھوڑ دیا

389 ۹ وعنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تفضل الصلوٰۃ التی الخ
ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ضعفاء سے روایت ہے ورنہ ضعیف کے معنی تو دوچند کے آتے ہیں اور
مسواک والی نماز کی ستر گنا زیادہ ثواب ملیگا ۔ یہاں ایک اعتراض وارد ہوگا کہ جماعت کی فضیلت
کے بارے میں ایک حدیث وارد ہوئی ہے کہ پچیس گنا زیادہ ملیگا اور بعض سے ۲۷ گنا معلوم
ہوتا ہے ۔ اور مسواک کے متعلق ستر گنا زیادہ ثواب ملیگا حالانکہ جماعت تمام کے نزدیک مسواک
سے افضل ہے چنانچہ بعض نے جماعت کو سنت مؤکدہ کہی کسی نے فرض اور کسی نے کچھ کہا ہے دونوں حدیثوں کا اور
تطبیق کی وجہ کیا ہوگی ؟ جواب درجات کے اعتبار سے تفاوت ہو سکتا ہے یعنی جماعت والے ۲۵
مسلم ۱
درجے ستر سے کہیں زیادہ اعلیٰ و افضل ہوں گے

390 ۱۲ عن ابی سلمۃ عن زید بن خالد الجہنی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
یہ حدیث امام مسلم امام شافعی کا مستدل ہے مسواک سنن صلوٰۃ میں سے ہے حضرت مصنف بھی فرماتے ہیں کہ
ہم روایات مسواک کا تتبع کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ حضورؐ کبھی بھی نماز کے وقت مسواک نہیں کی
تاہم ہمیشہ وضو کیوقت مسواک فرماتے ہیں لہذا چونکہ ترتیب احوال میں تعارض ہے تو ترتیب اعمال سے
راستہ واضح تعارض کیا جائیگا لہذا ہمارا مذہب راجح ہوگیا ۔ الخ

۱۴

باب سنن الوضوء

ما قبل میں تمام ابواب متعلقہ الی باب الطہارۃ کی وجہ خاص سنت گذر چکی اب ایک اشکال یہاں پر
اشکال وارد ہوتا ہے کہ فرائض وضو سے پہلے سنن کو کیوں بیان فرمایا؟ جواب یہ ہے کہ [illegible]
سنت کہتے ہیں ما ثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قولا او فعلا او تقریرا کو اور یہ عام ہے فرائض
وسنن ونوافل کو جیسا کہ اس سے اشارہ فرائض بھی داخل ہیں۔ سنن جمع ہے سنۃ کی جس کے لغوی معنی
طریقہ کے ہیں اور یعنی اصطلاحی ہو الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین کے ہیں۔ علامہ شامی فرماتے ہیں
کہ احکام دو حال سے خالی نہیں یا تو ان کا کرنا ضروری ہے منع الترک ہوگا یا مع جواز الترک
اگر منع الترک ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو ان احکام کا ثبوت دلیل قطعی سے ہوگا یا دلیل
ظنی سے۔ اول کو فرض اور ثانی کو واجب کہتے ہیں۔ اور مع جواز الترک ہے تو پھر دو حال سے
خالی نہیں آپ نے ہمیشہ مواظبت فرمائی ہوگی یا نہیں۔ اگر مواظبت فرمائی تو سنت موکدہ ورنہ نفل
ومستحب میں داخل ہے۔ الوضوء ما قبل میں معلوم ہو چکا کہ یہ مصدر اور اسم دونوں ہے
اور واو میں ضمہ اور فتحہ دونوں جائز ہے صحیح قول کی بنا پر ضمہ کی صورت میں مصدر اور فتحہ کی صورت
میں اسم بمعنی الماء ہوگا اور اس صورت میں مضاف محذوف ہوگا ای باب سنن التی تفعل فی استعمال
الوضوء۔ وضاءۃ سے مشتق ہے جس کے معنی چمک اور حسن کا ہیں۔ متوضی کا چہرہ نورانی چمکدار ودمک

391 ۱۴ **الفصل الاول:** عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اس 391
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو۔ اعتراض
اول یہ وارد ہوتا ہے منامہ کی قید کی کیا ضرورت استیقاظ تو نوم ہی سے ہوتا ہے؟ جواب اہل عرب
بعض مرتبہ غفلت سے افاقہ کو بھی استیقاظ سے تعبیر کرتے ہیں اس لئے اس سے احتراز کیا چنانچہ قول
عرب ہے تیقظ واستیقظ فلان من غشیۃ۔ اعتراض ثانی یہ وارد ہوتا ہے جب النوم کہا جا چکا
اس لئے ہر شخص اپنی ہی نیند سے اٹھتا ہے نہ دوسرے کی نیند سے لہذا تو کہنا مبالغہ سے ہے؟
۱۵ جواب چونکہ حضور پاک سے اپنی ذات کو مستثنی فرمانا تھا کیونکہ آپ کی نیند کا یہ حکم نہ تھا **فلا یغمس**
[illegible] کی روایت میں نون تاکید سے فلا یغمسن ہے چنانچہ علامہ فقہاء [illegible] کہتے ہیں **الاناء**
سے مراد اناء وضو ہے علماء نے فرمایا کہ حضور اقدس نے وضو کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے منع فرمایا
15 اسی میں اناء غسل وشرب کا حکم ہے حتی یغسلها **ثلثا** یہاں تک کہ اس ہاتھ کو دھو لے اس [illegible]
حکم میں علماء کا اختلاف ہے امام احمد کے نزدیک جو نیند رات سے ہو تو غسل واجب ہے اور اگر دن
کی نیند سے اٹھا تو ایک روایت میں دھونا مستحب اور ایک روایت مسکوت عنہ ہے۔ حنفیہ کے نزدیک

391 نوم کے بعد غسل ید واجب ہے خواہ وہ نوم لیل میں ہو یا نہار میں۔ جمہور کے نزدیک مطلقاً غسل ید مستحب ہے
لیل و نہار کی کوئی قید نہیں کیونکہ حضور نے غسل کی علت بیان فرمائی فانہ لا یدری این باتت یدہ
اور یہ علت تو موجود ہے اور جس درجہ کی علت ہو اسی درجہ کا حکم ہوگا اور علت موہوم ہے پس وہ واجب نہیں ہو سکتا۔ اب
رہا یہ مسئلہ کہ اگر کسی نے پانی میں بغیر دھوئے ہاتھ ڈال دیا تو پانی پاک ہے یا ناپاک ہے؟ جمہور احناف کے نزدیک پانی پاک رہیگا
پانی پاک ہے البتہ اسحق بن راہویہ، داؤد ظاہری، محمد بن جریر طبری وغیرہم کے نزدیک پانی ناپاک ہو جائیگا
علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے نجاست کا حکم جس حدیث سے مستدل کیا ہے اسکو ابن عدی نے الکامل
میں نقل کیا ہے اور وہ روایت ضعیف ہے۔ حضور نے غسل ید کا حکم دیا اسکی علت امام شافعی فرماتے ہیں
کہ اہل عرب کے یہاں عام دستور تھا کہ وہ ڈھیلوں سے استنجا کرتے تھے اور گرم ملک تھا اسلئے نیند میں پسینہ
اور نجاست لگ جاتی تو اس احتمال نجاست سے بچنے کیلئے غسل کا حکم دیا۔ قاضی ابو الولید باجی مالکی فرماتے
ہیں کہ امام شافعی کے قول کی بنا پر تو ازار کو بھی دھونا چاہئے کیونکہ پسینہ اور نجاست کا لگ جانا احتمال
اس میں بھی ہے جواب دیا گیا کہ امام شافعی کے قول کی صورت یہ ہے جب پسینہ آتا ہو پھر تو اس سے نجاست
لگ جانیکا احتمال ہے لیکن یہ جواب ضعیف ہے کیونکہ پسینہ کا سبیلین پر ہونا عام اور اغلب ہے چنانچہ
گرمی کیا سردی میں بھی اس جگہ پسینہ آتا ہے جواب اول کے ضعف کیوجہ سے دوسرا جواب
یہ دیا جاتا ہے کہ عموماً ازار کا بار بار دھونا بھی مشکل ہے اسکو بغیر دھوئے کسی برتن کے پانی میں نہ ڈالا
ورنہ وہ پانی مشکوک ہو جائیگا۔ حضرت استاذنا کا حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ
ہاتھ کے دھونے کا حکم تو وہ علت موجود ہونے پر دیا گیا اور ازار و لنگی کا غسل ضروری کیوں نہیں؟ آپ نے
جواب عنایت فرمایا کہ ید میں ضرر متعدی ہوتا ہے اور ازار و لنگی میں ضرر لازم ہوتا ہے ثلثا کی قید
بخاری کی کسی روایت کے علاوہ کسی اور روایت میں موجود نہیں ہے

392 عنہ اذا استیقظ الخ عن عبد اللہ بن عباس الخ عن عبد اللہ بن زید الخ عن عثمان
فلیستنثر۔ اس میں مضمضہ اور استنشاق کا بیان ہے جس میں علماء کا اختلاف تھا وہ لوگ کہ استنثار
بھی استنشاق ہی کے حکم میں ہے مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک چونکہ واجب ہے ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ
امر کا صیغہ حضور نے فرمایا اور امر وجوب کیلئے ہوتا ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ جمہور اسکا جواب دیتے ہیں کہ
جو امر یہ دیا ہے امر استحباب کیلئے ہے وجوب کیلئے نہیں جو آگے ایک اعرابی کو جب وضو سکھلائی تو آپ نے
فرمایا کہ جیسا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اسی طرح وضو کرو اور قرآن پاک میں اذا قمتم الی الصلوٰۃ والی آیت
میں مضمضہ اور استنشاق وغیرہ کا ذکر نہیں ہے اور اس حدیث میں بھی مضمضہ اور استنشاق کا ذکر نہیں ہے
لہٰذا قرینہ صارفہ کے پائے جانے کیوجہ سے امر کو استحباب کی طرف لوٹایا جائیگا۔ [illegible]

۵۵/۱۷ نکالنے کا حکم دیا اسی وجہ سے کہ فان الشیطان یبیت علی خیشومہ خیشوم سے مراد ناک کا اعلی
اور بعض نے ناک کا پورا بانسہ مراد لیا ہے۔ قاضی عیاض مالکی اسکے معنی وخطابی کے تعلق فرماتے ہیں کہ اس
جملہ کو اپنے حقیقی معنی پر بھی رکھ سکتے ہیں اور اسکو کنایہ بھی بناسکتے ہیں پہلی وجہ کی صورت میں یعنی ناک
میں ایسی چیزیں بھر دیتا ہے جس سے وہ خوش ہوتا ہے۔ قاضی بیضاوی کہتے ہیں کہ آدمی کا سونے میں
تمام احساسات ختم ہو جاتا ہیں لہٰذا وہ ناک پر شیطان وساوس ڈالتا ہے اور کوشش کرتا ہے
کہ اسکو گمراہ کرنا افضل تر حصہ میں منتشر کردوں۔ علامہ تورپشتی فرماتے ہیں
کہ اس جملہ میں سکوت افضل ہے۔ جاننا چاہئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وضو مختلف
طریقے نقل کئے گئے ہیں۔ عبداللہ بن عباس کی روایت بخاری میں مفصلا اور مجملا موجود ہے جسمیں
ہیکہ آپ نے اعضاء کو وضو میں ایک ایک مرتبہ دھویا تھا۔ سنن ابو داؤد کی ایک روایت سے معلوم
ہوتا ہیکہ آپ نے وضو فرمایا دو دو مرتبہ۔ اور اکثر احادیث سے تین تین بار اعضاء کو دھونا ثابت
ہے اور حضور کی اغلب عادت یہی تھی چنانچہ علماء نے کہا ہے کہ ایک مرتبہ دھونا تمام اعضاء کا
فرض اور دو دو مرتبہ افضل اور تین مرتبہ مسنونہ مؤکدہ ہے۔ اب مصنف نے اس حدیث میں
زید بن عاصم کی روایت کو بیان فرمایا اسمیں مذکورہ بالا طریق ثلثہ میں سے کسی طریقہ کو ذکر نہیں کیا
بلکہ ایک چوتھا طریقہ یہ تھا کہ کسی عضو کو تین مرتبہ اور کسی کو ایک کسی کو دو دو مرتبہ دھویا تھا اس
میں اس طریقہ کا ذکر ہے علماء نے کہا ہے کہ اگر یہ طریقہ اختیار کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے چنانچہ
امام ترمذی نے اپنی کتاب میں چار طریقوں میں سے ایک کیلئے مستقل باب باندھا۔ حضرت الاستاذی
نے فرمایا ہے جیسا کہ وضو مرۃ کو مصنف نے مقدم فرماکر اشارہ کیا کہ یہ فرض ہے اور اسکے بعد
مرتین مرتین والا باب باندھ کر اسکے افضل ہونے کی طرف اشارہ فرمایا اور اسکے بعد ثلثا ثلثا کو ذکر کیا تاکہ
مسنون مؤکدہ ہونے پر دلالت کرے اور پھر وہ باب باندھا جسمیں کسی خاص عدد کا لحاظ نہیں کیا گیا
تاکہ معلوم ہو جائے کہ اسمیں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ ثم مسح برأسہ بیدیہ الخ مقدار مسح راس ۱۹
میں علماء کا اختلاف ہے امام مالک کے اس میں چھ قول ہیں (۱) ثلث راس (۲) ثلثین راس
(۳) مقدم راس (۴) استیعاب راس (۵) استیعاب راس اگر تھوڑا سا باقی رہ جائے تو معاف کیا
(۶) ادنی ما یطلق علیہ اسم المسح فرض ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک دو قول ہیں (۱) بعض راس
ولو شعرۃ واحدۃ (۲) ثلث راس۔ حنابلہ سے بھی دو قول نقل کئے گئے ہیں (۱) ادنی ما یطلق علیہ اسم المسح
(۲) مرد کے لئے استیعاب راس اور عورت کے لئے مقدم راس فرض ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مختلف
روایات ہیں (۱) مقدار ناصیہ فرض ہے (۲) مقدار ثلث اصابع (۳) ربع راس (۴) ربع یا ثلث

[illegible]

392 ۲۵/۱۹

راس کا مسح فرض ہے۔ حدیث پاک کی رو سے دو مذہب کا ثبوت آیا امام مالک کا اور دوسرا ہمارا مذہب کا ثبوت ہے۔ امام مالک کا راس اور ایات سے ثبوت ہوتا ہے وہ استیعاب ہے اور ہمارا حضرت مغیرہ بن شعبہ کی حدیث صحیح مسلم میں ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توضأ ومسح علی ناصیتہ وخفیہ"۔ اس سے معلوم ہوا کہ استیعاب فرض نہیں ورنہ آپ مسح علی الناصیہ نہ فرماتے۔ احناف پر چند اعتراضات مسح علی الناصیہ کے باب میں وارد ہوتے جو درج ہیں۔

اعتراض اول:- کتاب اللہ میں تو مطلق مسح کا حکم ہے لہذا ناصیہ کے ساتھ کیونکر مقید کرتے ہو؟

جواب:- کتاب اللہ مجمل ہے مطلق نہیں اور حدیث بیان واضح ہے اس مجمل کا۔

اعتراض ثانی:- آپکا دعویٰ تو یہ تھا کہ مقدار ناصیہ کے برابر سر کا جس حصے کا بھی مسح کر لو تو وہ ادا ہو جاتا ہے اور دلیل میں پیش کرتے ہیں وہ حدیث جس سے صرف ناصیہ پر مسح کا ثبوت ہے لہذا دعویٰ عام اور دلیل خاص ہو گئی ہے۔

جواب:- کتاب اللہ مطلق ہے محل میں اور مجمل ہے مقدار میں تو ہم حدیث کو صرف مجمل کا بیان قرار دیتے ہیں اور محل تو پہلے سے متعین ہے۔

اعتراض ثالث:- یہ کہ فرض کا منکر کافر ہوتا ہے حالانکہ مقدار ناصیہ کا منکر کافر نہیں ہے۔

جواب:- فرضیت ظنی ہے قطعی نہیں یا یہ فرضیت قطعی کا منکر کافر ہے۔ جواب ۲ ایک انکار بالتاویل ہوتا ہے اور ایک بغیر تاویل کے اور منکر بالتاویل کافر نہیں ہے۔

اعتراض رابع:- یہ ہوا کہ یہ حدیث خبر واحد ہے اور اس سے فرضیت کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔

جواب:- یہ کہ مجمل کا بیان مجمل کی طرف منسوب ہو جاتا ہے لہذا جو بات حدیث نے بیان کی وہ قرآن کی طرف منسوب ہوگی۔ نیز ہمارے مذہب کے سیاق سے دلائل میں مسئلہ باب العتاق کی طرح ہوتی ہے اور مقدار العتاق مجمل ہے اور حدیث بیان واضح ہے۔ عربیت کا قاعدہ ہے کہ باء جب داخل ہو راس پر تو بعض پر دلالت ہوتا ہے اور اسی باء کی تعیین حدیث نے کر دی۔

ایک مسئلہ:- یہ کہ مسح کی ابتداء کس جگہ سے ہوگی؟ جمہور کے نزدیک مقدم راس سے ابتداء ہوگی۔ وکیع بن الجراح، حسن بن حی کے نزدیک مؤخر راس سے ہوگی۔ بعض لوگ فرماتے ہیں کہ اوسط یعنی وسط راس سے ہوگی۔ اب یہ کتنی مرتبہ مسح کرنا چاہئے؟ جمہور کے نزدیک ایک دفعہ [illegible] مسنون ہے۔ امام شافعی کے نزدیک تین مرتبہ مسنون ہے جیسا کہ تمام اعضاء کا تین تین مرتبہ دھونا مسنون ہے۔ ہمارے اصحاب نے جواب دیا کہ نظیر کو نظیر پر قیاس کرنا چاہئے اور مسح کی نظیر مسح علی الخفین ہے لہذا اس کی طرح یہ بھی ایک ہی مرتبہ مسنون ہوگا۔ [illegible] امام شافعی کا

392 استدلال ان احادیث سے ہے جن کے اندر ثلثا ثلثا کی قید آئی ہے چنانچہ ابو داؤد میں حضرت عثمان کی حدیث ۲۵/۱۹
کے اندر مسح راسہ ثلثا [illegible] وغیرہ وغیرہ۔ ہماری دلیل کیلئے مسح کا مدار تخفیف پر ہے اور ثلثا کی
صورت میں مسح غسل بن جائیگا۔ علامہ عینی [illegible] فرماتے ہیں کہ اگرچہ جدید پانی سے [illegible] اور اگر
ایک ہی پانی سے تین مرتبہ مسح کیا تو [illegible] دیتا ہے حضرت شیخ الحدیث یا حضرت استاذ محترم
مولانا [illegible] فرماتے ہیں کہ جو لوگ تثلیث کے قائل ہیں انکو وہم اس وجہ سے ہو گیا کہ حضور بال رکھتے
تھے تو انکی زیادتی کی وجہ سے راس کی دائیں بائیں اور پیچھے میں جیسا آیا تو پھیر کر استیعاب کیلئے
395 تو راس پر لوگوں کو یہ وہم ہو گیا کہ آپ نے تین مرتبہ مسح فرمایا۔ دوسری حدیث حضرت عبد اللہ ابن عباس کی ۲۶/۱
ہے لیکن لم یزد علی هذا یہ لفظ بخاری میں نہیں ہے مصنف کو وہم ہو گیا۔ تیسری حدیث میں [illegible] صحیح ہے
چوتھی حدیث حضرت عثمان کی ہے جس کے اندر لفظ بالمقاعد آیا ہے یہ مقعد کی جمع ہے اس سے مراد یا تو ایک ۲
جگہ ہے جو کہ مدینہ میں ہے یا اس سے مطلق بیٹھنے کی جگہ مراد ہے مقعد مسجد کے باہر چبوترہ بنا ہوا تھا کسی
بازار میں بیٹھنے کی جگہ مقعد چوکی وغیرہ [illegible] مصنف نے نہایت مختصر طور پر ذکر فرمائی ورنہ امام بخاری
نے اسکو مفصل اپنی کتاب میں بیان فرمایا۔

398 عن عبد اللہ بن عمرو قال رجعنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مکۃ الخ ۳
حضرت عبد اللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ مکہ سے مدینہ کیطرف لوٹے۔ کب لوٹے؟ یا تو عمرۃ
القضاء کا واقعہ ہے یا غزوۃ الفتح کے اندر لیکن اصح یہ ہے کہ حجۃ الوداع کے بعد لوٹے کیونکہ یہ فتح مکہ
کے بعد اسلام لائے۔ بہرحال عصر کی نماز کا وقت قریب تھا اس وجہ سے انہوں نے عجلت میں وضو کی
اور نماز میں شرکت [illegible] ہوئے تو سلام پھیرتے دیکھا کہ ایڑیاں خشک رہتی ہیں انکی بھی خشک تھیں
لم یمسها الماء یہ بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ نے مسح کیا لیکن غسل ارجل نہیں کیا اسکا مطلب یہ ہے کہ تھوڑا ۵
پانی نہیں پہونچا صرف مسح تھا اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غسل تو ہوا لیکن [illegible] نہیں پہونچا
منزل دفع تعارض کیسے ہوگا؟ جواب بخاری و مسلم کی روایت کو ترجیح دی جائیگی جواب
علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ [illegible] الغسل کی نفی سے مطلق کا [illegible] نہیں ہے۔ اسکے اندر اختلاف ہے کہ ارجل
کیلئے مسح کافی ہے یا غسل ضروری ہے۔ شیعوں نے حضرت علی اور ابن عباس سے نقل کیا کہ مسح ارجل
کافی ہے غسل کی ضرورت نہیں ہے لیکن تمام صحابہ و تابعین و ائمہ کا اجماع ہے اس بات پر کہ غسل ارجل
ضروری ہے اور استدلال کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا ویل للاعقاب من النار اور ویل 5
جہنم میں ایک کھائی ہے تو حضور نے وعید فرمائی اور شیعہ لوگ استدلال کرتے ہیں آیت الیہ وامسحوا برؤسکم
وارجلکم۔ میں بقراۃ الجر سے ہماری طرف سے جواب دیا گیا کہ قاعدہ ہے کہ [illegible] قرآن احادیث میں

398 ۲۶/۵ اور ایک نسخہ میں آپ نے مسح نہ کیا یہ بھی ہے۔ جو لوگ جرابوں پر مسح علی الخفین جیسے جراب کا جواز کہو دیتے
ہیں یہ عربی کا محاورہ ہے کیونکہ جو رقیق خف نہ ہو فرجی جراب کا صفت ذکر ہونا علیحدہ ہے لیکن اہل عرب ان
پائیں کہو دیتے ہیں جو دریت ہیں جیسا کہ ہم جو جواز ہے تو بیان پر دوسرا کا جو کہو دیتے ہیں اسی جوڑا ہے —

399 ۵ عن المغیرۃ بن شعبۃ قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم توضأ فمسح علی ناصیتہ
اس حدیث پاک سے مسح علی العمامہ کا جواز معلوم ہوا۔ امام مالک، امام شافعی، نخعی، شعبی، حماد
بن سلیمان، عبد اللہ بن مبارک، امام ابو حنیفہ وغیرہم کے نزدیک مسح علی العمامہ ناجائز ہے۔ امام احمد
اسحق بن راہویہ، داود ظاہری ان کے نزدیک جائز ہے پھر ان میں دو جماعتیں ہیں بعض لوگ کہتے
ہیں کہ مسح علی الخفین کی طرح موقت ہے اور بعض کے نزدیک غیر موقت ہے۔ ابن قدامہ حنبلی نے
اس کو تحریر فرمایا ہے کہ مسح علی العمامہ دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے ایک یہ کہ عمامہ طہارت پر باندھا ہو اور
وہ پورے سر کو محیط رہے نیز اسلامی طریقہ پر ہو دوسرے یہ کہ عمامہ تحت الحنک ہو یا ذوابہ دار ہو
اس بار تنبیہ یہ ہے کہ مشہور یہ ہے کہ مسح کا ہے اگر عمامہ پر مسح کرے تو سنت ادا ہوگی یا نہیں۔ امام احمد
کے نزدیک سنت ادا ہو جائیگی اور جمہور کے نزدیک ادا نہ ہوگی۔ اب اس حدیث کی توجیہ علماء حنفیہ
تین جواب دیتے ہیں (۱) آپ نے بقدر فرض مسح کیا ہوگا اور پھر آپ نے اکمال سنت کیلئے عمامہ پر اور
سر کا مسح کیا ہوگا (۲) بقدر ناصیہ پر آپ نے مسح کیا ہوگا اور پھر آپ نے عمامہ کا پیچ کو درست
کیا تھا عمامہ کو درست کیا تو لوگوں نے سمجھا کہ مسح علی العمامہ فرمایا ہوگا (۳) قاضی عیاض مالکی
فرماتے ہیں کہ آپ نے بقدر فرض ادا کیا ہوگا اور اس میں تخفیف کی وجہ سے عمامہ پر مسح فرما لیا ہوگا —

۶ دوسری حدیث حضرت عائشہ کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر اچھے کام کی ابتداء آپ یمین سے فرماتے
تھے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ابتداء بالیمین تکریم الیمین ہے

401 ۷ الفصل الثانی :۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ

۸ حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ وضو میں ابتداء بالیمین کرنا چاہئے بایامنکم کی تحقیق شارح مشکوۃ
علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ نسخ میں لفظ بایامنکم موجود ہیں اور یہ لفظ تھا یہ ابو داؤد
میں سے ہے اور اسمیں لکھا ہے کہ واقع ہے لیکن عبد ضعیف نے تحقیق کیا تو حضرت ...
والا نسخہ میں تو بایامنکم ہے اور دوسرے نسخہ میں بمیامنکم ہے ابن حبان کی روایت میں بھی بایامنکم ہے

402 ۸ عن سعید بن زید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا وضوء لمن لم الخ
ابتداء وضو میں بسم اللہ پڑھنے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں اور یہ مسئلہ خمسۃ الاقوال کہلاتا ہے علامہ عینی نے
الاول بسم اللہ پڑھنا مکروہ ہے یہ مذہب ہے ربیعۃ الرای کا۔ الثانی مستحب ہے اس کو صاحب ہدایہ اور
علامہ اکمل بابرتی نے اختیار فرمایا

ارشاد ہے۔ امام حسن اور امام شافعی امام مالک اور امام احمد کی ایک روایت میں سنت مؤکدہ ہے اسی قول کو علامہ عینی نے اکثر علماء سے نقل کیا ہے۔ امام طحاوی و قدوری و نسفی صاحب ہدایہ کا یہی مختار ہے اور اصح بسم اللہ پڑھنا واجب ہے علامہ عبدالحئی لکھنوی، محقق ابن ہمام کا مختار یہی ہے۔

اسکے علاوہ امام احمد کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ فرض ہے اور اسکے عمداً ترک سے وضو باطل ہو جائیگی۔ یہ اہل ظواہر کی بھی دلیل ہے۔ جو لوگ کہ احدیث کے قائل ہیں وہ استدلال کرتے ہیں حضرت مہاجر بن قنفذ کی حدیث سے کہ آپ پیشاب فرما رہے تھے انہوں نے سلام کیا آپ نے جواب نہیں دیا اور پھر بعد میں فرمایا کہ میں طہر کی حالت میں نہیں تھا اسلئے میں نے سلام کا جواب نہیں دیا تو آپ نے نجاست کی حالت میں سلام کرنا پسند نہیں کیا لہذا معلوم ہوا کہ اسی طرح بغیر وضو کے بسم اللہ پڑھنا مکروہ ہے۔

جو لوگ استحباب کے قائل ہیں وہ لوگ کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں دو قسم کی روایات ہیں ایک قولیہ اور ایک فعلیہ۔ روایات قولیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر ذکر اللہ کے وضو نہیں ہوتی اور فعلیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ کوئی ضروری نہیں ہے لہذا ایسی صورت میں نہ وجوب ثابت ہو سکتا ہے اور نہ سنیت ثابت ہو سکتی ہے جو لوگ سنیت کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر اللہ ضروری ہے اگرچہ وہ روایات ~~صحیح~~ ضعیف ہیں لیکن جب وہ اشتراک کے درجہ میں پہنچ جاتی ہیں تو حسن کا درجہ پا لیتی ہیں لہذا ہم ان احادیث کی وجہ سے سنیت کے قائل ہو گئے ہیں۔ اب اعتراض ہوتا کہ جب یہ احادیث بمرتبہ حسن آگئی ہیں تو وجوب ثابت ہونا چاہئے اسکا جواب دیا گیا کہ کبھی نفی جنس کی نفی کیلئے اور کبھی نفی الصفت اور نفی کمال کیلئے آتا ہے لہذا یہاں نفی کمال کیلئے ہے لہذا وجوب ثابت نہیں ہو سکتا چنانچہ فتح القدیر میں امام ربیعہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ وضو کا حکم ہو لیکن ابن حجر نے اسکے متعلق فرمایا کہ اسکو نہیں پایا۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے پایا وہ حجت ہے ان لوگوں پر جنہوں نے نہیں پایا بہر حال صرف اسی حدیث سے ہمارا استدلال نہیں ہے بلکہ اسکے علاوہ حضرت ابوہریرہ، ابن مسعود ابن عمر کی ایک حدیث آرہی ہے جس نے وضو کی اور ذکر اللہ کیا تو اسکی وضو کامل ہوگی بلکہ طہارت تمام بدن کی ہو جائیگی اور اگر ذکر اللہ نہیں کیا تو اسکی وضو کامل نہیں ہوگی بلکہ طہارت صرف اعضاء وضو کو حاصل ہوگی اسپر اعتراض کیا گیا کہ اسکی روایت میں ابوبکر داہری متروک ہے اور یحیی بن ہاشم سمسار متہم ہے لہذا معتبر نہیں ہے۔ اور جو لوگ وجوب کے قائل ہیں وہ لوگ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اسکا جواب دیا گیا کہ لا نفی جنس کیلئے نہیں بلکہ کمال کیلئے ہے۔ اور جو لوگ فرضیت کے قائل ہیں وہ استدلال کرتے ہیں اس لا وضوء الخ سے اور لا کو نفی جنس کیلئے مانتے ہیں

رہا تسمیہ باقی یہ کہ کن الفاظ کے ذریعہ ذکر اللہ ہونا چاہئے؟ محقق ابن ہمام فرماتے ہیں کہ بسم اللہ

402 منقول نہیں ہے۔ بعض کے نزدیک بسم اللہ العظیم والحمد للہ علی دین الاسلام۔ بعض نے کہا اور فی بسم اللہ الرحمن ۲۶/۸
الرحیم اور بعض نے کہا کہ بسم اللہ العظیم والحمد للہ علی دین الاسلام اور بسم اللہ الرحمن الرحیم دونوں کو
جمع کرے۔ قرائن صغیر میں ہے کہ بسم اللہ اور الحمد للہ کہنا چاہئے۔ اور یہ اکثر سے منقول ہے
عند البعض قبل الاستنجاء وقبل بعد الاستنجاء اور بعض کے نزدیک استنجاء سے پہلے اور بعد دونوں وقت
میں پڑھے۔ دوسری حدیث ابو سعید کی ہے اس کے اندر عن ابیہ غلط ہے مصنف کو وہم ہو گیا چنانچہ ۱۰
دارمی میں بغیر عن ابیہ کے ہے اور ان کا اس سے سماع ثابت نہیں ہے۔ اور مصنف نے وہاں وضو ادوا
اس باب میں ذکر کیا ان تمام حدیثوں نے زیادتی کی لحاظ کر کے دارمی نے لا صلوٰۃ لمن لا وضوء لہ کو ذکر نہیں کیا۔

405 **عن لقیط بن صبرۃ قال قلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخبرنی عن الوضوء** ۱۰
قال اسبغ الوضوء اسباغ کے تین درجے ہیں فرض۔ سنت۔ مستحب۔ گذر چکے ہیں۔ محقق ابن قدامہ ۱۱
نے کہا ہے کہ تمام اعضاء کو خوب اچھی طرح سے دھونا اسباغ ہے۔ دوسرا جملہ ہے **وخلل بین الاصابع** ۱۱
اس کے اندر علماء کا اختلاف ہے حضرات حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک اگر اصابع منضم میں تو پانی پہونچانا
فرض ہے اور اگر غیر منضم ہیں تو مسنون ہے۔ امام مالک کے نزدیک اصابع یدین میں پہونچانا واجب
اور رجلین میں واجب نہیں۔ امام احمد۔ اسحق بن راہویہ کے نزدیک دونوں میں واجب ہے
علامہ شوکانی کی بھی یہی رائے ہے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں دار قطنی کی ایک حدیث سے اخضوا
فرہ یا خللوا اصابعکم کیلا تخللہا نار جہنم اس وعید کی وجہ سے وہ لوگ وجوب کے قائل ہیں اس کا
جواب ہماری طرف سے یہ ہے کہ یہ غیر منضم ہونے کی صورت میں ہے۔ اور تخلیل کی صورت یہ ہے کہ بائیں ہاتھ
کی خنصر کے ذریعہ دائیں پیر کی خنصر سے ابتدا کرے اس طرح تو رجلین میں ہے اور ہاتھوں میں تشبیک
کی صورت ہوگی **وبالغ فی الاستنشاق** محقق ابن قدامہ مغنی میں منقول ہیں کہ مبالغہ تمام علماء ۱۱
کے نزدیک مستحب ہے اور نفس استنشاق ومضمضہ میں علماء کا اختلاف پیچھے گذر گیا۔ دوسری حدیث ۱۲
حضرت ابن عباس کی ہے جس کی توضیح کی ضرورت نہیں۔

407 **عن المستورد بن شداد قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا** ۱۲
اس حدیث میں یدلک سے یا تو حقیقۃ دلک مراد ہے یا خلال اصابع مراد ہے اگر ثانی ہو تو اس سے
مسلک حنفیہ کی تائید اور ثبوت ہوا اور اگر اس سے دلک اگر حقیقی مراد لیا جائے تو اس مسئلہ میں
امام مالک فرماتے ہیں کہ دلک واجب ہے کیونکہ تمام اعضاء تک اچھی طرح پانی پہونچانا واجب ہے اور دلک
اس کا ذریعہ ہے اور واجب کا وسیلہ اور ذریعہ خود واجب ہوتا ہے۔ باقی تینوں ائمہ کے نزدیک واجب
نہیں ہے کیونکہ مقصود ایصال الماء ہے خواہ دلک سے ہو یا بغیر دلک کے ہو نیز امام مالک کا استدلال یہ جو
بیان ہے اس کا جواب دیا گیا اس سے وجوب اسی وجہ سے ثابت نہیں ہوسکتا یہ حدیث فعلی ہے۔

408

۴۶/۱۵ عن انس وعن عثمان وعن ابی حیۃ وعن عبد خیر وعن عبد اللہ بن زید الخ

اس حدیث باب سے تخلیل لحیہ کا مسئلہ ثابت ہوا۔ اس مسئلہ کے اندر بھی ائمہ کا اختلاف ہے کہ آیا اس کا وظیفہ کیا ہے غسل ہے یا مسح ہے اور ہر دو صورت میں کتنی مقدار کا فرض ہے؟ بعض کے نزدیک اس کا وظیفہ مسح ہے اور وہ لوگ مقدار میں اختلاف کرتے ہیں بعض کے نزدیک ربع لحیہ بعض کے نزدیک ثلث لحیہ بعض کے نزدیک تمام لحیہ بعض کے نزدیک مسح ما یحاذی الوجہ کا فرض ہے اور جو لوگ غسل کے قائل ہیں ان سے بھی مختلف اقوال مقدار کے بارے میں منقول ہیں (۱) غسل الربع (۲) غسل الثلث (۳) غسل الکل سوائے ما استرسل۔ بعض کے نزدیک غسل وغیرہ کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ حنفیہ کا صحیح مسلک یہی ہے کہ غسل فرض ہے اور یہی مسلک سعید بن جبیر امام مزنی وغیرہ کا ہے اسحق بن راہویہ کے نزدیک بھی فرض ہے اور عمداً ترک سے وضو باطل ہوگی۔ امام ابو حنیفہ کی ایک روایت اور مالکیہ کی ایک روایت میں مسح کرنا جائز ہے۔ دوسری روایت دونوں کی یہ ہے کہ مستحب ہے امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ سنت مؤکدہ ہے لیکن تمام ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک اصح مذہب یہ ہے کہ داڑھی یا خفیف ہوگی یا کثیف اگر کثیف ہے تو خلال مسنون ہے اور اگر خفیف ہے تو فرض ہے۔ خفیف داڑھی کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس کی وجہ سے نیچے کا گوشت نظر آتا ہو۔ ابن العربی مالکی نے مالکیہ سے اس کے بارے میں چار قول نقل کئے ہیں اول غسل مستحب ہے دوم مستحب نہیں ہے۔ سوم اگر کثیف ہے تو مسنون ورنہ فرض ہے۔ چہارم ما یحاذی الذقن کا دھونا واجب اور ما استرسل کا غسل مستحب ہے۔ جو لوگ وجوب کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث باب میں آپ نے فرمایا هکذا امرنی ربی ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ امر کبھی استحباب کیلئے بھی آتا ہے

۴۶/۱۶ نیز بہت سے صحابہ نے خلال وغیرہ کو ذکر نہیں کیا اگر واجب ہوتا تو ضرور ذکر کرتے۔ دوسری حدیث حضرت عثمان کی تھی اس کا ترجمہ ہو چکا۔ تیسری حدیث حضرت ابو حیہ کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وضو کا پانی کو کھڑے ہو کر پینا چاہئے جیسا کہ آب زمزم کو۔ چوتھی حدیث حضرت عبد خیر کی ہے جس کا مضمون پہلے گزر چکا پانچویں حدیث عبد اللہ بن زید کی ہے اس پر لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ حدیث مکرر آگئی ہے کیونکہ فصل اول میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کے اندر قیل لعبد اللہ بن زید بن عاصم توضأ لنا وضوء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدعا باناء فاکفأ منہ الخ سے اس حدیث کو بیان کیا گیا۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ مصنف پر تکرار کا اعتراض صحیح نہیں ہے کیونکہ فصل اول میں صاحب مشکوۃ نے اپنے الفاظ کے ساتھ حدیث ذکر کی اور یہاں صاحب مصابیح کے الفاظ کی تخریج فرمارہے ہیں لیکن واضح رہے کہ اس سے مصنف اور صاحب مصابیح پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔ صاحب مصابیح پر تو یہ کہ انہوں نے اس حدیث کو فصل ثانی میں کیوں ذکر کیا جبکہ یہ

صحیحین کی روایت ہے اور مصنف پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ انہوں نے صاحب مصابیح پر اس فصل پر تنبیہ کیوں نہ کی
— ابوداؤد ۱۲۵

413 عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسح الخ عن الربیع بنت معوذ الخ ۴۶/ ۲۲/۲۳

اس حدیث کا یہ باب ہے مسح راس و الاذنان کا بیان ہوا اسکے اندر بھی علماء کا اختلاف ہے کہ اذن کیلئے مسح ہے یا نہیں اور اذن راس میں شامل ہے یا الگ ہے۔ حضرت امام صاحب امام ابو یوسف امام محمد امام احمد عبد اللہ بن مبارک اسحق بن راہویہ سفیان ثوری ان سب کے نزدیک الاذنان من الراس علقمہ زہری داؤد ظاہری کے نزدیک انہما من الوجہ۔ امام عامر شعبی حسن بن صالح بن حی کے نزدیک ما اقبل منہما من الوجہ وما ادبر منہما من الراس۔ امام شافعی اور ابو ثور کے نزدیک لا منہما من الوجہ ولا منہما من الراس۔ تو اختلاف ہو گیا اسباب میں کہ وہ راس سے ہے یا نہیں۔ اب اسکے بعد مسح کیسا ہو اس میں اختلاف ہے۔ سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک اور جمہور کے نزدیک مسح کیا جائیگا۔ داؤد ظاہری، امام زہری کے نزدیک غسل ہوگا۔ عامر شعبی حسن بن صالح کے نزدیک آگے کا حصہ کا غسل اور ظاہر کا مسح ہوگا۔ ابن سریج کے نزدیک غسل اور مسح دونوں کو جمع کیا جائیگا بعض کے نزدیک مسح مستحب ہے نہ غسل مستحب ہے۔ بعض کے نزدیک ظاہر و باطن کا مسح ہوگا تین مرتبہ اور صماخ اسود اصبع اذن کیلئے پانی الگ لیا جائیگا۔ اب ایک اختلاف اسی باب میں ہے کہ اسکے لئے ماء جدید ہوگا یا ماء راس ہی کافی ہے؟ حنفیہ کے نزدیک تو ماء راس ہی کافی ہے جدید کی ضرورت نہیں اور شافعیہ کے نزدیک ماء جدید مستحب ہے مالکیہ اور حنابلہ کو بعض نے حنفیہ کے ساتھ اور بعض نے شوافع کے ساتھ لاحق کیا ہے لیکن اصح یہ ہے کہ مالکیہ شافعیہ کے ساتھ اور حنابلہ حنفیہ کے ساتھ ہیں۔ احناف کا دعویٰ اور مذہب ہے کہ الاذنان من الراس یعنی ماء راس ہی کافی ہے اور دلیل یہ ہے کہ ترمذی میں حضرت ابو امامہ کی ایک حدیث ہے جس میں مرفوعاً ہے کہ الاذنان من الراس۔ اسکے ایک راوی ہیں حماد وہ فرماتے ہیں کہ لا ادری کہ یہ حضور کا قول ہے لیکن اگر تسلیم کر لیں کہ وہ آپکا قول نہیں ہے بلکہ صحابی کا قول ہے تو چونکہ غیر مدرک ہے اسلئے قاعدہ اصولیین کے مطابق مرفوع ہوگا۔ نیز اسکے علاوہ عبد اللہ بن عباس کی حدیث میں ایسا وارد ہوا اور اس حدیث کے متعلق ابن دقیق العید نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے نیز خود حضرت انس کی روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں نیز چونکہ آپکا بیان خلقت کیلئے نہیں تشریف لائے بلکہ تعلیم احکام کیلئے آئے ہیں اسلئے بتا دیا کہ دونوں ایک ہی کے حکم میں ہے۔ حضرت ربیع کی حدیث کا بھی یہی مضمون ہے۔

ف: معلوم نہیں یہ حضور کا قول ہے یا خود ابو امامہ کا ہے لیکن ادراج تو محض شبہ ہی ہے ۱۲

416 عن عبد اللہ بن زید انہ رای الخ عن ابی امامۃ ذکر وضوء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 46/ 25, 26

اس حدیث سے امام شافعی نے استدلال فرمایا کہ ماء جدید سے مسح اذن کیلئے ضروری ہے کیونکہ آپ نے ماء غیر فضل یدیہ فرمایا۔ محقق ابن قدامہ نے ابن منذر سے نقل کیا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ امام شافعی

415
416 46/26

۴۶/۲۶ سے پہلے یہی کسی نے ارشاد فرمایا ہے جیسا امام شافعی بھی اس کے اول قائل ہیں اور اس حدیث کا جواب یہ کیا ہے کہ اجماع کے خلاف ہے یا اس کو محمول کرتا ہے جواز پر بیان کیا۔ جواب ثانی یہ کہ پانی خشک ہو گیا ہوگا اس لئے کہ دوبارہ پانی لیا ہو جواب ثالث ایک روایت میں لفظ غیر پایا آتا ہے یعنی بماء الموجود ہے جس کے معنی بقیہ کے ہیں یعنی اپنے بچے ہوئے پانی سے مسح فرمایا اس صورت میں اپنا مذہب ثابت ہو گیا۔ دوسری حدیث حضرت ابو امامہ کی ہے جس کے متعلق [illegible] میں احناف کا دعویٰ الاذنان من الرأس کی دلیل میں تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے کیونکہ بعض نے اس کو مقولہ الرسول اور بعض نے مقولہ الصحابی قرار دیا ہے۔ اور اس احتمال میں کا جملہ یہ ہے کہ وقال الاذنان من الرأس کا اگر عطف کیا پہلے جو قال آیا ہے اس پر ہو تو موقوف ہوگی اور اگر لفظ کان پر کیا تو حدیث مرفوع ہوگی ۔۔۔

علامہ تفتازانی [illegible] البیان میں تحریر فرماتے ہیں کہ الاذنان من الرأس سے حضور کا مقصود یا تو بیان خلقت ہوگا یا بیان حکم، شق اول باطل ہے کیونکہ شق ثانی ثابت ہو گئی کہ [illegible] اذنین کا بھی مسح ضروری ہے اس پر اعتراض وارد ہوگا اس سے تو دونوں کا [illegible] ممسوح ہونا سمجھ میں آیا یہ نہیں مفہوم ہوتا کہ پانی بھی راس کا کافی ہے [illegible] مقصود ہے [illegible] جو رہا [illegible] ورنہ تو لازم آئیگا [illegible] اوجہ [illegible] کیونکہ حکم مسح میں دونوں [illegible] اور [illegible] ہیں [illegible] غلط ہے۔ دوسرا اعتراض ان لوگوں نے کیا کہ جب تمہارے نزدیک اذنین راس ہی کا حکم میں ہیں تو [illegible] اذنین کا مسح بھی راس کے پانی کا فی ہونا چاہئے۔ جواب یہ [illegible] قرآن [illegible] اور اذنین کی حدیث سے [illegible] ثابت [illegible] ہوگا [illegible] نماز [illegible] [illegible] نہیں ہوگی [illegible] حدیث [illegible]

417 ۲۷/۱ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۴ اس حدیث میں جو جملہ آیا ہے فمن زاد علی ھذا فقد اساء وتعدی وظلم اس کے مطلب کو مختلف علماء نے بیان کئے۔ اول قاضی عیاض مالکی۔ ابن التین۔ ابن بطال فرماتے ہیں کہ ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ فمن زاد علی اعضاء الوضوء فقد ظلم الخ یعنی [illegible] کہنیوں سے اوپر [illegible] قدموں کو ٹخنوں تک دھوئے تو اس نے ظلم کیا۔ یہ مطلب ان لوگوں نے اس وجہ سے بیان کیا [illegible] دلیل اطالۃ غرۃ والتحجیل ہے۔ دوم علامہ نووی فرماتے ہیں کہ ارشاد کا مطلب یہ ہے فمن زاد علی ثلاث الوضوء جو شخص [illegible] اور اعداد غسل سے زیادہ کرے اس نے ظلم کیا۔ اس کے اندر علماء کا اختلاف ہے کہ [illegible] اعداد وضو میں زیادتی [illegible] میں [illegible] ہے۔ علماء جمہور فرماتے ہیں کہ

417 ۴۷/۲ اگر تکمیل وضو کیلئے ہو تب بھی ترتیب عمل کر لیا تو کوئی مضائقہ نہیں ہے ۔ علامہ علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ شخص کو وسوسہ سے رسیم شیطان کا غلبہ ہے لہذا اس کو وہی تین مرتبہ کرنا چاہئے اس سے زیادہ پھر اگر کر رہا ہے کہ زیادتی پر ظلم اور عدوان کو کیوں فرمایا حالانکہ جو زیادہ کیا ہے فضیلت حاصل کرنا کیوں ہے تو ظلم ہوا اور حدود شرعیہ سے تجاوز کیا لہذا تعدی فرمایا ہوگی ۔ اب اعتراض ہوا زیادتی کی صورت میں تو بیشک ظلم و عدوان ہو سکتا ہے لیکن کمی اور نقص میں کیونکر اور نقص کی صورت میں تعدی کا سبب ہوگی ؟ اس کے علماء نے مختلف جوابات دیئے ہیں (۱) جواب: نقص سے مراد تقلیل کیا مرتبہ یعنی کم کر دے تو ہو سکتا فرض سے کم ہو اور سو وہ ظلم ہوا ۔ جواب (۲) علامہ سندی فرماتے ہیں کہ بعض روایات میں او نقص نہیں ہے لہذا جواب دینا نہیں ۔ جواب (۳) اپنے پر ظلم کیا کیونکہ سنت کے ثواب سے محروم رہا کم کرنا کیوں ہے ۔ جواب (۴) اپنے دو چیزیں بیان کیں فمن زاد ۔ ومن نقص اور ہر ایک کا الگ الگ حکم ہے کیا ہے ظلم اور ایک اساءہ لہذا اساءۃ کا تعلق نقص سے ہے اور ظلم و تعدی کا تعلق زیادتی سے ہے ۔ پہلے جواب کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں وارد ہوا فمن نقص من الواحدۃ فقد تعدی و ظلم ۔ اس حدیث سے اور اسی جواب کی احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ اکثر یہ وضو کیا کرتے ہیں یعنی ہر عضو کو تین تین بار دھوتے تھے رہا اس کا اختصار فقط عادت کا ان تینوں کا فرض و استحباب کا اعتبار کیا مرتبہ ہے ؟ اس میں علماء کے چھ قول ہیں (۱) پہلی مرتبہ دھونا فرض اور ثانی مرتبہ سنت اور تیسری مرتبہ مستحب ہے (۲) پہلا فرض ثانی سنت تیسرا اکمال سنت ہے ۔ (۳) پہلا فرض اور دوسرا و تیسری مرتبہ مستحب ہے (۴) پہلی مرتبہ فرض دوسرا مرتبہ مستحب تیسری مرتبہ نفل ہے (۵) پہلی مرتبہ فرض ثانی مستحب اور تیسری مرتبہ سنت ہے (۶) ابوبکر اسکاف کے نزدیک تینوں مرتبہ فرض ہے ۔

418 ۳ عن عبد اللہ بن المغفل انه سمع ابنه يقول اللهم انى اسئلك القصر الا ابنہ سے مراد ان کے بیٹے نکالے ہوئے ہیں اور مقصد حدیث یہ ہے کہ وضو میں پانی کا اسراف اور اسی طرح دعا میں اسراف نہیں ہے ۔ رہا یہ کہ آپ نے اپنے بیٹے کی اس دعا پر گرفت کیوں فرمائی ؟ جواب یہ ہے کہ چونکہ بعینہ شئی کا سوال تھا جس سے حضور صلی اللہ کا وہم ہوتا تھا جو ہو سکتا ہے کہ وہ بہشت میں کسی دوسرے کیلئے بنا ہو اس سے مقصد ہو سکتا ہے سوال بیقاعدہ تھا اس وجہ سے آپ نے تنبیہ فرمائی ۔ دوسری حدیث کے الفاظ الولهان وارد ہوا ہے جس کے معنی حیرت میں ڈالنے والے اور خود حیرت میں سرگرداں رہنے کے ہیں ۱۲

420 421 عن معاذ بن جبل قال رأيت الخ عن عائشة قالت كانت لرسول الله صلى الله عليه وسلم ۱۷ ۸/۹

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو کے پانی کو خشک کرنا جائز ہے اسکے اندر ہمارا اور شوافع کا اختلاف ہے ہمارے یہاں تو بلا کراہت خشک کرنا اولی ہے اور ہم اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور شوافع کا استدلال دوسری حدیث سے ہے وہ کہتے ہیں کہ خشک نہ کرنا اولی ہے کیونکہ حضرت میمونہ کی حدیث میں ہے کہ حضور غسل فرما چکے تو لائے اور حضور نے اسکے بعد میں نے منیل پیش کیا فلم یردہا آپ نے وہ واپس فرما دیا معلوم ہوا کہ نہ پونچھنا اولی ہے ہم لوگوں نے اسکے مختلف جواب دئیے ہیں اول یہ کہ ممکن ہے کسی وجہ سے آپ نے خشک نہیں فرمایا جو آپکا احد احتمالات میں سے ایک ہے یا ہم محمول کریں جواب ۲ یہ کہ شاید وہ منیل نظیف نہ ہو اس وجہ سے آپ نے رد فرما دیا لیکن یہ جواب بالکل غیر مناسب ہے علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تو نفض وارد ہے اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے نفض فرمایا جسکے معنی پونچھنے کے ہیں خشک کرنا اور پونچھنا وغیرہ میں منحصر نہیں نیز دوسری حدیث حضرت عائشہ کی ہے کہ آپ پونچھتے تھے ہمارا یہی ہمارا استدلال ہے حضرت سلمان کی ایک حدیث مسند احمد میں آئی ہے جس سے حضور کا پونچھنا ثابت ہے لیکن یہ جو کہا گیا ہے کہ عائشہ کی حدیث راوی کی وجہ سے ضعیف ہے اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ ضعاف جب اسکے طرق متعدد ہوتے ہیں تو قوی ہو جاتی ہیں

422 11 الفصل الثالث :- عن ثابت بن ابي صفية قال قلت لابي جعفر هو محمد الباقر

اشکال یہ ہے کہ یہ حدیث ثابت بن صفیہ سے مروی ہے اور یہ رافضی ہے اور یہ لوگ مبتدعین میں داخل ہیں لہذا ان سے حدیث لینا درست نہیں ہے جواب مبتدع دو حال سے خالی نہیں یا تو اسکی بدعت اسکو دین سے خارج کر دیتی ہے یا نہیں اگر خارج کر دیتی ہے تو بالاتفاق غیر مقبول اور خارج نہیں کرتی تو پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ اپنے مذہب کو رواج دینے والا ہوگا یا نہیں اگر ہے تو ناجائز ورنہ جائز ہے لیکن یہاں دیگر طرق متعددہ سے منقول ہے اس حدیث کے معنی میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ آپ کسی وقت تو وضو مرۃ مرۃ فرماتے اور کسی دوسرے وقت میں مرتین مرتین اور تیسرے وقت میں ثلاثا ثلاثا فرماتے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ ایک ہی وضو میں بعض اعضاء کو ایک مرتبہ دھوتے اور بعض کو دو اور بعض کو تین مرتبہ دھوتے۔ دوسری حدیث عبد اللہ بن زید کی ہے اسکے معنی میں بھی دو احتمال ہیں ایک یہ کہ آپ نے وضو فرمایا اور اسمیں اعضاء کو دو دو مرتبہ دھویا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ ایک وضو فرمایا اور پھر دوسرا وضو فرمایا یعنی ایک مرتبہ مستقل مکمل وضو کیا اور پھر دوبارہ کیا معلوم ہوتا ہے هو نور علی نور صاحب مرقات اس حدیث کا ربط ماقبل سے جوڑتے ہوئے فرماتے ہیں کہ 13 ماقبل میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی حدیث میں جو فمن زاد علی ہذا فقد اساء و تعدی

422 ایسا عقیدہ اعتقاد پر مبنی ہے یعنی اگر وہ تین سے زیادہ کا سنت ہونے کا اعتقاد رکھے تو اس نے برا کیا اور ظلم کیا اور اگر اس کا اعتقاد تین سے زیادہ کا سنت ہونے کا نہیں ہے تو پھر وہ اگر زیادتی کرتا ہو تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہے مگر کہ علاوہ ازیں اس حدیث کا تعلق نور علی نور میں داخل ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کیا ہوا وضو تازہ کرے دوسرے وضو بغیر تخلل عبادت کے کرے تو وہ نور علی نور ہے لیکن جاننا چاہئے کہ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ امام شوکانی نے اپنی نیل میں پانچ قول نقل کئے ہیں: ۴۷/۱۳

قول اول :- اگر درمیان میں فرض یا نفل پڑھ لی ہو تب وضو علی الوضوء جائز ہے۔

قول ثانی :- صرف نفل اگر پڑھ لی ہو تو کافی ہے تب وضو علی الوضوء جائز ہے۔

قول ثالث :- جس عبادت کے قصد سے وضو کیا اگر وہ عبادت ادا کی ہو تب جائز ہے۔

قول رابع :- سجدہ تلاوت و شکر، تلاوت قرآن و نماز وغیرہ میں سے اگر کوئی کر لیا تو بھی جائز ہے۔

قول خامس :- امام الحرمین کا کہنا ہے کہ مطلقاً وضو علی الوضوء جائز ہے تخلل عبادت شرط نہیں البتہ درمیان میں اتنا فاصلہ ضروری ہے جتنی دیر میں حدث واقع ہو سکتا ہو۔ حضور نے وضو علی الوضوء کو نور علی نور سے تعبیر اس وجہ سے فرمایا کہ معاصی ظلمات کا سبب ہیں اور جیسا کہ ایک شئی ختم ہوتی ہے تو اس کی ضد کا وجود خود بخود ہو جاتا ہے تو چونکہ وضو سے ازالہ معاصی کا ہوتا ہے تو جیسا معاصی کا ازالہ ہوا تو اس کی ضد یعنی انوارات حاصل ہوں گے اور جیسا جیسا دوبارہ وضو کیا تو نور پر نور حاصل ہوگا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس نور علی نور سے غرہ و تحجیل مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ اجر اعلی الاجر مراد ہے لیکن اس حدیث کا متعلق حافظ عراقی اور علامہ منذری نے فرمایا لم اجدہ لیکن علامہ سخاوی نے ابن حجر سے نقل کیا کہ یہ حدیث موجود ہے اور اسکے اندر ایک راوی رزین ہے۔

424 عن عثمان قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توضأ ثلثا ثلثا وقال ھذا الخ ۱۳

ما قبل میں آپکو امام حلیمی کا مذہب یہ بتلایا تھا کہ انہوں نے کہا وضو امت محمدیہ کا خصائص میں سے ہے اور اس پر اشکال کیا گیا تھا کہ ایک روایت سے حضرت سارہ کا وضو کرنا ثابت ہے نیز اس حدیث سے بھی امام حلیمی پر رد ہو گیا کیونکہ آپ نے فرمایا وضوئی ووضوء الانبیاء قبلی اتنا ضرور ہے کہ ما قبل کی تمام امتوں نے اس طرح وضو نہیں کیا دیکھئے بعض افراد کو اور امت محمدیہ کا ہر فرد کا ہے وضو کرنا ثابت علامہ نووی نے اس حدیث کی تضعیف فرمائی ہے۔

425 عن انس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ لکل صلوۃ وکان الخ ۱۵

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جبتک حدث لاحق نہ ہو اس وقت تک وضو نماز کیلئے کافی ہے۔ اس مسئلہ میں علماء سلف کا اختلاف ہے کہ آیا ایک وضو چند نمازوں کے لئے کافی ہے یا ہر نماز کیلئے وضو ضروری ہے یا نہیں

425

۲۷/۱۵ بعض کا یہ ہے اور داؤد ظاہری کا مذہب تھا کہ اگر وہ آدمی جس کا وضو ہے تو ایک وضو سے چند نمازیں پڑھ سکتا ہے
بلکہ اگر وہ مقیم ہے تو ہر نماز کیلئے وضو فرض ہے — حضرت ابن عمر، ابو موسیٰ اشعری، جابر بن عبد اللہ
وغیرہ سے بھی یہ منقول ہے کہ ہر نماز کیلئے وضو فرض ہے کیونکہ اذا قمتم الی الصلوٰۃ الخ کا تقاضہ یہی ہے
لیکن اکثر علماء کے نزدیک اس وقت تک وضو فرض نہیں جب تک کہ حدث لاحق نہ ہو۔ اور ان کا استدلال
اس بات سے ہے حضرت بریدہ کی حدیث ہے کہ آپ نے فتح مکہ کے دن پہلے وضو فرمایا اور اس سے چند نمازیں پڑھیں
حضرت عمر نے فرمایا کہ آپ نے ایسا فعل آج کیا جو اس سے پہلے نہیں کیا تو دیکھو حضور مسافر تھے اس لئے آپ نے
ایک وضو سے چند نمازیں پڑھیں اور اس سے پہلے مقیم ہونے کی حالت میں ایسا نہیں کرتے تھے۔
رائے جمہور کی دلیل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم آپ کے افعال کو دیکھتے ہیں تو اس کے اندر تخالف ملتی ہے چنانچہ
ایک مرتبہ ابو غطیف نے عبد اللہ بن عمر کو دیکھا کہ وہ ہر نماز کیلئے وضو فرماتے تھے اس نے پوچھا کیا
آپ اسے سنت سمجھتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ اگرچہ ایک وضو کافی ہے لیکن حسنات کیلئے ایسا کرتا
ہوں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ بھی محمول ہے کہ ہر نماز کیلئے آپ پہلے وضو
فرماتے تھے لیکن جب یہ آپ پر شاق گذرا تو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا اور اس کی وضاحت مسواک
کے طور سے ملتی ہے کہ آپ پر مسواک فرض تھی ہر نماز کے وقت۔ آگے اسی مضمون کی حدیث
عبد اللہ بن حنظلۃ الغسیل سے مروی ہے۔ تیسرا جواب دیا گیا کہ ہر نماز کیلئے وضو آپ کے خصائص
میں سے ہے اور یہ حدیث دلیل ہے کیونکہ آپ نے فرمایا و کان احدنا یکفیہ الوضوء۔ مصنف نے
اس حدیث کو معلق فرمایا ہے واللہ اعلم۔ لیکن مصنف کو وہم ہو گیا ہے اسکو بخاری نے روایت کیا ہے
ما قبل میں معلوم ہوا کہ مسواک حضور پر فرض تھی یہ شافعیہ اور مالکیہ کا مذہب ہے لیکن آپ مسواک کو
وضو کے وقت کیا کرتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ یہ من سنن الوضوء ہے نہ کہ من سنن الصلوٰۃ۔ نیز وضو
کے وقت کر لینا نماز کیلئے کافی ہے اور یہی حنفیہ ہے محمد بن یحییٰ بن حبان کی حدیث کا۔ تیسری ۲۰
حضرت ابن عمر کی ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ وضو میں اسراف نہ کرنا چاہئے وان کنت علی نہر جار ۲۲
اس قید کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب نہر سے وضو کرتا ہے تو یہ وہم کرتا ہے کہ اس میں اسراف نہیں ہو سکتا کیونکہ
جو پانی گرتا ہے سب اسی نہر میں جاتا ہے تو اس وہم کو دور فرمایا کہ اس کے اندر بھی اسراف ہے۔

429 عن ابی رافع قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا توضأ وضوء الخ ۲۴
ابن ہبیرہ کتاب الاحکام بیان فرماتے ہیں کہ تحریک خاتم میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک
تحریک خاتم ضروری ہے خواہ غسل کرے یا وضو یا تیمم کرے۔ بعض کے نزدیک اگر تنگ ہو تو ضروری ہے
ورنہ نہیں یہی ہمارے فقہاء کا مذہب ہے۔ بعض کے نزدیک وضو اور غسل میں ضروری ہے اور
تیمم میں صرف تحریک کافی نہیں ہے بلکہ اس جگہ سے خاتم کو ہٹانا ضروری ہے ۱۲

باب الغسل

430 الفصل الاول عن ابی ہریرۃ قال الخ عن ابی سعید قال قال ۲۷/۲۵

ما قبل میں وجہ مناسبت گذر چکی کہ طہارۃ صغریٰ کا حکم اپنا طہارۃ کبریٰ کو ذکر فرماتے ہیں۔ غسل بضم الغین بمعنی الاغتسال ہے اور بفتح الغین معنی مصدری کیلئے اور بکسر الغین ما یغسل بہ کو کہتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور نے فرمایا جبکہ تم میں سے کوئی بیٹھے اپنی شعب اربع کے درمیان اور مشقت میں ڈالے اپنی بیوی کو (جماع کی طرف کنایہ ہے) تو واجب ہے اس پر غسل۔ بین شعبھا الاربع اسکے معنی میں ۲۶ علماء کے مختلف اقوال ہیں غور سے سنیں! (۱) شعب شعبۃ کی جمع ہے ہاتھ یعنی یدین اور رجلین کے ہیں (۲) رجلین اور فخذین مراد ہیں (۳) رجلین ساقین (۴) فخذین اور شفرتین (۵) فخذین اور اسکتین مراد ہے (۶) ساقین اور شفرتین (۷) فرج کے نواحی اربع مراد ہیں۔ قاضی عیاض نے اسکو راجح قرار دیا ہے لیکن علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ اس سے زیادہ یدین اور رجلین یا فخذین اور رجلین زیادہ مناسب ہے اسیطرح علامہ ابن حجر کا میلان معلوم ہوتا ہے۔ علامہ ازہری فرماتے ہیں کہ اسکتین سے مراد فرج کے دونوں گوشے اور شفرتین سے ان دونوں کے کنارے مراد ہیں

وان لم ینزل اس سے معلوم ہوا کہ جماع کے بعد غسل ضروری ہے خواہ انزال ہو یا نہ ہو لیکن علماء سلف کا 26 اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے حضرت عبد اللہ بن عمر۔ ابن عباس۔ جابر۔ ابو موسیٰ اشعری۔ ابی بن کعب زید بن ثابت۔ ابو ایوب انصاری۔ ابو سعید خدری رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک اگر انزال نہیں ہوا تو غسل ضروری نہیں ہے ظاہریہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ حضرت عمر و علی تمام مہاجرین اور تمام فقہاء و محدثین کے نزدیک غسل ضروری ہے خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ صدیقہ اور حضرت عائشہ انکا مسلک بھی یہی ہے۔ پہلے والے استدلال کرتے ہیں حدیث الماء من الماء سے کہ غسل فرض منی سے ہوتا ہے ہماری طرف سے اسکے متعدد جواب ہیں (۱) یہ حدیث منسوخ ہے چنانچہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ حدیث احتلام پر محمول ہے یعنی خواب کی حالت پر مبنی ہے لوگوں نے عموم پر محمول کر لیا جس پر علامہ تورپشتی نے ایک اعتراض کیا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس کو صحیح واقعہ کا علم نہیں دیکھا روایات میں کہ ایک دفعہ حضرت عتبان کے مکان پر تشریف لے گئے اور انکو آواز دی وہ اپنی بیوی کے ساتھ جماع میں مشغول تھے جب باہر آئے اور حضور کو دیکھا تو عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول اگر ایک آدمی اپنی بیوی سے جماع کرے اور انزال نہ ہو تو کیا غسل واجب ہے اس پر آپ نے فرمایا کہ الماء من الماء تو اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث خواب کی حالت کی نہیں ہے بلکہ بیداری کی حالت سے متعلق ہے۔ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ اسکا جواب دیتے ہیں کہ اصل

430 حدیث دونوں حالتوں کو شامل ہے نوم اور یقظہ کو لیکن ابن بطال نے حالت کی تخصیص کر دی تھی اور وہ نوم ہے ۴۷/۲۶
جو ان کے حافظہ میں شدید ہو گیا تھا اس حدیث کے دو جواب ہیں ایک گذر گیا اور دوسرا یہ کہ یہ حدیث
الماء من الماء منسوخ ہے اول اسلام میں یہ حکم تھا لیکن بعد میں جب صحابہ کا اختلاف ہوا تو حضرت
عمر نے تمام صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ تم لوگ باوجود صحابہ ہونے کے اختلاف کرتے ہو اسپر حضرت علی نے فرمایا
کہ یہ بات ازواج مطہرات جانتی ہیں انکی طرف بھیجا جائے اور ان سے حضور کا معمول دریافت کیا جائے چنانچہ
ام المومنین حضرت حفصہ کے پاس گئے انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا اسکے بعد حضرت عائشہ کی خدمت میں
حاضر ہوئے انہوں نے فرمایا کہ غسل واجب ہے چنانچہ اسی پر اجماع ہو گیا متفق علیہ مصنف کو وہم
ہو گیا یہ صرف افراد مسلم میں سے ہے۔ دوسری حدیث حضرت ابو سعید کی ہے جسکی تفصیل اوپر ۲۷
والی حدیث میں گذر چکی ہے البتہ مصنف نے جو صاحب مصابیح پر اعتراض کیا ہے ان الفاظ کا ذکر کر کے اعتراض
کیا ہے ولم اجدہ فی الصحیحین یہ غلط ہے مصنف کو وہم ہو گیا کیونکہ صاحب مصابیح بالتبع ۲۸/۱
غیر صحیحین کی حدیث کو فصل اول میں ذکر کر دیتے ہیں۔

433 عن ام سلمة قالت قالت ام سليم يا رسول الله ان الله لا يستحيي من الحق الخ ۱
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ حضرت ام سلمہ کے سامنے پیش آیا اور ایک دوسری روایت سے
معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ کے سامنے پیش آیا اب اسکے اندر دو احتمال ہو گئے ایک یہ ہی کہ
حضرت عائشہ والا واقعہ غلط ہے ام سلمہ کے سامنے یہ واقعہ پیش آیا ہے اور دوسرا احتمال جسکے
اندر امام نووی بھی ہیں فرماتے ہیں کہ دونوں واقعہ میں جمع کی صورت یہ ہے کہ حضرت عائشہ
اور ام سلمہ دونوں موجود ہوں گی اور ام سُلیم نے سوال کیا ہو گا علامہ ابن حجر اس جمع کی تحسین
فرماتے ہیں ام سلیم حضرت انس کی والدہ ہیں اور انکے نام میں مختلف اقوال ہیں (۱) رُمیلہ -
مُلیکہ - رُمیثہ - غُمیصاء - رُمیصاء - اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو احتلام ہوتا ہے
لیکن یہ حدیث ابراہیم نخعی کے خلاف ہے کیونکہ انکے نزدیک عورتوں کو احتلام نہیں ہوتا۔

ابو العباس قرطبی فرماتے ہیں کہ انکے سوال سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو احتلام قلیل الوقوع ہے
علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ ازواج مطہرات کو احتلام نہیں ہوتا اور دلیل اسپر کچھ نہ بیان فرمائی
البتہ یہ احتمال ضرور بیان کیا کہ چونکہ یہ وساوس اور شیاطین کا اثر ہے اور وہ اثرات شیطانیہ
سے پاک ہیں۔ علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ محض احتمال سے کوئی بات ثابت نہیں ہو گی دلیل
کی ضرورت ہے کیونکہ احتلام کا سبب کبھی اوعیہ منی کا پُر ہو جانا اور کبھی غلط خوراک پیٹ جانا

433 اور دوسرا اعتراض سے بھی محفوظ ہے اور تختلع المرأة الخ میں واو عاطفہ ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے ۲۱/۳
ای ان ہذا لقول کذا و تختلع المرأة الخ۔ اور مسلم شریف کی روایت میں ہے فمن ایھما علا او ۴
سبق یکون منہ الشبہ اور دوسری روایت میں مسلم کے اندر ہے اذا علا ماء الرجل ماء المرأة
اذکر باذن اللہ واذا علا ماء المرأة ماء الرجل آنث باذن اللہ۔ ان دونوں روایتوں کو ملانے سے
چند صورتیں نکلیں گی۔ اول سبق اور علو دونوں ماء رجل کے اندر پائے جائیں تو لڑکا پیدا ہوگا
اور باپ کے مشابہ ہوگا۔ دوم سبق اور علو دونوں ماء مرأة کے اندر پائے جائیں تو لڑکی پیدا ہوگی
اور ماں کے مشابہ ہوگی۔ سوم علو ماء رجل کے اندر اور سبق ماء مرأة کے اندر تو لڑکا پیدا ہوگا
اور ماں کے مشابہ ہوگا۔ چہارم علو ماء مرأة کے اندر اور سبق ماء رجل کے اندر ہو تو اس سے لڑکی
پیدا ہوگی اور باپ کے مشابہ ہوگی۔ پنجم یہ کہ علو کسی کا ہو البتہ سبق ماء رجل کا ہو۔ ششم یہ کہ
علو کسی کا نہیں اور سبق ماء مرأة کا ہے تو یہ دونوں صورتیں ابن قیم کی تقریر میں نہیں چلیں گی کیونکہ
انہوں نے علو کو سبب قرار دیا ہے تذکیر و تانیث کا جیسا کہ اوپر کی چاروں صورتوں سے ظاہر ہے
اور حافظ ابن حجر کی تقریر پر ان چاروں صورتوں کے علاوہ یہ آخر کی دو شکلیں بھی چلیں گی
کیونکہ ان کے نزدیک مطلقاً اذکار و تانیث سبق ماء سے ہے علو ماء سے نہیں۔ پس پانچویں شکل میں
لڑکا پیدا ہوگا اور ماں باپ دونوں کے مشابہ ہوگا۔ اور چھٹی شکل میں مونث پیدا ہوگی اور
دونوں کے مشابہ ہوگی لیکن حافظ کی تقریر صحیح نہیں ہے کیونکہ مسلم کے اندر علو کو سبب اذکار و
تانیث قرار دیا گیا ہے نہ کہ سبق کو ۱۲

435 عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت الخ عن ابن عباس قال قالت میمونة الخ 4 8/5.8

436 حضرت عائشہ اور ابن عباس حدیث دونوں کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ غسل سے پہلے وضو فرمائی۔ اس میں
علماء کا اختلاف ہے کہ وضو قبل الغسل کا کیا حکم ہے۔ داؤد ظاہری کے نزدیک مطلق وضو کرنا ضروری
ہے اور امام شافعی کا نزدیک ایک روایت میں یہ ہے کہ اگر حدث ہے تو وضو ضروری ہے ورنہ نہیں
دوسری روایت امام شافعی کی یہ ہے کہ اگر وضو کی نیت کر لے تو غسل کافی ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ
اور شافعیہ کے نزدیک صحیح مذہب یہ ہے کہ وضو قبل الغسل مسنون ہے اگر وضو نہ کرے تب بھی اتفاقاً
کرے تو غسل وضو کے لئے کافی ہے۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ غسل سے پہلے دھوئے یا غسل کے بعد ایک پاؤں
کو ہٹا کر دھوئے۔ امام محمد امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر پانی اکٹھا ہو جاتا ہو پاؤں کو دھوئے ورنہ
دھولے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک پورا وضو کرے یعنی غسل سے پہلے ہی پیر وغیرہ دھولے
اور دوسرا قول ان دونوں کا یہ ہے کہ اعضاء وضو کو دھوئے اور غسل کے بعد پیر دھوئے۔ اور تیسرا قول

436 طرف امام شافعی کا یہ ہے کہ غسل سے پہلے دھوئے اگر جگہ نظیف ہو ورنہ بعد میں۔ تیسرا قول امام احمد کا یہ ہے کہ پہلے دھونا اور بعد میں دھونا برابر ہے۔ لیکن امام شافعی کا صحیح مذہب یہ ہے کہ پورا وضو کرے اور حنفیہ کا مذہب دلیل صحیح قول یہ ہے کہ اگر مستنقع الماء ہے تو بعد میں ورنہ وضو کے ساتھ رجلین کو دھولے امام شافعی عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ وہ فرماتی ہیں کما یتوضأ کما یتوضأ للصلوۃ اور وضوء صلوۃ میں رجلین فوراً دھوئے جاتے ہیں۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ تشبیہ اکثر اعضاء وضو کے اعتبار سے ہے اور اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ مستنقع الماء پر محمول ہے۔ ۲۸/۸ 6

437 **عن عائشۃ قالت ان امرأۃ من الانصار سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ** ۱۱

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک انصار کی عورت نے حضور سے حیض کا غسل کیسا ہے میں سوال کیا۔ اس عورت کا نام میں اختلاف ہے بعض نے اسماء بنت شکل بفتحتین ضبط کیا اور بعض نے بسکون الکاف ضبط کیا۔ ابوبکر خطیب بغدادی نے اسماء بنت یزید بن سکن ان کا نام بتلایا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اور یہ بات دو طرح کی ہیں بعض روایات مثلاً ابوداؤد میں بغیر نسبت کے ہے اور مسلم میں نسبت کے ساتھ ہے حافظ کا کلام اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ مسلم میں وہ نسبت والی کا ترک ہے تو حدیثیں موجود ہے حالانکہ مسلم میں نسبتاً اور غیر نسبتاً دونوں روایتیں موجود ہیں۔ **ثم قال خذی** بخاری شریف میں لفظ ثم ہے ۱۲ ثم یعنی شارح فادرکیف تغتسل قال خذی۔ علامہ کرمانی شارح بخاری فرماتے ہیں کہ قال اور بیان ہے اس پر علامہ کرمانی نے اعتراض کیا کہ اگر یہ غسل کا بیان ہے ہوگا غسل تو پانی سے ہوتا ہے اور یہاں عورت کو فرصہ کا کہا تو درست نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ دیا کہ البتہ اگر غسل خاص کا سوال کیا ہوگا تو اس غسل خاص غسل کا ہو تو شبہ یا تو حیض سے پاک ہے [illegible] وغیرہ جہاں جہاں خون لگا ہو اس کو مل۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ اعتراض وجواب کرمانی کا ابن ابی جمرہ کا اور دونوں کو لوگوں نے بجا دیا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے مسلم کی روایت نہیں دیکھی وہاں ثم قال ہے اس لئے یہ اعتراض وجواب بے کار ہے فرصہ اس کو بعض نے بضم الفاء ضبط کیا یا ابوداؤد میں قرصہ بالقاف والصاد ہے اور بعض نے قرضہ بضم القاف والضاد المعجمہ ضبط کیا ہے اور بعض نے بفتح القاف والضاد المعجمہ ضبط کیا ہے **مسک** بعض نے بفتح المیم اور بعض نے بکسر المیم ضبط کیا 12 ابوالحسن ماوردی فرماتے ہیں کہ حضور نے غسل کے بعد مشک ملنے کا حکم اس وجہ سے دیا کہ اس کا استعمال درد وجع ہوتا ہے اگر اس سے بچہ پیدا ہوتی ہے دوسرا حمل جلدی ٹھہرتا ہے **سبحان اللہ** آپ اس کلمہ کو ۱۳ بر اظہار تعجب کہتا ہے یہ سوال بھی کوئی سوال ہے کہ اس کو تم نہیں جانتی حاصل کرو اثر الدم علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے کہ قاضی عیاض نے منقح میں بیان کیا کہ اس سے مراد واضح رہے کہ مراد یہ ہے کہ جہاں خون کا اثر ہے وہاں لگایا جائے چنانچہ [illegible] دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے [illegible]

[illegible]

438 عن ام سلمة قالت قلت یا رسول اللہ انی امرأۃ اشد ضفر راسی افانقضہ الخ ٢٨/١٤

ام سلمہ کا نام ہند ہے فرماتی ہیں کہ میں نے حضور سے عرض کیا یا رسول اللہ میں انی امرأۃ الخ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ جمہور رواۃ و فقہاء ضفر بفتح الضاد المعجمہ وسکون الفاء پڑھتے ہیں لیکن ابن بری فرماتے ہیں کہ صحیح ضُفُر بضمتین ضفیرہ کی جمع ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ دونوں کا اعتبار ہے اور جمہور کے تمام علماء و ائمہ کا اتفاق ہے کہ گندھے ہوئے بالوں کا کھولنا ضروری نہیں۔ امام احمد کا بھی ایک قول یہی ہے۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ خواہ غسل جنابت ہو یا غسل حیض کھولنا ہر صورت میں ضروری ہے۔ امام طاؤس، حسن بصری، اسحاق بن راہویہ اور امام احمد کی دوسری روایت یہ ہے کہ حیض میں کھولنا ضروری ہے اور غسل جنابت میں کھولنا ضروری نہیں۔ اور ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ تمام بدن پر پانی کا پہنچانا ضروری اور فرض ہے اور وہ بغیر کھولے پہنچ نہیں سکتا لہذا کھولنا ضروری ہے ہمارا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں صراحۃً حضور نے نفی کرنے کے ذریعہ فرما دیا اور جن لوگوں کے نزدیک حیض میں کھولنا ضروری ہے وہ مسند احمد کی روایت سے جس کے اندر واقع ہوا کہ حضرت عائشہ کو حجۃ الوداع میں حیض آ گیا تھا اس وقت آپ نے غسل کا حکم دیا اور فرمایا کنگھی کرو اور وہ بغیر کھولے ہو نہیں سکتی لہذا معلوم ہوا کہ حیض میں کھولنا ضروری ہے نیز حیض قلیل الوقوع ہے اسکے کھولنے میں حرج واقع نہیں ہوگا بخلاف جنابت کے وہ کثیر الوقوع ہے اسکے اندر حرج واقع ہوگا۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ غسل من الجنابۃ کے بارے میں نہ کھولنے کا حکم تو اس حدیث سے معلوم ہو گیا اور قرآن پاک میں جو حیض سے غسل کا حکم ہے وہ بھی مطلق ہے اس میں کھولنے نہ کھولنے کی قید نہیں ہے۔ اور حضرت عائشہ والی حدیث کا جواب یہ ہے کہ وہ غسل حیض کیلئے نہیں تھا بلکہ نظافت کیلئے تھا کیونکہ اس وقت تک ان کا حیض منقطع نہیں ہوا تھا جو آپ نے غسل کا حکم دیا وہ استحبابی تھا کیونکہ انقطاع حیض سے پہلے کسی کے نزدیک بھی غسل واجب نہیں ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ کیا اس ضفیرہ کے نہ کھولنے میں مرد و عورت تمام برابر ہیں یا فرق ہے؟ اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک مرد و عورت سب برابر ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک مرد کے لئے کھولنا ضروری ہے۔ جو بال گندھے ہوئے رہتے ہیں ان کے بارے میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ شافعیہ کے نزدیک ان گندھے ہوئے بالوں کو دھونا ضروری ہے ایک روایت یہی حنابلہ کی ہے۔ دوسری روایت ان کی یہ کہ واجب نہیں ہے۔ مالکیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو اس وقت وہ بال بندھے ہوئے ہوں گے یا کھلے ہوں گے۔ اگر کھلے ہوتے ہیں تو ضروری ہے ورنہ نہیں۔

١٥ ثم تفیضین اس سے معلوم ہوا کہ دلک ضروری نہیں ہے بلکہ دھونا ضروری ہے امام مالک کا اس میں اختلاف ہے۔

439 ١٥ عن انس قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ بالمد ویغتسل بالصاع الخ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم مد سے وضو اور ایک صاع سے اور کبھی کچھ زائد سے غسل فرماتے تھے۔

439 رہتی اور علماء کا اختلاف ہے کہ آیا وضو اور غسل میں کوئی مقدار معین ہے یا نہیں۔ ابن شعبان مالکی فرماتے ہیں کہ M1/15
غسل میں ایک صاع اور وضو میں ایک مد متعین ہے حنفیہ کی بھی ایک روایت نقل کی گئی ہے۔ لیکن حضرت شیخ نے
اسکی تردید فرمائی اور جمہور اہل علم کے نزدیک کوئی مقدار معین نہیں ہے۔ کیونکہ بخاری میں حضرت عائشہ کی ایک روایت
آئی ہے جس میں ہے کہ حضور اکرم اور میں ایک برتن میں غسل کرتے تھے جو فرق کے برابر ہوتا تھا اور فرق تین صاع کا ہوتا ہے
تو جب دونوں غسل کرتے تھے تو نہ معلوم کسی نے کتنا استعمال کیا۔ ہمارے بعض فقہاء کی رائے ہے کہ ایک مد کتنے
پیمانہ کا ہے۔ صاع اور مد کی مقدار میں اختلاف ہے امام اعظم اور کوفیین کے نزدیک ایک مد دو رطل
کا ہوتا ہے اور صاع چار مد کا لہذا ایک صاع آٹھ رطل کا ہو گیا یہی مذہب ہے حکم بن عتیبہ ابراہیم
نخعی اور دیگر علماء کا۔ ائمہ ثلاثہ اور حجازیین کے نزدیک صاع پانچ رطل کا اور ثلث رطل کا ہوتا ہے
اور دلیل یہ ہے کہ مسلم میں حضرت عائشہ کی حدیث گذر چکی کہ آپ اور میں ایک فرق سے غسل کرتے تھے اور فرق
سولہ رطل کا ہوتا ہے تو اب ۱۶ رطل کو تین صاع پر جب تقسیم کیا جائے گا تو ہر صاع کا حصہ پانچ رطل اور ثلث
آئیگا ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ ایک فرق بسکون الراء ہے جو ایک سو
سو رطل کا ہوتا ہے اور فرق بفتح الراء ۱۶ رطل کا ہوتا ہے تو اب نہ معلوم کونسا فرق مراد ہوگا اور ہمکو
جو کہتے ہیں کہ ۸ رطل ہو اسکی دلیل یہ ہے کہ صحابہ حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں کہ ہمکو ان کے یہاں لے گئے
اور پانی طلب کیا تو ایک برتن منگوایا حضرت عائشہ نے فرمایا کہ حضور اس جیسے برتن سے غسل فرماتے تھے
اور وہ ۸ اور ۹ و ۱۰ رطل کا قریب تھا اور ان تینوں میں ۸ متیقن ہے لہذا ہم نے اسکو لے لیا
اب امام ابو یوسف کا مسلک اختیار کرنا ہے ائمہ ثلاثہ والے کہتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ ہیں اور حنفیہ کہتے
ہیں کہ ہمارے ساتھ ہیں۔ بعض شافعیہ کے نزدیک غسل میں آٹھ رطل دو مد صاع اور زکوۃ میں پانچ رطل

440 عن معاذة قالت قالت عائشة كنت اغتسل انا ورسول الله صلى الله عليه وسلم 14

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ اور حضور اکرم ایک ساتھ غسل کرتے تھے چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں کہ علماء کا
اس بات پر اتفاق ہے کہ میاں بیوی کا ایک ساتھ غسل کرنا درست ہے اسی طرح ایک دوسرے کا بچا ہوا سے
غسل ہو سکتا ہے البتہ عورت کا بچا ہوا پانی سے مرد غسل کر سکتا ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اور حنابلہ کے نزدیک
دو حال سے خالی نہیں یا تو عورت نے خلوت میں غسل کیا ہے یا ساتھ اگر خلوت میں کیا ہے تو اسکو
مرد استعمال نہیں کر سکتا اور اگر جلوت میں اس نے استعمال کیا تو مرد غسل کر سکتا ہے۔ اس مسئلہ کے
متعلق حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ نووی کا یہ کہنا کہ اس بات پر تمام کا اجماع ہے کہ دونوں ایک ساتھ
غسل کر سکتے ہیں غلط ہے کیونکہ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ وہ اس سے منع کرتے تھے
اسی نووی کا یہ کہنا کہ ایک دوسرے کا بچا ہوا پانی سے غسل درست ہے غلط ہے حافظ ابن عبد البر

440 اس سے منع کرتے تھے۔ اور عورتوں کا بچے ہوئے کے بارے میں علماء کا یہ اختلاف ہے کہ اسحٰق بن راہویہ داؤد ۲۸/۱۶
ظاہری امام احمد کا نزدیک اگر غسل خلوت میں ہے تو ناجائز ہے ورنہ جائز ہے۔ سعید بن المسیب حسن
بصری۔ عبداللہ بن سرجس کا نزدیک مطلقاً اس بچے ہوئے پانی سے مرد کو غسل درست نہیں ہے۔
در اصل روایات اس بارہ میں مختلف ہیں بعض روایات سے منع معلوم ہوتا اور بعض سے جواز جیسا کہ
گزشتہ ایک حدیث فصل ثانی میں باب مخالطة الجنب میں ابن عباس کی گزری ہے حضور شریف لائے
اور حفصہ کہنا ہوا تھا ازواج مطہرات میں سے کسی ایک نے عرض کیا اس سے تو میں نے غسل کیا ہے آپ
نے فرمایا کہ ان الماء لا یجنب اور منع کی احادیث بھی آگے آ رہی ہیں۔ نہی ان یغتسل الرجل بفضل
المرأة ایسے ہی الا یغتسل المرأة بفضل الرجل اور یغتسل الرجل بفضل المرأة وغیرہ۔ جو لوگ جواز
کے قائل ہیں وہ اس منع والی احادیث کا جواب دیتے ہیں کہ یہ استحباب پر محمول ہیں کہ مستحب
یہی ہے کہ اسے گرا جائے جو آب مستعمل سے مراد وہ پانی ہو جو اس کے اعضاء سے گرا ہو ہے اس سے
آپ نے منع فرمایا لیکن کلام مذکور سے یہ کہ غسل جائز ہے لان الماء طہور لا ینجسہ شیء۔

441 الفصل الثانی ۔ عن عائشة قالت سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الرجل الخ ۲۸
علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کوئی خواب میں احتلام کو دیکھے اور اٹھنے کے بعد کوئی تری اس کو نظر نہ ہو تو اس پر
غسل واجب نہیں ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ اگر عورت خواب میں دیکھے تو اس پر غسل واجب ہے کیونکہ عورت کی منی اکثر
تک یہ اس کی منی اندر ہی واپس چلی گئی ہو لہذا بغیر تری کے بھی اس عورت پر غسل واجب ہے۔ حنفیہ یہ
فرماتے ہیں کہ یہ صورت بعیدہ ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں اور عورت پر غسل واجب نہیں ہے۔ یہ تو ایک صورت ہوئی۔
دوسری صورت اگر یہ پیش آجائے کہ بیدار ہو کر تری تو دیکھے لیکن اس کو احتلام یاد نہ ہو تو غسل واجب ہے ابن ہمام
نے امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ اگر احتلام یاد نہ ہو تو واجب نہیں ہے۔ تیسری صورت اگر یہ پیش آجائے کہ تری تو
معلوم ہوتی ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ منی ہے یا ودی ہے یا مذی ہے تو اس کی آٹھ صورتیں نکلتی ہیں
(۱) منی کا یقین ہے (۲) مذی کا یقین ہے (۳) ودی کا یقین ہے (۴) مذی یا ودی میں شک ہے (۵)
مذی یا منی میں شک ہے (۶) ودی یا منی میں شک ہے (۷) مذی ودی منی تینوں میں شک ہے یہ صورتیں ہوئیں
پھر یہ سات صورتیں دو حال سے خالی نہیں یا تو ان کو احتلام ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو ان سات صورتوں
میں سے کوئی صورت پیش آجائے تو غسل بالاتفاق واجب ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ مذی یا ودی بھی منی ہی
ہو۔ اور اگر اس کو احتلام نہیں تو منی کی صورت میں غسل واجب ہے اور مذی یا ودی یا تینوں میں شک ہو تو کل صورتوں
میں امام صاحب کے نزدیک غسل واجب نہیں ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر اس کو احتلام نہیں ہے تو اگر مذی اور ودی میں شک
ہو گیا یا مذی اور منی میں یا تینوں میں شک ہو گیا تو احتیاطاً غسل واجب ہے۔ دوسری حدیث بھی حضرت عائشہ
سے روایت ہے جیسا دخول حشفہ ہو جائے تو غسل واجب ہے انزال ہو یا نہ ہو جیسا کہ گزرا ۱۲۔

443 عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحت کل شعرۃ جنابۃ ۲۸/۲۲

اس حدیث سے امام فخر الدین رازی نے حنفیہ کے مسلک کے مطابق ۔ استدلال کیا کہ مضمضہ اور استنشاق
واجب ہے کیونکہ ناک میں بھی بال ہوتے ہیں لہذا اس کے تحت جنابت ہونے کی وجہ سے اس کا دھونا واجب ہے
اسی میں آپ نے بشرہ (کھال) کو صاف کرنے کا حکم دیا اور منہ میں بھی بشرہ ہوتا ہے لہذا مضمضہ بھی واجب ہے۔
ابن بطال نے اس پر اعتراض کیا ہے منہ میں جو کھال ہوتی ہے اس کو بشرہ نہیں کہتے بلکہ اُدُمہ کہتے ہیں لہذا منہ اس حکم
میں داخل نہیں ہے ہمارے علماء نے جواب دیا کہ قرآن میں تطہیر مبالغہ کے ساتھ ہے لہذا جہاں تک ممکن ہو دھویں تب
زیادہ عمل ہو جائے گا۔ اس حدیث کو ابن الجوزی نے موضوعات میں سے قرار دیا ہے **وھو شیخ** [illegible] ۴۳
شیخ کہ معنی کبیر السن کے ہیں ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ توثیق میں سے ہے لہذا کبیر السن کا معنی لینا
صحیح نہیں ہے کیونکہ کبیر کا جو معنی ہیں باعتبار شیخ ہیں اس سے توثیق ضروری نہیں ہے لیکن آگے اس کے لیے ہیں لہذا
یہ بھی متعلق نہیں ہوگا پھر اس کا جواب دیتے ہیں کہ جو کہ الفاظ توثیق مراتب میں شدید ثبت ثبت ۔
ثقہ ثبت حجۃ اور لفظ شیخ سب سے کم درجہ کا لفظ ہے لہذا یہ بھی توثیق کے منافی نہیں ہے نیز دوسرا جواب
یہ ہے کہ ایک ہے عدالت اور ایک ہے حفظ و فہم تو عدالت کے اعتبار سے تو شیخ ہو گیا اور حفظ و فہم کے اعتبار سے نہیں

444 وعن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ترک موضع شعرۃ ۴۳

اس حدیث سے معلوم ہوا تمام اعضاء کو دھونا فرض ہے کیونکہ اس حدیث میں کہا موضع شعرہ کو نہ دھو سکا تو اس
سے وہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اور جہنم میں ڈالنا ترک فرض سے ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ اعضاء کا دھونا
فرض ہے اس حدیث سے علامہ عینی نے سنیت حلق پر استدلال کیا۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ آپ کی سنت
تقریبیہ بھی تو آپ بال رکھتے تھے لہذا حلق کے متعلق سنیت کا قول غلط ہے البتہ حضرت علی کا فعل سے
صرف جواز معلوم ہوتا ہے علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ حلق مکروہ ہے حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی
نے اس قول کو رد فرما دیا کیونکہ حضرت علی کا فعل ہے اور ایسے ہی حضور نے ایک بچہ کو دیکھا کہ اس کے بعض
بال کا حلق ہے اور بعض کا نہیں تو آپ نے فرمایا کہ یا تو تمام رکھنا چاہئے یا تمام منڈوا دو۔ علامہ عینی کے
نزدیک حلق مسنون ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ افضلیت سے ہے ۔ ۱۲

445
446 عن عائشۃ قالت کان الا عنہا قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یغسل راسہ ۲/ ۲۶/۲۷

اس حدیث سے حنابلہ کا رد ہو گیا اور یہ حدیث ان کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک وضو بعد الغسل ضروری ہے
دوسری حدیث بھی حضرت عائشہ کی ہے حضرت شیخ رحمہ اللہ نے اس حدیث سے بذل کے حاشیہ پر استدلال
فرمایا ہے کہ اگر کوئی شیء طاہر پانی میں مل جائے تو اس سے پانی کی طہوریت ختم نہیں ہوتی۔ امام شافعی
فرماتے ہیں کہ جنس ارض سے اگر کوئی شیء مل جائے تو کوئی حرج نہیں ورنہ طہوریت ختم ہو جائے گی۔
اس حدیث سے ان کے خلاف استدلال کیا جا سکتا ہے۔

447 ۲۹/۱ عن یعلی قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلا یغتسل بالبراز فصعد ۔۔

یعلی دو ہیں۔ ایک یعلی بن مرہ اور ایک یعلی بن امیہ۔ مصنف نے مطلق بیان کیا حالانکہ تقیید کا جاننا ضروری تھا صحیح یہ ہے کہ یہ ابن امیہ ہیں۔ چنانچہ امام احمد نے اس حدیث کو مسانید ابن امیہ میں ذکر فرمایا ہے اسی طرح حافظ عسقلانی نے فتح الباری میں تصحیح فرمائی ہے کہ یعلی بن امیہ ہیں۔ یعلی بن مرہ نہیں ہیں۔ انسان یا تو سامنے غسل کرتا ہے یا تنہائی میں۔ اگر سامنے کرتا ہے تو حرام ہے اور اگر تنہائی میں کرتا ہے تو افضل یہ ہے کہ پردہ کر کے نہائے اگرچہ جائز ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تنہائی میں بھی کبھی ننگے غسل نہیں فرماتے تھے۔

448 ۳ الفصل الثالث:۔ عن ابی بن کعب قال انما کان الماء من الماء ۔۔

پہلی حدیث ابی بن کعب کی ہے جو مضمون کے اعتبار سے گزر چکی۔ دوسری حدیث حضرت علی کی ہے جس سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ اگر غسل یا وضو سے کوئی جگہ خشک رہ جائے تو وہیں ہاتھ تر کر لینا چاہئے اعادہ کی

450 ۷ عن ابن عمر قال کانت الصلوٰۃ خمسین والغسل من الجنابۃ سبع مرات ۔۔

نماز کے پچاس فرض ہونے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ لیلۃ المعراج میں آپ پر فرض کی گئی اور آپ کے سوال پر بار بار پانچ کم کر دی گئیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ پہلے انبیاء کرام پر پچاس فرض تھیں لیکن یہ مطلب ذرا غیر مناسب ہے۔ اسی طرح غسل من الجنابۃ کا سات مرتبہ فرض ہونے کے بھی دو مطلب بیان کئے گئے ہیں (۱) پہلے سات کا حکم تھا اور پھر تخفیف کر دی گئی (۲) بنی اسرائیل پر تشدید کے لئے فرض کیا گیا آپ کے سوال پر امت محمدیہ سے معاف کر دیا گیا۔ اب حضور نے ان تمام کی تخفیف کے متعلق ایک ہی رات میں سوال کیا اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ نماز کے متعلق لیلۃ المعراج میں اور باقی کے متعلق بعد میں سوال کیا۔ امام شافعی کے نزدیک نجاست عینی کا ایک مرتبہ دھونا کافی ہے اور حنفیہ کے نزدیک ظن غالب ضروری ہے جو اکثر تین مرتبہ دھونے سے حاصل ہوتا ہے۔ نیز حضور نے استیقاظ کے حکم میں محض وہم کی وجہ سے تین مرتبہ دھونے کا حکم دیا ہے تو یہاں بطریق اولیٰ تین مرتبہ دھونا چاہئے۔

باب مخالطۃ الجنب وما یباح لہ

۴۹/۹ ماقبل میں طہارت کبریٰ غسل کو بیان کیا گیا تھا۔ غسل کا موجب جنابت ہے جن الفاظ سے یہ سبب جنابت ہے اور اس سے بعض لوگوں کو یہ وہم ہوتا تھا شاید اس سے دور رہنا ضروری ہے مخالطت جائز نہیں ہے تو مصنف نے اس وہم کو دور کرنے کے لئے یہ مستقل باب قائم کیا۔ جنبی کو جنبی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ قراءۃ قرآن اور نماز سے دور رہتا ہے نیز اس باب میں جنبی کے دوسرے افعال کا بھی ذکر ہوگا اور حائض ونفساء کے متعلق ذکر اس کے اندر ضمناً واستطراداً ہے۔

الفصل الاول: ـ عن ابی ہریرۃ قال لقینی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا جنب
لقینی میں یہ کہ نسبت حضور ہی کی جانب کی ملاقات تو انکو حضور سے کرنی چاہئے تھی از راہ ادب عملًا لیکن چونکہ
یہ جنبی تھے تو حضرت ابوہریرۃ نے اپنے کو اہل نہیں سمجھا اور سبقت نہ کی تھی کا خود ارادہ نہیں کیا ۔ اس لیے یہ ملاقات
کسی قصد ہوئی بخاری شریف کی روایت سے معلوم ہوا فی بعض طرق المدینۃ فاخذ بیدی حضور نے اسکا
ہاتھ پکڑ لیا اور آپ کی خدمت میں ہو لئے جو آپ بطور تانیس یعنی انسیت پیدا کرنے کے لئے جو آپ کا
معمول ابن حجر مکی فرماتے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ مصافحہ ... ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ مطلب بعید ہے جو نہیں
وارد جملہ ہے مدرسہ ... ہاتھ پکڑ لینا ہاتھ سے مصافحہ کرنا جائز ہے چنانچہ غیر مقلدین کا اصرار ہے
اسی بنا پر کہ مصافحہ ایک ہی ہاتھ سے ہونا ضروری ہے اور حنفیہ کے نزدیک محدثین کے دونوں ہاتھ سے ہو
معمول ... تشمیر ... فرماتے ہیں کہ حدیث میں نہ ایک ہاتھ کا لفظ ہے نہ دونوں ہاتھ کی تصریح کیا ہے
۱۱ اور دراصل یہ ہے ۔ فانسللت انسلال کے معنی آہستہ سے نکل جانا اور چونکہ یہ جنبی تھے اسلئے وہاں سے چپکے
الرحل رحل سے مراد گھر ہے کیونکہ ان کے مکانات مستقل الرحال ہوتے تھے اور کجاوہ کیطرح چھوٹے چھوٹے تھے
اسلئے بیت کو رحل سے تعبیر کر دیا اس سے معلوم ہوا جب کوئی چھوٹا آدمی کسی بڑے کی مجلس میں حاضر ہو تو
پاک صاف ہو کر جائے ۔ بہرحال جب حضور تشریف فرما ہوئے اور صحابہ نے تعجب کیا تو اتنے میں حضرت ابوہریرۃ
غسل کر کے آئے تو حضور نے دیکھا ابھی تو میں نے اسکا ہاتھ پکڑ کر چلا تھا پھر یہاں چھوڑ گیا اسلئے پوچھا کہ
۱۲ این کنت تم کہاں تھے ابوہریرۃ نے پورا واقعہ سنایا حضور نے فرمایا وہ سبحان یہ بھی کوئی اتنا اہتمام کی بات تھی
۱۳ ان المومن لاینجس مومن آدمی حقیقۃً ناپاک نہیں ہوتا ہے ۔ علماء کا اسبات پر اجماع ہے کہ مومن
نجس نہیں ہوتا خواہ اسکو حدث اصغر لاحق ہو جائے یا حدث اکبر اور نماز و قرآن کو بغیر طہارت کے مس
کی ممانعت ایک وصف شرعی کیوجہ سے ہے اور شعائر اسلام کا احترام ضروری ہے اور قرآن و کعبہ
وغیرہ شعائر اسلام میں سے ہے اسلئے احترامًا طہارت کا حکم دیا ۔ ابن حزم ظاہری نے حدیث کے
مفہوم مخالف سے استدلال کیا کہ کافر ناپاک ہے اور قرآن پاک کی آیت سے اپنے دعوی کو مزید واضح کیا
آیا ہے انما المشرکون نجس ۔ لیکن جمہور ائمہ کے نزدیک کافر ناپاک نہیں ہے اور مفہوم مخالف کا
جواب حنفیہ کیطرف سے یہ ہے کہ وہ ہمارے یہاں معتبر نہیں ہے اور اگر تسلیم کر لیا تو ہم پوچھتے ہیں کہ کتابیہ
سے نکاح بالاتفاق جائز ہے تو اگر کسی وقت اسکا پسینہ اسکے شوہر کے بدن یا کپڑے وغیرہ کو لگ جائے تو اسکو
دھونا چاہئے حالانکہ کسی کے نزدیک بھی ضروری نہیں تو معلوم ہوا وہ ناپاک نہیں ہے اب یہ حدیث میں
لفظ مومن کی تخصیص کیوں کی ؟ جواب ۔ چونکہ مومن کا ایمان مقتضی ہے نجاست سے بچنے کی اور دور
رہنے کو بخلاف کافر کا وہ ان چیزوں کی پرواہ نہیں کرتا اور پلیدی میں نجاست سے ... الاعتقاد

46/12

وارد ہے نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کثرت سے وفود آتے تھے اور آپ انکو مسجد میں ٹھیراتے تھے اسی طرح ثمامہ بن اثال کو مسجد کا ایک ستون سے باندھوا دیا تھا۔ ایک مسئلہ یہی درپیش ہے کہ اگر جنبی آدمی کو مسجد میں جانا پڑے تو کیا کرے بعض فقہاء شافعیہ کے نزدیک جائز ہے اور جمہور کے نزدیک ناجائز ہے

452 عن ابن عمر قال ذکر عمر بن الخطاب لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ تصیبہ الخ 13

یہ حدیث امام محمد نے ذکر کیا عبد اللہ ابن عمر کی مسانید میں سے ہے لیکن بعض کے نزدیک حضرت عمر کی مسانید میں سے ہے انہ تصیبہ الجنابۃ 14 اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضمیر حضرت عمر کی طرف راجع ہے انکو جنابت لگ گئی حالانکہ نسائی میں وارد ہوا ہے کہ یہ سوال حضرت عمر نے اپنے صاحبزادے حضرت عبد اللہ کے لئے کیا تھا اور وہ نئے شادی شدہ تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنابت سے سونے سے پہلے وضو کرنا چاہئے لیکن یہ وضو مستحب ہے جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔ داود ظاہری اور ابن حبیب مالکی فرماتے ہیں کہ وضو واجب ہے۔ ابن العربی مالکی نے امام مالک و شافعی کا بھی یہی مذہب نقل کیا لیکن بعض شافعیہ نے اس کی تغلیط کردی۔ حافظ عسقلانی ابن العربی کا قول کی توجیہ فرماتے ہیں کہ ابن حبیب کا قول کا خلاصہ ہے یعنی وجوب کی دو قسمیں وجوب الوضوء اور وجوب السنۃ۔ تو ابن حبیب کے نزدیک اول اور ابن العربی کا نزدیک ثانی مراد ہے۔ دوسری توجیہ یہ کی کہ اس سے تاکید بیان کرنا مقصود ہے۔ علامہ نووی نے کہیں قید بلا وضو سو جانا مکروہ ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ وضو سے شرعی وضو مراد ہے اور اپنے ذکر کو دھونے کا حکم اس لئے دیا کہ وہ موضع نجاست ہے اور نجاست وہیں لگی رہتی ہے ۱۲

453 عن عائشۃ قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان جنبا فاراد ان ینام 15

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب جنبی آدمی کھانا یا سونا کا ارادہ کرے تو اسکو وضو کرنا چاہئے امام محمد نے کتاب الآثار میں فرماتے ہیں اخبرنا ابو حنیفۃ عن ابی اسحق عن الاسود عن عائشۃ قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینام جنبا ولا یمس ماء۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حالت جنابت بغیر وضو کے سونا بھی کوئی حرج نہیں ہے چنانچہ امام محمد کا یہی مذہب ہے تو دونوں حدیثوں میں ابو اسحق کے واسطہ سے حضرت عائشہ کی اس حدیث اور اس حدیث میں تعارض ہو گیا۔ امام ابو داود فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے ابو اسحق کو وہم ہو گیا ہے امام ترمذی نے بھی فرمایا انکو وہم ہے۔ ابن مفوز فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غلط ہے لیکن دوسرے علماء امام بیہقی اور انکے استاد نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ رہا اس حدیث کا مطلب تو اس کے متعلق علماء کی دو جماعتیں ہو گئی ہیں۔ جو لوگ ابو اسحق کو وہم سے محفوظ سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اصل یہ حدیث طویل تھی چنانچہ ابو غسان فرماتے ہیں کہ میں اسود بن یزید کے پاس آیا وہ میرے بھائی اور دوست تھے اور میں نے ان سے کہا مجھ سے وہ حدیث بیان کرو جو تم سے حضرت عائشہ نے بیان کی ہے حضور کی نماز کے متعلق

453 ۷۹/۱۵ جنہوں نے روایت کیا حضرت عائشہ نے فرمایا کہ حضور ایسا ہی فرماتے تھے فکان اذا کانت له حاجة فقضى حاجته ثم ینام ولم یمس ماء ثم اذا استیقظ افاض الماء علی جسدہ وان کان جنبا توضا وضوءہ للصلوۃ ثم نام تو دراصل روایت یہ ہے لیکن یہاں پہلے جملہ میں تو یہ ہے کہ ولم یمس ماء اور دوسرے جملے میں توضا کہا ہے ہمیں اس میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے لیکن اگر حاجت سے پیشاب پاخانہ مراد لیں تو پہلے جملہ کا مطلب ہوگا کہ آپ حاجت سے فارغ ہوکر استنجے کا پانی نہیں لگاتے تھے۔ اور دوسرے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر جنبی ہوتے تو وضو فرماتے تھے اب اس صورت میں دونوں جملوں میں کوئی تعارض نہیں ہے اور اگر حاجت سے وطی مراد لیں اور لم یمس ماء میں ماء سے مراد ماء وضو لیں تو اب دونوں جملوں میں تعارض ہوگا لہٰذا ماء سے ماء غسل مراد لینگے اور اب حدیث کا مطلب ہوگا کہ آپ جب ازواج مطہرات میں کسی کے پاس حاجت پوری فرما لیتے تھے تو غسل نہیں کرتے تھے اور جب جنبی ہوتے تھے تو صرف وضو فرماتے تھے۔ علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ ابو اسحق نے اس حدیث کے پہلے جملہ کو دیکھ کر ولم یمس ماء اور حاجت سے وطی مراد لی تو یہ وہم ان کو ہوگیا ورنہ دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام تقریر اور احتمال اس حدیث میں تو چل سکتے ہیں لیکن دیگر روایات میں اس طرح ہے فکان اذا کانت له حاجة الی اهله قضى حاجته وان لم یکن له حاجة توضا وضوءہ للصلوۃ۔ تو اس اعتبار سے حاجت میں دو احتمال نہیں ہوں گے اب یہاں اس روایت کا مطلب یہ ہے دونوں جملوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ کے نزدیک جو علم ہے دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور دونوں میں تعارض کا دفعیہ اس طرح کرتے ہیں کہ ابو اسحق کی حدیث میں ماء سے ماء غسل مراد ہے۔ امام طحاوی نے دفع تعارض کیا اور فرمایا کہ جو حضرت عائشہ راوی ہیں کہ حضور کبھی ایسا کرتے اور کبھی ایسا کرتے تھے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ وضو مستحب ہے۔

454 ۱۶ عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتی احدکم

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی جماع کرے ایک بیوی سے اور پھر دوسری سے تو بین الجماعین وضو ضروری ہے غسل ضروری نہیں ہے۔ اور دلیل آئندہ حدیث ہے کہ حضور ازواج مطہرات کے درمیان چکر لگاتے تھے اور غسل ایک مرتبہ فرماتے تھے۔ ابن حزم ابن حبیب کے نزدیک دونوں جماع کے درمیان وضو واجب ہے۔ جمہور ائمہ کے نزدیک وضو مستحب ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک مستحب بھی نہیں ہے امام طحاوی فرماتے ہیں کہ بین الجماعین پہلے وضو ضروری تھا لیکن اب منسوخ ہوگئی اور نسخ کی دلیل

۱۷ یہ ہے روایت حضرت عائشہ کی کہ آپ پہلے وضو فرماتے تھے بعد میں منسوخ ہوگئی فلیتوضأ اس سے غسل ذکر مراد ہے جیسا کہ ایک روایت میں فلیغتسل ذکرہ ہے اور بعض کے نزدیک اس سے ہاتھ منہ کا دھونا مراد ہے

۴۹/۱۷

454 ابن ابی شیبہ نے ابن عمر سے بھی نقل کیا ہے اسلئے اس باب میں وضوء للصلوٰۃ وارد ہے جیسا کہ ابن خزیمہ نے اس حدیث
میں وضوء للصلوٰۃ کی زیادتی کی ہے اسلئے دونوں کے درمیان وضوء کا اگر پہلو [illegible] جو [illegible] ابن خزیمہ نے
اضافہ کیا ہے اس حدیث میں کہ فانہ انشط للعود یعنی دونوں جماع کے درمیان جب وضو کر لیگا تو دوسری
دفعہ میں نشاط پیدا ہوگی اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ وضو واجب نہیں ہے فائدہ ۱ نجاست میں تخفیف
ہو جائیگی فائدہ ۲ نشاط پیدا ہوگا ۳ اگر غسل نہیں کرتے تو اس سے فی الجملہ طہارت حاصل ہوگی تو وہ اچھی
فائدہ ۴ جب بعض اعضاء کو دھو لیگا تو ممکن ہے کہ غسل کیلئے بھی طبیعت چل پڑے ۔

455 عن انس قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یطوف علی نسائہ بغسل الخ ۱۸
اس حدیث کے اندر تو ایک غسل پر اکتفاء کو بیان کیا گیا اور اسی باب کی فصل ثالث میں ابو رافع کی
حدیث اس سے الگ ہے فانہ ذات یوم علی نسائہ یغتسل عند ہذہ وعند ہذہ الخ ۔ دونوں میں تطبیق یہ
ہو گیا کہ [illegible] تخفیفاً جواز بیان کیا گیا ۔ فائدہ ۱ اس حدیث کا سیاق الگ ہے فائدہ ۲ اس حدیث کا راوی الگ ہے
فائدہ ۳ ابو رافع کی حدیث میں ذات یوم کی قید ہے یعنی ایک دفعہ ایسا کیا گیا اور اس حدیث کے
اندر مطلق ہے جس سے استمرار کا پتہ لگتا ہے ۔ اعتراض ہوا کہ جب حضور کیلئے باری ضروری تھی تو پھر
ایک ہی رات میں طواف علی نسائہ کیسے کرتے تھے اسکے چند جواب ہیں جواب ۱ امام نووی فرماتے ہیں کہ
ازواج کی اجازت سے ایسا کرتے تھے جواب ۲ بین الدورتین یعنی ایسا کرتے تھے جواب ۳ سفر میں آتے تھے
ایسا کیا ہوگا ۔ جواب ۴ ممکن ہے کہ حجۃ الوداع میں احرام سے پہلے ایسا فرمایا ہو جواب ۵ سفر سے واپسی پر ایسا
کیا ہوگا کیونکہ سفر سے واپس آنے کے بعد دوبارہ باری شروع ہوتی جواب ۶ جمہور حنفیہ اور مالکیہ اور
شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ [illegible] القسم [illegible] حضور کے نزدیک یہ باری رکھنا واجب نہیں تھی صرف احسانا

456 عن عائشۃ قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ عزوجل علی کل الخ ۱۸
اس حدیث کے اندر یہ شبہ ہوتا ہے کہ جنبی کو بھی ذکر اللہ جائز ہے ۔ اسلئے کہ اس حدیث سے معلوم
ہوا کہ آپ ہر وقت ذکر اللہ کرتے تھے اور ماقبل میں گذر چکا ہے کہ بیت الخلاء میں آپ ذکر اللہ نہیں کرتے تھے ؟
جواب ۱ علی کل احیانہ سے اکثر احیان مراد ہے جواب ۲ یہ ذکر قلبی کو بھی شامل ہے اور بیت الخلاء
میں ذکر قلبی فرماتے تھے یہ جواب ہے جبکہ احیانہ کی ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف راجع کی جائے اور اگر
ذکر کیطرف راجع ہو تو [illegible] والا جواب ہے جیسا کہ علامہ سندھی نے ابن ماجہ کے حاشیہ پر تحریر فرمایا ہے [illegible]

(الفصل الثالث) ۲۰

457 458 459 460 461 عن ابن عباس ۱ ۔ عن عائشۃ ۲ ۔ عن علی ۳ ۔ عن ابن عمر ۴ قال قال الخ
ابن عباس کی حدیث میں بعض ازواج سے حضرت میمونہ مراد ہیں ۔ دوسری حدیث حضرت عائشہ کی جس سے
یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ جنب سے مصافحہ اور مخالطہ جائز ہے ۔ تیسری حدیث حضرت علی کی [illegible]

460 مروی ابن عمر کی ہے جن دونوں سے یہ معلوم ہوا کہ جنبی اور حائضہ کیلئے قراءۃ قرآن جائز نہیں ہے چنانچہ اکثر ٤٩/٢٠
اہل علم کا اسی پر اجماع ہے لیکن ابن حزم ظاہری کے نزدیک جائز ہے اور انہوں نے اپنا مذہب سعید بن جبیر
اور سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے اور ائمہ اربعہ ان دونوں حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔ ابن حزم کہتے
ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صالح للاحتجاج ہے۔ حائضہ کے بارے میں علماء
کا اختلاف ہے ثلاثہ کے نزدیک بغیر طہارت کے جائز نہیں۔ امام مالک کی ایک روایت یہی ہے اور
دوسری روایت ان کی یہ ہے کہ جائز ہے کیونکہ حیض کی مدۃ مدیدہ تک باقی رہتا ہے اور اس صورت میں
وہ بیشمار فضیلتوں سے محروم ہو جائیگی بخلاف جنبی کے۔ حنفیہ کی ایک روایت یہ کہ قلیل بقدر آیۃ
اور دوسری روایت قلیل نصف آیت پڑھ سکتی ہے اور ایک روایت ائمہ ثلاثہ کے ضمن میں آئی جس کی ٢٦
کہ مطلقاً قراءۃ قرآن جائز نہیں ہے **لیس الجنابۃ** یہاں الف لام عہد کا ہے چنانچہ ابن حبان کی روایت
میں اس کا واضح ہوا ہے اس لئے آپ نے اکل لحم اور ضیافت کا ذکر فرما کر اشارہ کر دیا اس لئے کوئی جس
گوشت کھانے کے بعد وضو ضروری نہیں ایسے ہی اکل لحم کے بعد وضو ضروری نہیں ہے۔

462 **عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجهوا هذه ال** ٢٧
یہ حدیث یہاں مختصر مصنف نے ذکر کی ابوداؤد میں یہاں تفصیل سے ہے یہ حدیث گذر چکی جس کا خلاصہ یہ کہ حضور
نے ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے اور دیکھا کہ صحابہ کے دروازے مسجد کی طرف کھلے ہوتے ہیں تو انہیں منتقل
کرنے کا حکم فرمایا۔ دوسرے دن پھر تشریف لائے اور تیسرے دن جب منتقل نہ ہوئے تو یہ حدیث آپ نے بیان فرمائی
تو یہ اعتراض ہوگا کہ گھر والوں کو کیسے منتقل کیا جا سکتا ہے رستہ جو ان کا تھا اس کا خلاصہ یہ کہ مضاف محذوف ہے
ای وجهوا ابواب هذه البيوت۔ آگے آپ نے فرمایا نہیں حلال ہے مسجد حائض اور جنبی کیلئے۔ اس مسئلہ
میں بھی علماء کا اختلاف ہے امام ابوداؤد اور علامہ مزنی کہتے ہیں کہ مسجد میں حائض اور جنبی کو آنا
جائز ہے اور امام احمد، اسحق بن راہویہ کے نزدیک حائض کا آنا جائز نہیں البتہ جنبی اگر وضو
کر کے آئے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ امام صاحب اور امام مالک کے نزدیک مطلقاً دونوں کا آنا ناجائز ہے۔
امام شافعی کے نزدیک دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ ٹھہرنے کیلئے مسجد میں داخل ہوتا ہے یا گذرنے کیلئے اول
ناجائز اور ثانی جائز ہے کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا یا ایہا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوۃ الی قولہ ولا جنبا الا
تو صلوۃ سے مراد امام شافعی کے نزدیک مسجد ہے بقدر مطلب ہوگیا کہ مسجد کے قریب مت جاؤ اور جنبی جائے
تو گذر جائے رستہ کے طور سے۔ لیکن ابن عباس کے نزدیک صلوۃ سے اس کے حقیقی معنی مراد ہیں۔ ایسا ہی یہ
مسافر کا ہے۔ ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ جب اس کے حقیقی معنی مراد لینا ممکن ہے تو معنی مجازی کی طرف
رجوع کی ضرورت نہیں ہے نیز حتی تعلموا ما تقولون قرینہ ہے الفاظ اس سے مسجد مراد نہیں۔ اور یہ حدیث بھی
ہمارا استدلال ہے کیونکہ آپ نے مطلقاً حائض و جنب کو منع فرمایا اور کوئی تفصیل یا استثناء نہیں فرمایا ہے۔

463 عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم // عن عمار بن یاسر قال قال // ٥/٢/٣

اس حدیث کو بھی مصنف نے مختصر ذکر فرمایا دوسری جگہ یہ حدیث مطول ہے کہ ایک بار حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنے کا وعدہ کیا تھا لیکن نہیں آئے۔ چند دن کے بعد حضور نے وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے فرمایا آپ کے گھر میں جو ایک کتا ہے اور چونکہ اس لیے ہم نہیں آتے [illegible] دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن یا حسین کا پلا تھا [illegible] گھر میں تھا۔ حضور نے اس کے نکالنے کا حکم فرمایا اللہ علماء نے ان تینوں چیزوں کو مستثنیٰ کیا ہے [illegible] جانور کی حفاظت کے لیے [illegible] شکار [illegible] کتا پالا جائے۔

2 فیہ صورۃ: اس سے ذی روح کی تصویر مراد ہے غیر ذی روح کی تصویر اس وعید میں داخل نہیں ایسی وہ تصویر جو علی سبیل الاہانت ہو۔

2 ولا جنب: اس سے مراد وہ جنبی ہے جو غسل میں سستی کرتا ہو جنبی کو غسل کی فوراً ضرورت نہیں [illegible] اگر وضو کر لے [illegible] وضو یا تیمم [illegible] نہیں ہوتی [illegible] بغیر غسل کے رہنے کی اجازت ارشاد فرمائی [illegible] نہیں ہوتا [illegible] علماء نے مختلف جواب [illegible] یہ حدیث اس شخص کے لیے ہے جو عادتاً فوراً غسل نہ کرے [illegible] اس شخص کے لیے [illegible] کبھی بھی غسل نہیں کرتا۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں الملئکۃ سے مراد [illegible] رحمت ہیں۔ دوسری حدیث حضرت عمار بن یاسر کی ہے جو گزشتہ احادیث میں بھی مذکور [illegible]

465 عن عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم ان فی الکتاب الذی // 50/4

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر طہارۃ کے قرآن کو چھونا جائز نہیں ہے چنانچہ حضرت حکم، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، قاسم بن محمد بن ابی بکر کے نزدیک محدث کے لیے قرآن پاک کا چھونا جائز نہیں ہے یہی مذہب ائمہ اربعہ کا ہے۔ داؤد ظاہری، ابن حزم، سعید بن المسیب وغیرہ کے نزدیک مس قرآن بلا طہارۃ جائز ہے۔ یہ تمام مسئلہ [illegible] ہے جبکہ بغیر غلاف کے مس ہو اور اگر غلاف کے ساتھ مس ہو تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے اور شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ ہمارا استدلال یہ حدیث اور قرآن پاک کی آیت ہے لا یمسہ الا المطہرون۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ بغیر طہارۃ کے مس جائز نہیں ہے [illegible] لا یمسہ الا المطہرون میں ضمیر لوح محفوظ کی طرف راجع ہے اور مطہرون سے ملائکہ مراد ہیں [illegible] اس سے استدلال کیسے درست ہے؟ جواب [illegible] لوح محفوظ کو چھونے کی علت [illegible] ہونا تھا اور وہ علت یہاں بھی موجود ہے اور مصحف [illegible] ہمارے نزدیک [illegible] صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ثابت ہے کہ وہ اپنے بچوں کو غلاف کے ساتھ دیتے تھے۔

466 عن نافع قال انطلقت مع ابن عمر فی حاجۃ فقضی ابن عمر حاجتہ // 50/6

یہاں یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طہارۃ کے [illegible] جواب دیا [illegible] استحباب [illegible] التیمم [illegible]

466 کی حالت میں سلام کرنا جائز نہیں ہے اور سلام کا جواب دینا بھی بعض علماء کے نزدیک واجب نہیں ہے 50/6
کیونکہ اس نے غیر محل میں سلام کیا اور بعض کے نزدیک جواب دینا چاہئے کیونکہ آپ کی سیرت سے ثابت ہے
اور استنجاء کے وقت سلام کرنے کو بھی ہمارے فقہاء نے جائز قرار نہیں دیا۔ دوسری حدیث حضرت جابر
بن قنفذ کی ہے جو پہلی کے مثل ہے مع احتیاج الی الشرح کم۔

الفصل الثالث:۔ اس فصل کی کلام کے اندر مسائل کا اعادہ ہے اور ان کے اختلاف کا اعادہ ہے 12
گذر چکی ہیں اسلئے یہاں صرف فروعات سے ان کو بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ کی حدیث کی تشریح
فصل میں گذر چکی۔ دوسری حدیث کے متعلق توضیح سنئے!

469 عن شعبة قال ان ابن عباس كان اذا اغتسل من الجنابة يفرغ بيده 13
اس حدیث سے سمجھ میں آتا ہے کہ نجاست کو سات مرتبہ دھونا چاہئے۔ ملا علی قاری نے امام احمد
نقل کیا ہے کہ نجاست کو سات بار دھونا ضروری ہے۔ جمہور کے نزدیک تین مرتبہ اور امام شافعی کے
نزدیک صرف ایک مرتبہ دھونا کافی ہے۔ امام شافعی کا استدلال حضرت ابن عمر کی حدیث سے جو فصل میں
گذر گئی ہے کہ پہلے پچاس نمازیں فرض تھیں اور سات مرتبہ غسل ثوب وغیرہ تھا اور اب ایک مرتبہ ہو گیا
امام احمد کی دلیل یہی حدیث ہے اور ہماری دلیل حضرت ابوہریرہ کی صحیح حدیث بخاری و مسلم میں ہے کہ اذا
استیقظ احدکم من منامہ الخ جو پہلی فصل میں بھی گذر گیا اور اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ
ہو چکی خبر عبداللہ بن عباس کو نہیں پہونچی جو آپ کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عباس سے بیان
احتیاطاً کا درجہ باقی رہتا ہے جو آپ کا تیسرا جواب اس کا راوی شعبہ ہے جس کے متعلق ابن حبان نے کہا ہے کہ روی عن
عبداللہ ما لا اصل لہ۔ جو آپ کا چوتھا جواب یہ ہے کہ پہلا محمول ہے بعض اشخاص کا جواب بن سکے لیکن اس پر اعتراض وارد
ہو سکتا ہے کہ یہ تو تحریک کی حقیقت کا دوری میں ہی ہے ابتداء اسلام پر ان کی حدیث کو محمول کرنا صحیح نہیں ہے

لا اُعَمِّرُ لك: اس میں دو مطلب بیان کئے گئے ہیں (۱) ایک تو یہ لفظ ہے یعنی جیسا کہ ان کی تربیت بغیر اللہ کی نہیں 15
ہوتا ایسے ہی تو بھی تربیت یافتہ نہیں ہے (۲) یہ جملہ بھی قرینہ کی طاقت سے ترحم کیلئے ہوتا ہے اور کبھی نفرت
کیلئے۔ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ یہاں نفرت کیلئے ہے اور ترحم پر قرینہ ہے ثم توضأ وضوءه للصلوٰة
غسل سے پہلے وضو کے متعلق فصل میں بھی گذر گیا۔ احناف کے یہاں اس کے متعلق تین قول ہیں (۱) وضو میں رجلین
کو غسل کے بعد دھوئے (۲) غسل سے پہلے ہی وضو کامل کرے (۳) اگر وہ جگہ مستنقع الماء ہے تو بعد میں ورنہ
پہلے ہی دھوئے۔ ہمارا پہلا قول امام احمد کی ایک روایت ہے اور ان کی دوسری روایت ہمارا دوسرا قول ہے
اور یہی امام شافعی کا مشہور قول ہے اور امام مالک کا مذہب ہمارا تیسرا قول ہے۔ ایک قول امام احمد
کے نزدیک یہ ہے کہ دونوں برابر ہیں۔ ان کے متعلق محقق ابن قدامہ حنبلی نے اپنی مغنی میں کہا کہ امام احمد نے توسع

50/15 محمول کیا ترجیح نہ دیا گیا۔ فائدہ: چونکہ جنب کا تعلق دو قسم کا ہے اور ان کا جمع ہو جاتی ہیں تو جس میں محمل کی ایک 469
16 سامنے ہے۔ فلہذا استمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکھنا اور ایسے مجموعہ سے بھی اپنا ہاتھ اور فرج کو ساتھ
مرتبہ دھونا اور پھر وضو کرنا اور افاضۃ الماء کا اور دوسرا احتمال الکل مشترا ہیں۔ چونکہ وضو توفی کا اور
اغتسال ہے اول صورت میں اس حدیث کا جواب دیا جائیگا کہ یہ نسخ سے پہلے کا واقعہ ہے اور دوسری صورت
میں جواب اور عزیمۃ کی ضرورت نہیں ہے۔

50/16 **عن** ابی رافع قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طاف ذات لیوم علی الخ 470
اس حدیث کے متعلق ماقبل میں گزر گیا ہے اس حدیث میں اور حضرت انس کی حدیث میں تعارض معلوم ہوتا ہے
اور ایسی صورت میں دو چیزیں ہوتی ہیں ایک مسلک الترجیح اور ایک مسلک التوفیق۔ امام ابو داود نے
مسلک الترجیح اختیار کیا اور پہلے حضرت انس کی حدیث کو نقل کرکے دوسرے حضرت ابو رافع کی حدیث نقل
فرمائی اور فرماتے ہیں کہ حدیث انس اصح۔ اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جس کے متعلق محدثین فرما دیں کہ
یہ اصح وہ معمول بہا اور دوسری حدیث متروک ہوتی ہے۔ اور مسلک التوفیق وہ اول جو جواب ہو سکتے
ہیں اسمیں سے بعض کا تفصیل بیان گزر چکی ہے۔ وہاں ایک اعتراض کا یہ جواب منقول ہے جو جواب ہی
اسی سے متعلق ہے۔ ساتواں جواب قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی نے دیا کہ یہ خصائص میں سے ایک
ساعۃ کیلئے ہوا تھا اور وہ ساعۃ عصر کے بعد تھی یا غروب کے بعد تھی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ جواب
غریب ہے اسی نیل الاوطار میں کہا ہے کہ مسلم میں صراحۃ آیا ہے کہ یہ ساعۃ جمیع ازواج کیلئے نہیں تھی جیسا
رکھی گئی تھی یہ عصر کے بعد کی ساعۃ تھی لیکن یہ قول مستند نہیں ہے۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس سے طہارۃ
باطنیہ کی طرف اور اطہر سے طہارۃ ظاہری کی طرف اشارہ فرمایا ہے اسیمیں لفظ [illegible] سے تنظیف کی
طرف اور تطییب کی طرف اشارہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو طہارۃ باطنی و ظاہری کے اور حصول اخلاق رذیلہ
سے بچنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

50/18 **عن** الحکم بن عمرو قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یتوضأ الخ 471
اس کے متعلق ماقبل میں یہ تفصیل گزر گیا کہ کس کا جھوٹا کیسا ہے اور اس کا کیا حکم ہے۔ لہذا اس عورت کے جھوٹے
وارد ہے کیونکہ آگے قال بسؤرها او [illegible] یہ جو شبہ ہے [illegible] یہ راوی کا شک ہے [illegible] بالاتفاق [illegible]

20 **عن** حمید الحمیری قال لقیت رجلا صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربع 472
ملا علی قاری نے [illegible] سے نقل کیا کہ لقیت رجلا میں رجل کا مصداق میں تین قول ہیں (۱) حکم بن عمرو
(۲) عبداللہ بن سرجس (۳) عبداللہ بن مغفل لیکن مشہور یہ ہے کہ [illegible] ابو ہریرہ ہیں لیکن
یہ غلط ہے۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ انکا نام معلوم نہیں ہو سکا اور جہالۃ صحابی کی ضرورت نہیں

50/21 تینوں سے مروی ہیں اسلئے احناف نے ترجیح دی شاہ ولی اللہ نے اسکا ذکر دیتے ہوئے اربع سنین نکالا 472
شریف کی ابتدا میں جبکہ تین سال تک میں خفیہ رہا اور علم یہ ان سالوں میں بہت خفیہ تھا
اسکے بعد علانیہ تبلیغ کیا (۱) تین سال والی روایت میں النبوۃ کے ان ایام کو شمار نہیں کیا جو
حضور کو استتار میں گذرے ہیں (۲) اس سے مشہور المحدثین قرار دے یعنی ایک سال کو ہی ترک دیا گیا کیونکہ
ہوا اور پھر ہمیشہ مشتغل ہو جانا ہوا وہ تین سال رہا (۳) چونکہ تین سال علم پر جو یعنی رہے انکو
بیان کیا جیسا خود بھی النبوۃ کا رشتہ تو میں کر دی ہے۔ منہ صحیح یہ ہے کہ آپ چار سال حضور کی خدمت
میں رہے ہیں اور یہ اصح ہے کیونکہ آپ خیبر کے موقع میں اسلام لائے اور حضور کی وفات صحیح
قول کی بنا پر ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی ہے زاد مسلم یہ صحیح نہیں ہے بلکہ یہ راوی کی زیادتی ہے
50/22 **ولیغلزوا جمیعًا** جمیعًا کی قید سے سمجھ میں آتا ہے کہ دونوں ایک ساتھ چلو میں اور آگے
پیچھے چلو میں تو جائز نہیں ہے اسکا جواب دیا یہ نہیں ہے **ان یمتشط احدنا** کنگھی کا
متعلق بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ روزانہ جائز ہے اور بعض روایات سے معلوم
ہوتا ہے ایک دن چھوڑ کر کرنا چاہئے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ اشخاص کے اعتبار سے ہے اگر کسی کا بال
بیشتر کمال ہوئے ہیں تو روزانہ ضروری ہے اور اگر کم ہیں تو ناغہ کرنا چاہئے۔

باب احکام المیاہ

50/24 ما قبل میں حدث اصغر اور حدث اکبر کو بیان کیا تھا اور باب مخالطۃ الجنب کا بیان حیضا و استحاضۃ
کر دیا گیا تھا۔ اور چونکہ حدث اصغر و اکبر میں پانی کی ضرورت پڑتی ہے اور کبھی اسکا اور پانی کا
جو رہنے سے احکام متعلق رہتے ہیں اسلئے یہاں سے اسکے احکام کو ذکر کرتے ہیں
24 **الفصل الاول** عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایبولن احدکم 474
الذی لا یجری علامہ نووی کے نزدیک یہ صفۃ کاشفہ ہے۔ بعض کے نزدیک یہ صفۃ کاشفہ نہیں ہے
بلکہ صفۃ احترازیہ ہے۔ ابن الانباری کا فرمانا ہے کہ الدائم اضداد میں سے ہے اسکا معنی جیسا ساکن
کا آتا ہے ایسے ہی اسکے معنی دائر (چکر لگانے والے) کا بھی آتا ہے تو یہ جملہ لگا کر اشارہ کر دیا
25 کہ یہاں دائم کا معنی ساکن کا ہے **لایبولن احدکم** علماء احناف کا اجماع ہے کہ بالقصد پانی میں پیشاب
کرنا ناجائز ہے ایسے ہی حکم پاخانہ کا بھی ہے نیز اگر کوئی شخص پیشاب اپنے کسی برتن میں کر کے پانی
میں گرا دے یا پانی میں ڈالدے تو بھی ناجائز ہے۔ لیکن داود ظاہری ابن حزم وغیرہ کے نزدیک یہ حکم خاص
صرف اپنے پیشاب تک ہے نیز اگر کسی دوسرے کا پیشاب کوزہ میں لیکر پانی میں ڈالدے ایسے ہی پاخانہ
ڈالدے یا کنارے پر پیشاب کیا اور بہتے بہتے پیشاب چلا گیا تو ان تمام صورتوں میں انکے نزدیک جائز ہیں کیونکہ

474

50
25

25

حضورﷺ نے صرف یہ فرمایا کہ تم میں سے کوئی پیشاب نہ کرے لہٰذا باقی چیزوں کو کیسے ناجائز کہہ سکتے ہیں۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ مجزوم علی النہی پڑھنا غلط ہے ثم یغتسل فیہ۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یغتسل رفع ہی ثابت ہے اور یہی یغتسل ابن ہشام وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے۔ ابن مالک شارح الفیہ کے نزدیک جزم بھی جائز ہے اور لایبولن پر عطف ہوگا۔ ابوالعباس قرطبی فرماتے ہیں کہ جزم جائز نہیں ہے کیونکہ اسکو بھی لایبولن کی طرح نون تاکید کے ساتھ ذکر فرماتے جبکہ یہاں حضورﷺ نے احکام کا ذکر کیا ہے اور حکم کو پیشاب پر ختم فرما چکے کیونکہ اس میں لوگ غسل کریں گے تو اگر تم نے پیشاب کیا تو اس کے ذریعہ اسکو ناپاک کردیا تو بعض اوقات کسی کو سخت ضرورت ہے تو وہ بھی ناپاک ہوگا۔ حافظ عسقلانی۔ علامہ قرطبی کا قول کو رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اگر ایک کو نون تاکید کے ساتھ لایا گیا ہو تو دوسرے کو بھی نون تاکید کے ساتھ لایا جائے۔ علامہ ابوالعباس قرطبی کے نزدیک نصب بھی جائز نہیں ہے کیونکہ ان ناصبہ واو یا فاء کے بعد مقدر ہوتا ہے اور یہاں ثم ہے۔ ابن مالک کے نزدیک منصوب پڑھنا بھی جائز ہے اور ثم واو جمع کے معنی ہوگا۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ ثم کو واو جمع کے معنی میں لینا جائز نہیں ہے کیونکہ منصوب پڑھنے میں نہی ہوگی جمع بین البول والغسل کی اور لازم آئیگا کہ ہر ایک کا افراد جائز ہے حالانکہ وہ بھی ناجائز ہے۔ علامہ ابن دقیق العید مالکی فرماتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک ہی حدیث سے تمام احکام سمجھ میں آجائیں اگر اس حدیث سے صرف جمع کی ہی نہی معلوم ہوگئی لیکن ناجائز ہے۔ افراد کی نہی دوسری حدیث سے ثابت ہے۔ ابن ہشام نے امام نووی پر ایسا ہی اعتراض کردیا کہ ابن مالک نے ثم کو واو جمع کے معنی میں لیا ہے وہ صرف اس اعتبار سے لیا ہے جس طرح واو کے بعد ان مقدر ہوتا ہے ایسے ہی ثم کے بعد بھی ان مقدر ہے یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک کا نہی میں دونوں شریک ہیں بلکہ جسطرح واو جمع کیلئے ہے ثم سے بھی جمع سمجھ میں آئیگا۔ اور اگر ہم تسلیم کریں تب بھی اس سے یہ مفہوم ہوا کہ اکیلا افراد جائز ہے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ ابوداؤد کی روایت میں صراحۃً منطوق ہے کہ افراد بھی منع ہے لہٰذا اسکے منطوق کو اسکے مفہوم پر ترجیح ہوگی۔ اس حدیث پاک سے علامہ عینی حنفی شارح بخاری امام ابویوسف وغیرہم کا مسلک ثابت کیا کہ ماء مستعمل نجس ہے کیونکہ اگر یہ اس پانی کو جس میں پیشاب کیا جائے اور اس پانی کو جس میں غسل کیا جائے ایک ہی قرینہ میں کردیا جسطرح پانی میں پیشاب کرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے ایسے ہی اس میں غسل سے ناپاک ہوگا اور اس طریق کا نام دلالۃ القران ہے لیکن اس پر اعتراض وارد کیا کہ حنفیہ کے مذہب سے تو یہ استدلال فرمایا یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ دلالۃ القران ضعیف ہے انکے نزدیک وجوہ فاسدہ میں سے ہے نیز دلالۃ القران سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر چیز میں برابر ہوں تاکہ جس حکم کی اور

برابر ہی ہو گئی جا سکے بشرطیکہ یعنی عنہ تو دونوں ہی ہیں لیکن وہ پانی جس میں پتہ ڈالا گیا ہے وہ بہتا ہو تو جب
وہ پاک ہو گیا اور اس کے اندر غسل سے مانع نہ رہا ہو جب سے وہ بول سے ناپاک ہو گیا۔ ماء مستعمل میں علماء کا
اختلاف ہے نیز امام زفر کی اور امام مالک و شافعی و احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ الماء طاہر و مطہر
کیونکہ وہ ان کا پانی ہی ہے وَاَنزَلنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا۔ اور طہور فعول کا وزن ہے جس کے معنی ہیں مکرر
کرنے کے ہیں طہور کے معنی ہیں جس سے بار بار پاک کیا جائے اور یہ جب ہی ہوگا جبکہ اس کو دھویا جائے
امام احمد کی دوسری روایت اور امام شافعی کی ظاہر روایت اور بعض کا قول یہ ہے کہ طاہر غیر مطہر ہے کیونکہ
حضور نے پانی میں غسل سے منع فرمایا اور اس میں نقصان ہے اگر وہ پاک ہوتا تو اس سے منع نہ فرماتے اس سے معلوم
ہوا کہ مطہر تو ہے نہیں البتہ طاہر ہے کیونکہ اگلی حدیث حضرت سائب بن یزید کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت
نے وضو فرمایا اور وضو سے تو وہ پانی قرار دے ہے جو اعضاء وضو سے گرا ہے یا وضو کا بچا ہوا پانی قرار دے ہے
تو دوسری صورت میں چونکہ وضو کرتے وقت پانی کے قطرات برتن میں گرتے رہتے ہیں اس لئے وہ بھی ماء مستعمل ہوا ہے
اور جس برتن کا پینا جائز ہو گیا تو طاہر ہونا بھی دلیل بن گئی ہے ابن بخاری میں باب استعمال
فضل الناس کا انعقاد کیا ہے حدیث حضرت محمود بن ربیع کی لائے ہیں آپ کا وضو کا بچا ہوا پانی صحابہ
حاصل کرتے تھے تو وہ پانی مبارک تھا پھر آپ نے حضرت عائشہ کی حدیث کا تعلق میں کہ میں اور آپ دونوں ایک ہی برتن
میں غسل کرتے تھے۔ تیسرا قول ماء مستعمل کے بارے میں امام زفر کا ہے اگر اس کو استعمال کرنے والا
طاہر ہے یا نہیں۔ اگر پہلے سے وہ طاہر ہے تو وہ ماء طاہر و مطہر ہے اور اگر وہ استعمال کرنے والا پہلے
سے طاہر نہیں تھا تو وہ طاہر غیر مطہر ہوگا کیونکہ پہلی صورت میں نجاست دور کرنا مقصود نہیں تھا اس پانی میں
نہیں آئی اور دوسری صورت میں اس کے اندر نجاست آ گئی اس وجہ سے مطہر نہیں ہوتا۔ چوتھا مذہب امام
ابو یوسف کا ہے کہ وہ نجس ہے نجاست خفیفہ کیونکہ علماء کے نزدیک اگر علماء کا اختلاف ہو جائے تو اس کے حکم میں
خفت پیدا ہو جاتی ہے ورنہ یہ غلیظ نجاست تھی اختلاف کی وجہ سے خفیفہ ہو گئی۔ پانچواں قول یہ
ہے کہ نجس نجاست غلیظہ ہے امام حسن بن زیاد کی ایک روایت ہے امام صاحب سے اور وہ قیاس کرتے ہیں
نجاست حکمیہ کو نجاست حقیقیہ پر۔ شیخ عبد الوہاب شعرانی اپنے شیخ خواص سے نقل کرتے ہیں کہ
سیدنا امام ابو حنیفہ کا کشف بہت صحیح تھا جو لوگ وضو کرتا تو ذریعہ گناہ کبیرہ و صغیرہ مکروہ خلاف اولیٰ کے ارتکاب سے ہونے والے
ہوتے ہیں سب جھڑتے ہیں تو جب کبیرہ کو جھڑتا ہوا آپ نے دیکھا تو فرمایا نجاست غلیظہ ہے اور جب صغیرہ کو
دیکھا تو فرمایا خفیفہ ہے اور جب ان معاصی کو جھڑتا ہوا دیکھا جو خلاف اولیٰ کے ارتکاب سے پیدا ہوئے
ہیں تو فرمایا طاہر غیر مطہر۔ دوسری حدیث حضرت جابر کی ہے جو تابع الشی بحکم ہے۔ ایک ہی حضرت
سائب بن یزید کی حدیث ہے البتہ اس میں چند الفاظ کا تعلق ہے۔ حضرت سائب کہتے ہیں میرا

زر الحجلہ کا نام معلوم ہو گیا اب اس کی درازہ کا نام علیہ متفق علیہ ہے و جمع اسکو بسکون الجیم اسم کا
صیغہ کہتے ہیں اور بفتح الجیم فعل کا صیغہ کہہ کر ضبط کیا ہے۔ بخاری کی شرح بخاری میں وارد ہوا ہے وجع کا
استعمال بھی اسم و فعل دونوں کا احتمال ہے لیکن دونوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیر میں تکلیف
تھی اور یہاں لفظ وجع کو استعمال کیا ہے اب ہم انتظام کہ ہے فمسح راسی اس سے بھی یہی وہم
ہو کہ آپ کے سر میں تکلیف ہوگی حالانکہ ایسا نہیں بلکہ آپ نے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی تو شفقت
شفقت آپ نے ہاتھ پھیرا ثم توضأ کا مقصد انکی وجہ سے آپ نے وضو فرمایا یا نماز کیلئے وضو کی اور اتفاقاً
جو پانی بچا وہ پلا دیا آپ نے تبرکاً ان کو دعا دی اس سے برکت حاصل ہو اور جو کچھ وارد ہوا
ہو سکتا ہے فشربت من وضوئه اس کے دو مطلب ہیں ایک حدیث میں گزر گئے کہ وضو سے اعضاء
کا گرا ہوا پانی اور برتن کا بچا ہوا پانی دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ مصنف نے اسی جگہ یعنی اس حدیث
کو اسی باب میں بیان کیا کیونکہ مقصود مصنف کا حلیہ کا مشتمل ہونا ہے زر الحجلة زاء راء المعجمہ
کی تقدیم و تاخیر دونوں کے ساتھ ہے اور حجلة کی معنی بھی دو ہیں ایک مسہری اور ایک چکور جو پرندہ کا
نام ہے۔ اگر حجلہ سے مراد مسہری لیا جائے تو زر بتقدیم الزاء المعجمہ سے گھنڈی کا مراد ہوگی یعنی
مسہری کی گھنڈی کی طرح۔ اور اگر حجلہ سے مراد چکور لیا جائے تو زر کا معنی انڈے کا ہوگا یعنی چکور کے
انڈے کی طرح۔ اور اگر رز بتقدیم الراء المہملہ پڑھا جائے تو اس کی معنی صرف انڈے کا ہوں گے اور حجلہ
سے مراد اس صورت میں چکور ہوگی خاتم النبوة اس کی کیفیت اور تشبیہ کیا ہے میں مختلف
روایات ہیں مسلم میں ہے کبیضة الحمام۔ ترمذی میں ہے مثل البندقة اور بعض روایات میں
مثل السلعة۔ مثل التفاحة۔ کأنه جمع۔ اس قسم کی مختلف روایات ہیں۔ علماء کا جمع کا دو
طریقہ بیان کیا ہے اول یہ کہ وہ کبھی بڑھ جاتی تھی اور کبھی گھٹ جاتی تھی تو جب بڑھ گئی تو اسکو تفاح
اور جمع سے تشبیہ دیدی اور جب وہ گھٹ گئی تو اسکو دوسری اشیاء کے ساتھ تشبیہ دیدی۔
تو دوسری جمع یہ ہے کہ علماء تشبیہیں ہیں کیونکہ اس کی چیز کو کسی نے ناپا نہیں تھا جیسے جس کو نظر آیا ہو جاتے
اب یہ کہ اس خاتم کی حقیقت اور اصلیت کیا ہے؟ قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں کہ یہ اثر شق الملکین
حضورؐ کا سینہ کو جب فرشتوں نے شق کر کے مس دیا تو یہ اس کا اثر ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ
اثر تو سینہ پر ہوگا نہ کہ بین الکتفین پر۔ علامہ قرطبی نے بھی قاضی جی کے قول کی تردید فرمائی ہے۔ حافظ
عسقلانی فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض مالکی نے جو بات بیان فرمائی وہ صحیح ہے اور میں اس کی سند پر
واقف ہوں چنانچہ البیہقی نے اسناد کے ساتھ عتبہ بن السلمی کی ایک حدیث بیان کی جس میں خاتم نبوت
کا متعلق ہے کہ فخطاه فخاطه ثم ختم بخاتم النبوة یعنی ان دونوں فرشتوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ

50/25 اسکو بھی دو بیل پینے میں دیا پھر جب انکا دل بھر گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ اسی کا اثر ہے - ایک مشاہدہ یہ بھی کہ 474
یہ خاتم کب ظاہر ہوئی اسکے اندر تین قول ہیں (۱) جب آپ پیدا ہوئے تو آپ اسکو لیکر پیدا ہوئے (۲) پیدا
ہونیکے بعد ظاہر ہوئی (۳) شق صدر کے بعد ظاہر ہوئی - اب اس حدیث کا لفظ تو بین شقیقہ ہے اور دوسری
روایت میں کتف یمین کی تخصیص ہے اسکے متعلق علماء نے کہا ہے کیونکہ شیطان کا اثر بائیں جانب
سے ہوتا ہے تو اسکو بائیں رکھا کہ اسکے وسوسہ سے تحفظ کیا گیا ہے -

51/3 الفصل الثانی - عن ابن عمر قال (۱) عن ابی سعید قال قیل (۲) 477

پانی میں اگر نجاست گر جائے تو اسکے حکم میں علماء کا اختلاف ہے - حضرت عمرؓ و علیؓ - ابو ہریرہؓ - سعید بن
جبیر - سعید بن المسیب - داؤد ظاہری اور دیگر صحابہ و علماء کے نزدیک وہ پانی ناپاک نہیں ہوتا اگر چہ
اسکے تمام اوصاف بدل جائیں - امام مالکؒ - امام زہریؒ کا نزدیک اسوقت تک پانی ناپاک نہیں
ہوگا جبتک کہ احد الاوصاف الثلثہ نہ بدل جائیں یہی مذہب امام بخاریؒ سے منقول ہے اور یہی
روایت امام احمدؒ سے ہے - جمہور ائمہ کے نزدیک پانی دو حال سے خالی نہیں یا قلیل ہوگا یا کثیر اگر قلیل
ہے تو نجاست گرتے ہی ناپاک ہو جائیگا اور اگر کثیر ہے تو اسوقت تک پانی ناپاک نہ ہوگا جبتک
احد الاوصاف الثلثہ متغیر ہو جائے - اب ماء کثیر کی مقدار میں علماء کا اختلاف ہے کہ کثرت کیا
متحقق ہوگی (۱) امام شافعیؒ کے نزدیک ماء کثیر وہ ہے جسکو مبتلی بہ کثیر سمجھے دوسرا قول ہے کہ اگر
اسکی ایک جانب میں نجاست ڈالیں تو دوسری طرف وہ نہ پہونچے تو وہ ماء کثیر ہے اور اسکے پہچاننے کا
تین طریقے ہیں (۱) رنگ کے ذریعہ پہچانا جائیگا یعنی ایک طرف رنگ ڈالو اور دوسری طرف دیکھو کہ اسکا
اثر پہونچا ہے یا نہیں (۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تحریک کیجائے اور تحریک میں تین قول ہیں اول
تحریک بالید معتبر ہے دوسرا تحریک بالوضوء معتبر ہے سوم تحریک بالاغتسال کا اعتبار ہے (۳) تیسرا
طریقہ مساحت کا ہے یعنی ناپا جائیگا پھر اس مساحت کے اندر اختلاف ہے کہ کتنی مقدار معتبر ہے
(۱) جو حوض سات ہاتھ لمبا اور سات ہاتھ چوڑا ہو وہ کثیر ہے (۲) جو آٹھ ہاتھ لمبا و چوڑا ہو (۳) جو
دس ہاتھ ہو (۴) بارہ ہاتھ ہو (۵) پندرہ ہاتھ ہو (۶) ۱۸ ہاتھ لمبا و چوڑا ہو (۷) ۲۰ ہاتھ ہو (۸)
۴۰ ہاتھ لمبا اور ۴۰ ہاتھ چوڑا ہو - یہ تمام اقوال کثیر کا ہو گئے - یہ مذاہب تھے ماء میں نجاست گرنے
کے متعلق اب ہر ایک کے مستدلات سنئے -

ظاہریہ کے نزدیک وہ پانی ہر حال میں پاک رہیگا اسیطرح دیگر اصحاب کا مذہب بھی یہی ہے جیسا کہ
شروع میں بیان کیا گیا ہے - یہ لوگ استدلال کرتے ہیں اس حدیث ابو سعید خدریؓ سے کہ حضور نے
بیر بضاعہ کے متعلق جو فرمایا ہے لیکن یہ جمہور ائمہ کے خلاف ہے چنانچہ چاروں ائمہ نے ایک مجموعی

جواب تو سعادت پہلے ہی دیا کہ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کا راوی محمد بن اسحق ہے اور اسکی سند میں اضطراب ہے کیونکہ اس نے اس حدیث کو پانچ طرق سے نقل کیا ہے۔ کبھی کہتا ہے عن عبداللہ بن عبداللہ بن رافع کبھی کہتا ہے عن عبیداللہ بن عبیداللہ بن رافع۔ اسکے علاوہ اور بھی دو وجوہ آتا ہے چنانچہ عن عبداللہ بن عبدالرحمن بن رافع۔ عن عبدالرحمن بن عبداللہ بن رافع۔ عن عبدالرحمن بن رافع۔ یہ پانچ طرق ہوگئے ہیں۔ مرحوم یحیی القطان فی کتاب الوہم والایہام

لیکن مولانا عبدالحی صاحب فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحق اس حدیث میں منفرد نہیں ہے بلکہ انکی متابعت کی ہے سلیمان بن ایوب نے لہذا اسکو ضعیف کہنا صحیح نہیں لیکن مولانا کا شاگرد علامہ شوق نیموی فرماتا ہے اسلیمان بن ایوب نے خود اس روایت کو ابن اسحق ہی سے روایت کیا ہے تو گویا انکے درمیان خود یہی واسطہ بن گیا ہے نیز علامہ ابوالحسن قطان نے بھی اس حدیث کی تضعیف کی ہے اور اگر ہم تسلیم کریں چنانچہ مان لیا گیا کہ ابن اسحق صدوق ہیں اور انکی روایات حسن ہیں تو پھر ایک امام نے اس حدیث کا جواب الگ الگ دیا ہے ۔۔۔ امام مالک جواب دیتے ہیں کہ حضور نے یہ صرف بیر بضاعہ کے متعلق فرمایا ہے لہذا یہ جملے کہ الماء طہور لا ینجسہ شئی صرف اسی کنوئیں کیلئے خاص ہوگا ۔ امام شافعی نے جواب دیا کہ الماء طہور میں الف لام عہد خارجی کیلئے ہے اور اس سے بضاعہ کے کنوئیں کا پانی مراد ہے کیونکہ وہ قلتین سے زیادہ تھا ۔۔۔ ابن قدامہ حنبلی یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ عام خاص ہے حدیث القلتین کی وجہ سے ۔ امام طحاوی حنفیہ کی طرف سے اس حدیث کا جواب دیتے ہیں کہ بیر بضاعہ کا پانی بساتین میں جاری ہوتا تھا لہذا چونکہ یہ پانی جاری ہے اسلئے آپ نے اسکے متعلق یہ حکم دیا ہے اور امام طحاوی نے ایک روایت سے استدلال کیا ہے جسمیں کہا گیا ہے کہ اسکا پانی بساتین کی طرف جاری تھا اس پر مخالفین نے اعتراض کیا کہ اس روایت میں دو راوی ہیں ایک محمد بن عمر واقدی دوسرا ابن الشجاع الثلجی اور دونوں ضعیف ہیں ۔ واقدی کے متعلق امام بخاری اور امام ابوحاتم رازی نے کہا ہے کہ یہ متروک الحدیث ہے ایسے ہی ابن الشجاع کے متعلق ابن عدی نے کہا کہ یہ ضعیف ہیں اور زکریا ساجی کہتے ہیں کہ یہ کذاب ہے نیز دوسرے علماء نے بھی ان دونوں کی تضعیف کی ہے ۔ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ واقدی کے متعلق ابن سید الناس نے کہا ہے کہ یہ ثقہ ہے ۔ علامہ عبدالعزیز بن محمد الدراوردی فرماتے ہیں کہ یہ امیر المومنین فی الحدیث ہے اسکے علاوہ دیگر علماء نے انکی توثیق کی ہے اور ان سے روایات نقل کی ہیں ۔ ابن سید الناس فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ غریب روایات کو زیادہ نقل کرتا ہے اسلئے ان لوگوں نے تکذیب کر ڈالی ہے ورنہ یہ ثقہ ہیں نیز یہ مدینہ کا رہنے والا تھا ایسے ہی ابن الشجاع ثلجی چونکہ حنفی تھے اور ابن عدی اور زکریا ساجی دونوں شافعی ہیں اور

477

51/3

ان پر مختص اوقات میں اس سے نہ کو انہوں نے کہا ہو اب بھی یاد رہے کہ اس کے متعلق دو رسالے علماء نے لکھا ہے جیسا کہ تحفہ میں اور عنایہ و نہایہ میں ہے۔ حضرت استاذی مولانا انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے فرمایا تھا کہ انکا استدلال تھا اور بعض ہونے کے پہلے کی حالت میں ہوا جس سے ہی ان کے زہد و عبادت کا اندازہ ہوتا ہے لیکن جب ان دونوں کی توفیق علمی وجہ الواقع ہوگئی تو اب امام طحاوی کا استدلال بیر بضاعہ کے جاری ہونے پر محمل ہو گیا اب رہا یہ ان لوگوں نے دوسرا اعتراض یہ کر دیا کہ مدینہ میں کوئی پانی جاری نہ تھا اس کا جواب یہ ہے کہ واقدی مورخ کا زمانہ دور ہے میں جیسا وہ جاری ہونا تھا اس سے چلے گیا رہے ہیں تو ان کا قول معتبر ہوگا وہ اکثر غیر معتبر۔ تیسرا اعتراض یہ کیا وہ تو کنواں تھا جاری کیسے ہو سکتا ہے اس کا جواب مولانا عبد الحی نے دیا ہے کہ ممکن ہو نہیں یہ لازم نہیں آتا اور جاری ہو کر وہ اوپر سے کنویں کی شکل میں ہو یا تہ لیکن نیچے سے وہ جیسا ہوا ہوتا تھا نیز مصنف عبد الرزاق میں مبلغ عدم ورود ہوا ہے جو ہمارا جواب کا مؤید ہے۔ پھر یہ کہ استدلال کا پانچواں جواب مجوز یوسف کا قول ہے آگے چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ ممکن ہے کہ اس کنویں میں تو نہ گندگی اور نجاست ڈالیں کسی کی عقل اسکو گوارا نہیں کرتی لیکن وہ ہوا جو بہا میں یہ بات ہے کہ چونکہ وہ کنواں بستی میں تھا تو جب بارش ہوتی تو ہر و کے ذریعہ کوڑا وغیرہ سیلاب میں آجاتا تھا اس کنواں جواب یہ ہے کہ حضور کی طبیعت کیسے گوارا کر سکتی تھی کہ آپ نجاست آمیز پانی کو نوش فرماویں مگر در اصل پہلے اس میں نجاست آتی تھی لیکن بعد میں جب ایسا ہوا تو اس کے اثرات دیوار وغیرہ بن گئے اس کے متعلق صحابہ نے سوال کیا ہوگا۔ شافعیہ کے نزدیک وہ اس وقت تک پاک ہے جب تک کہ احد الاوصاف الثلثہ میں تغیر نہ ہو اور استدلال کرتے ہیں ابن ماجہ کی اور حدیث سے انہیں فرمایا الماء طہور لا ینجسہ شئ الا ما غلب علی لونہ و طعمہ و ریحہ او کما قال۔ نیز علماء کا اتفاق ہے کہ اوصاف ثلثہ کے تغیر سے ناپاک ہو جاتا ہے ان کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ابو امامہ کی ہے حافظ عراقی اور ابن حجر عسقلانی نے اس کی تضعیف کی ہے اور کہا کہ یہ استثناء ضعیف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل استدلال کرتے ہیں حدیث قلتین سے اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث۔ ہمارا اور ان کے استدلال کا جواب میں بیان کروں گا اور مسلک اختیار کئے گئے ہیں ہر مسلک کو ان شاء اللہ تعالیٰ

مسلک التضعیف :- ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس کے راوی محمد بن اسحاق ہیں جو ضعیف ہیں امام مالک نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ دجال من الدجاجلة وکان یحیی القطان لا یرضی – حضرت عبد اللہ بن احمد سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے والد امام احمد اپنی مسند میں ان سے روایت کیا

[illegible]

کرتے تھے اور استدلال کیا کہ شیخ النیمویؒ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ ثقہ نہیں ہیں۔ اس پر اعتراض ہوگا کہ محقق ابن ہمام فرماتے ہیں ہو ثقۃ ثقۃ ایسے ہی امام نووی نے انکی توثیق کی ہے اسکا جواب دیا گیا کہ ائمہ علم کرنے والوں کا قول معتبر ہوگا بعد والوں کا قول اس بارے میں معتبر نہیں ہے اور امام مالک وغیرہ تو ہم عصر ہیں محقق ابن ہمام وغیرہ ہم عصر نہیں ہیں نیز انکی تضعیف کا دو سبب سے فرماتے ہیں چنانچہ کہا گیا کہ یہ مدلس ہے اور مدلس کا عنعنہ معتبر نہیں ہے اور ابن اسحق نے اسکو عنعنہ سے روایت کیا ہے نیز اسکا راوی ایک الو اسامہ ہے جسکی لوگوں نے تضعیف کی ہے اور وہ مدلس ہے اسکا عنعنہ مقبول نہیں ہے۔

۲ **مسلک التاویل :۔** علماء حنفیہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر نہیں ہے بلکہ تاویل کی محتاج ہے ہم اسمیں سے اسمیں تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لم یحمل الخبث کا مطلب یہ ہے کہ اسکے اندر نجاست برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے یعنی اگر نجاست گرے تو قلتین کا پانی نجس ہو جائیگا اس مذہب کو حنفیہ نے اختیار کیا۔

۳ **مسلک الاضطراب :۔** یعنی اس حدیث میں متنا اور سندا اضطراب ہے۔ سند کا اضطراب تو یہ ہے کہ اسکے تین راوی ہیں ولید بن کثیر۔ محمد بن اسحق۔ حماد بن سلمہ۔ ولید بن کثیر کبھی اس روایت کو ایسے نقل کرتا ہے عن الولید بن کثیر عن محمد بن جعفر بن الزبیر عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر۔ کبھی کہتا ہے عن الولید بن کثیر عن محمد بن عباد بن جعفر عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر۔ یعنی کبھی محمد بن جعفر بن الزبیر سے نقل کرتا ہے اور کبھی محمد بن عباد بن جعفر سے ایسے ہی آگے چلکر کبھی عبید اللہ مکبرا کہتا ہے اور کبھی مصغرا کہتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ احتمال ہے کہ وہ دونوں سے روایت کرتا ہو اور محمد بن جعفر بن الزبیر عن عبید اللہ مصغرا صحیح ہے۔ دوسرا راوی محمد بن اسحق ہے وہ کبھی اسطرح روایت کرتا ہے عن محمد بن اسحق عن الزہری عن سالم عن ابن عمر اور کبھی کہتا ہے عن ابن اسحق عن الزہری عن عبید عن ابی ہریرۃ۔ تیسرا راوی حماد بن سلمہ ہیں جو اسکو مرفوعا روایت کرتے ہیں اور حماد بن زید نے موقوفا نقل کیا ہے یہ تو سند کا اعتبار اضطراب تھا اب متن کا اعتبار سے اضطراب۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ اذا کان الماء قلتین او ثلاثا لم یحمل الخبث اور بعض میں ہے اذا کان الماء اربعین قلۃ اور بعض میں ہے قلۃ واحدۃ اور بعض میں اربعین دلوا ہے اور بعض میں اربعین غربا ہے۔ بنا بریں اضطراب کیوجہ سے ناقابل استدلال ہے نیز یہ اثر قیاس کا اعتبار سے بھی ضعیف ہے چنانچہ امام بیہقی اسماعیل قاضی علامہ ابن عبد البر ابو بکر بن العربی علامہ ابن دقیق العید غزالی وغیرہم نے اسکی تضعیف کر دی ہے

۴ **مسلک الاجمال**:- یہ حدیث مجمل ہے چنانچہ قلہ کے معنی بہت سے ہیں (۱) قامۃ الانسان (۲) جرۃ (گھڑا) (۳) مشکیزہ (۴) راس الجبل۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ احتمال ہے کہ بیان قلہ سے قامۃ انسان کا مراد ہو اور جب احتمال آ گیا تو اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ اب اعتراض وارد ہوگا کہ حضور نے تو خود ایک روایت میں قلال کی تعیین فرما دی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ روایت ضعیف ہے چنانچہ علامہ ابن دقیق العید مالکی شافعی نے اس حدیث کو چھوڑ دیا ہے۔

۵ **مسلک المعارضہ**:- بالاحادیث الصحیحہ چنانچہ یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی اور حدیث کے معارض ہے جس کے اندر لا یبولن احدکم بلا قید قلتین کے ہے۔

۶ **مسلک مخالفۃ الاجماع**:- امام محمد بن سیرین نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے زمانہ میں زمزم میں ایک آدمی گر کر مر گیا تھا چنانچہ حضرت ابن عباسؓ اور دیگر صحابہ کی موجودگی میں اس کنواں کو پاک کرایا ہے اور زمزم یقیناً قلتین سے کہیں زیادہ تھا پس اگر یہ حدیث ہو تو اس اجماع کے بھی معارض ہے۔

عن الماء یکون فی الفلاۃ الخ صاحب معارف نے علامہ انور شاہ کشمیری سے نقل کیا ہے کہ اس سے وہ پانی مراد ہے جو زمین سے نکلے من بئر بضاعۃ لفظ بضاعۃ کو چار طرح ضبط کیا ہے بضم الباء و بکسر الباء مع الصاد المہملۃ۔ اور بضم الباء و بکسرہ مع الضاد المعجمۃ انتوضأ کو بعض نے صیغہ خطاب کا لیا تو ضبط کیا ہے نیز قاسم بن اصبغ کی مصنف میں وارد ہوا ہے کہ انا نتوضأ جو جمع ہے اسی بنا پر صیغہ خطاب مراد ہو سکتا ہے الحیض حیضۃ کی جمع جس کے معنی ہیں وہ کپڑا جس کو عورت بطور استنجا استعمال کرے اور (۲) وہ کپڑا جس سے وہ اپنا حیض صاف کرے النتن بسکون التاء و بکسرہ دونوں طرح ضبط ہے ابن رسلان کہتے ہیں کہ النتن بکسر التاء صیغہ صفت ہے جس کے معنی ذو نتن کے ہیں اور یہی یہاں پر وارد ہے۔ اور نتن بسکون التاء بمعنی النجاسات ہوگا ان الماء طہور لا ینجسہ شیء اب اشکال وارد ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے استفہام کا جواب تو اور نعم کہہ کر نہیں دیا بلکہ ایک قاعدہ کلیہ بیان کر دیا تو سوال و جواب میں مطابقت نہیں اس کا جواب دیا کہ حضور فرماتے ہیں اوتیت جوامع الکلم میں جوامع الکلم دیا گیا ہوں یعنی ایسے الفاظ مجھکو دئیے ہیں جو مختصر اور معانی کثیر ہیں تو اگر حضور ہاں یا نعم سے تو جواب دیتے تو انکو یہ وہم ہوتا کہ صرف اسی کے متعلق نعم کہا ہوگا لہذا پھر وہ دوسرے کے متعلق سوال کرتے جب اس کے متعلق بھی حکم ہو جاتا تو انکو وہم ہوتا کہ شاید یہ حوض و حوض کا حکم ہے مثل کنویں نہیں لہذا پھر سوال کرتے تو حضور نے ان تمام اوہام کو ختم کرنے کیلئے پہلے ہی ایک قاعدہ کلیہ بیان فرما دیا۔ اب اشکال ہوگا اس حدیث کے ابتدا اور انتہا میں تعارض ہے کیونکہ ما قبل سے تو معلوم ہوا کہ اس کے اندر نجاست وغیرہ پڑتی تھی اسلئے اس کی وجہ سے وہ پانی ناپاک ہو جاتا

477 اور یہاں الماء سے بیر بضاعہ کا پانی مراد ہے اور اسپر طہارۃ کا حکم لگا رہے ہیں اسکا جواب دیا 51/3
الماء طہور سے تو اسکی طہارۃ اصلیہ کیطرف اشارہ ہے اور ما قبل میں نجاست سے نجاست عرضیہ
مراد ہے تو اس نجاست عرضی کیوجہ سے طہارۃ ذاتی ختم نہیں ہوگی ۔ علماء نے بیان فرمایا نجاست
کا گرنا جسکی وجہ سے اسکا حلول پانی میں یا تو حلول ظرفیانی ہوگا یا حلول سریانی اگر حلول سریانی ہوگا تو
استعمال النجاسۃ لازم آئیگا کیونکہ اگر پانی میں نجاست کا حلول حلول ظرفیانی ہوگا تو اسکا دو کا احتمال
حلول سریانی کہتے ہیں کہ محل کے انقسام سے حال کا انقسام ہو جائے اور حلول ظرفیانی میں محل کے
انقسام سے حال کا انقسام نہیں ہوتا مثال کے طور پر اگر شکر کو پانی میں حل کر دیا جائے تو اب
اسکا حلول سریانی ہوگا اور اگر شکر ڈال کر حل کیا نہیں ہے تو حلول ظرفیانی ہے ۔ اب یہاں پانی میں نجاست
کا گرنا جسکی وجہ سے حلول ظرفیانی و سریانی کب ہوتا ہے؟ ائمہ اربعہ کا اسبات پر اتفاق ہے کہ اگر نجاست مل جائے
جسکی وجہ سے احد الاوصاف الثلثہ میں تغیر آجائے تو یہ حلول حلول سریانی ہے اور اگر احد الاوصاف الثلثہ
میں تغیر نہ ہو تو ظاہریہ و مالکیہ کے نزدیک باوجود قلت ماء کے وہاں حلول حلول ظرفیانی ہوگا اور حنفیہ
و شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک اگر پانی قلیل ہے تو حلول سریانی اور اگر کثیر ہے تو حلول ظرفیانی ہوگا
تو خلاصہ یہ نکلا کہ مالکیہ کے نزدیک حلول ظرفیانی و سریانی کا مدار تغیر اوصاف ثلثہ اور عدم تغیر پر ہے
اور باقی تینوں ائمہ کے نزدیک مدار قلت و کثرت پر ہے ۱۲

479 عن ابی ھریرۃ قال سأل رجل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ 51/7
سأل رجل اس رجل کے متعلق علماء میں اختلاف ہے کہ بعض نے انکا نام عبد بتلایا ۔ طبرانی نے بھی عبد ہی
ضبط کیا اور ابو موسی المدینی نے بھی طبرانی کا اتباع کیا اور بتایا ہو عبد ابو زمعۃ البلوی (۲) انکا نام
عبید ہے (۳) حمید ہے (۴) عبد اللہ ہے دارقطنی کی بعض روایات میں اور ابن بشکوال کی بعض روایات میں
صراحۃ عبد اللہ وارد ہوا ہے (۵) سمعانی نے اس بات سے انکار انکا نام عرکی بتلایا ۔ علماء نے یہاں کہا کہ
یہ نام نہیں ہے بلکہ یہ لقب ہے کیونکہ عرکی کے معنی ملاح کے ہیں اور یہ ملاح تھے ابن منذہ نے بھی
یہی نام بیان کیا ۔ اس حدیث سے تو معلوم ہوا سوال کرنے والا ایک ہی رجل ہے لیکن مسند احمد
میں حمید جاء ناس صیادون فی البحر اس سے معلوم ہوا کہ ایک جماعت اس سوال کے متعلق
آئی تھی دونوں کے اندر وجہ جمع یہ ہے کہ آئے تو بہت سے تھے لیکن سوال ایک ہی نے کیا ۔

انا نرکب البحر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دریا میں سفر جائز ہے حالانکہ دوسری حدیث عبد اللہ بن 8
عمرو بن العاص سے مرفوعاً ہے لا یرکب البحر الا حاج او معتمر او غاز فان تحت البحر نارا وان
تحت النار بحرا تو حضور نے اس حدیث میں منع فرمایا لوگوں کو چاہئے کہ وہ سفر نہ کریں تکلیف کا

ضروری ہے۔ اب دونوں حدیثوں میں دفع تعارض اس طرح ہو جائیگا کہ روایت عبد اللہ بن عمرو کی ضعیف ہے (۱) حضور نے منع شفقۃً منع فرمایا (۲) بقصد تجارت سفر سمندر سے منع فرمایا اور توثیق عبادت کا ہے جیسا کہ استثناء سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ اب یہ اشکال ہوا کہ یہ جمع صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث میں صیادون فی البحر وارد ہوا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ کسب معیشت کیلئے سفر کرتے تھے نہ کہ بقصد عبادت لہٰذا جواب اول ہی صحیح ہے۔ علاوہ بریں قطع نظر اوراق کے [illegible] سفر [illegible] کوئی منافی نہیں ہے۔ امام بخاری نے مستقل باب اس سفر کے متعلق باندھا ہے جس کے متعلق حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس باب سے یا ترجمہ کی غرض یہ تھی کہ اس سے اشارہ کرنا ہے اس بات کیطرف کہ یہ سفر سلفاً عن خلف جائز رہا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عمر بن الخطاب اور عمر بن عبد العزیز سے اگرچہ اس سفر کے منع کا ثبوت ہے لیکن جمہور ائمہ جواز کے قائل ہیں۔ البتہ امام مالک عورت کو کشتی سے منع فرماتے ہیں کیونکہ اس میں بے پردگی ہے لیکن جمہور کہتے ہیں کہ ایک روایت حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپکی قرابت ام حرام کے مکان میں آرام فرما رہے تھے جب بیدار ہوئے تو ہنسی آگئی تو ام حرام نے اور حضرت ام حرام نے ہنسی کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا میری امت کے چند افراد کو دیکھا کہ وہ سمندر کے اندر ایسے سفر کر رہے ہیں جیسے بادشاہ تخت پر بیٹھے ہوتے ہیں ام حرام نے عرض کیا کہ حضور میرے واسطے بھی دعا کریں کہ میں بھی انہی مجاہدین میں سے ہو جاؤں چنانچہ آپ نے دعا فرمائی تو اس سے صاف واضح ہو گیا کہ عورت کیلئے سفر جائز ہے ورنہ حضور دعا کیوں فرماتے۔ اب یہ اشکال ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے بحر کے متعلق کیوں سوال کیا؟ اس کے مختلف جوابات ہیں۔ جواب۱ حضور کا ارشاد ہے کہ ان الماء طہور الا ما غلب علی طعمہ او لونہ او ریحہ تو ان کو معلوم ہوا کہ حد الاوصاف الثلثہ اگر بدل جائیں تو طہارۃ باقی نہیں رہتی اور انہوں نے دیکھا کہ سمندر کے پانی کا رنگ مزہ کے اعتبار سے بالکل مختلف اور متغیر ہے تو شاید اس سے طہارۃ حاصل نہ ہو اسلئے سوال کیا۔ جواب۲ کیونکہ سمندر کے اندر حیوانات مرتے ہیں اور وہ سڑتے ہیں تو انکے میتہ ہونے کی وجہ سے شبہ پیدا ہو گیا اسلئے تو ناپاک ہوتا ہے جیسے پانی بھی ناپاک ہے۔ جواب۳ ابھی نقل کی حدیث گذر چکی حضور نے فرمایا ان تحت البحر نارا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قوا انفسکم واہلیکم نارا۔ تو آگ وہ تعلق رہے جیسے پانی کا حکم دیا ہے لہٰذا سمندر بھی کا تعلق رہے اس سے بچنا چاہئے جواب۴ سمندر کے پانی کی حیثیت ماء منزل من السماء سے بالکل جداگانہ ہے اسلئے سوال کیا ھو الطھور ماؤہ الحل میتتہ کتابوں میں علماء نحو لکھتے ہیں کہ مسند الیہ اور مسند کو اگر معرفہ لایا جائے تو وہ حصر المسند فی المسند الیہ کا فائدہ دیتا ہے لہٰذا اس قاعدہ کی بنا پر لازم آیا کہ حضور نے صرف سمندر میں 9

479 منصوص نہیں ہے مانند ماء العیون - ماء الاودیہ - ماء الامطار بھی طاہر ہیں اسکا جواب دیا گیا کہ یہی 51/9
اسی مائدہ کا مثل بھی ہوتا ہے اقول المسند الیہ فی المسند یعنے اتنا ہے کہ سمندر کا پانی جو ہوتا
میں منصوص ہے والحل میتتہ لفظ حل کے دو معنی ہیں ایک حلال دوسرے طاہر - کیونکہ حلال ہونا مستلزم طاہر
ہونا لازم ہے تو گویا بطور لزوم کے طاہر ہونا بھی قرار دیا جا سکتا ہے اگر یہاں اس سے حلال قرار دیا جا
تو اعتراض ہوگا کہ جب سوال وضو ماء کے متعلق تھا تو اس جگہ مطلق تو بیان ذکر فرمایا اسکے
مختلف جوابات ہیں - جواب ۱ آپ نے سمجھا کہ پانی کی طہارت ارادہ بھی فرمائیں ہو جاتا ہے تو حلال
پانی کی ضرورت پڑ جاتی ہے اسی طرح زاد راہ کی بھی اسکو ضرورت پڑتی ہے اسلئے اسکی خبر دیدی
جواب ۲ جب آپ نے سمندر کے متعلق خبر دی تو کھانے کے متعلق بھی خبر دینا مناسب سمجھا کیونکہ وہ
میں دونوں برابر ہیں - جواب ۳ چونکہ بعض جانور اسی میں مر جاتے ہیں اس سے انکے حلال ہونے
کا شبہ ہوتا تھا اسکو رفع فرمایا - اور اگر حل سے مراد طاہر ہے تو مطلب یہ ہے کہ جملہ
علت ہوگا پہلے جملہ کا یعنی اسکا پانی طاہر ہے کیونکہ اسکا میتہ طاہر ہے تو جب وہ طاہر ہے
تو ماء تو بطریق اولی طاہر ہوگا - اب میتہ کا طاہر ہونا ہے ایک مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ سمندر کا
جانور سب حلال ہیں یا حرام؟ امام فخر الدین رازی نے علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ بعض جانور تو حلال
ہیں اور بعض حرام - علامہ نووی نے نقل کیا ہے کہ سمک حلال اور ضفدع حرام ہے انکے علاوہ میں
تین قول ہیں جو یہاں ذکر کئے گئے - شافعیہ کا اس مسئلہ میں تین قول ہیں (۱) تمام جانور حلال
ہیں امام نووی نے اسی قول کی تصحیح فرمائی ہے (۲) تمام حرام ہیں (۳) جن جانوروں کو خشکی کے
اندر کھایا جاتا ہے اور وہ خشکی میں حلال ہیں اگر ویسی شکل سمندر میں ہے تو وہ بھی حلال ہوگا
اور جو وہاں حرام ہیں تو وہ دریا میں بھی ~~حلال~~ حرام ہونگے مثلاً دریا کی گائے بھی حلال ہوگی -
حنفیہ کے نزدیک سوائے مچھلی کے کوئی جانور حلال نہیں - حنابلہ کے نزدیک خنزیر تمساح - کوسج
ضفدع انسان یہ تمام ناجائز ہیں اور انکے علاوہ سب حلال ہیں - مالکیہ کے نزدیک خنزیر
اور انسان حرام ہیں باقی حلال ہیں لیکن امام کے نزدیک راجح ہے - حنفیہ کا قول و حلال الا الخنزیر
بطلان دلیل ہے حضرت ابن عمر کی حدیث جو کتاب الذبائح میں گذری ہے احلت لنا المیتتان السمک و
480 [illegible] عن ابی زید عن عبد اللہ بن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال له لیلة الـ 51/10
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی ہے پہلے جنات آسمان پر جاتے تھے لیکن بعثت کے بعد جب ان کا
جانا بند ہوا تو انہوں نے سبب دریافت کرنے کا ارادہ کیا اور ادھر ادھر جانا شروع کیا تو کچھ جن تہامہ کی
طرف کچھ نصیبین کے جن چلے اور بطن نخلہ کی طرف پہونچے تو دیکھا حضور اقدس ﷺ تلاوت فرما رہے ہیں

انہوں نے کہا کہ یہی سبب تھا انہوں نے قرآن پاک سنا کیونکہ دور خوردسالی کی وجہ سے قرآن پاک سنوایا اور جنوں کو سنایا گیا تھا جن کی نماز کا وقت آیا تو حضرت عبداللہ ابن مسعود سے پوچھا حضور نے دریافت فرمایا کیا پانی ہے عرض کیا پانی ہے نہیں لیکن نبیذ ہے ارشاد فرمایا تمرۃ طیبۃ وماء طہور نبیذ سے وضو کرنا میں علماء کا اختلاف ہے قبل اس کے اختلاف کا بیان ہو نبیذ کی تعریف اور اس کی اقسام سن لیجئے۔

نبیذ فعیل بمعنی مفعول ہے یعنی پھینکا ہوا اور اصطلاح میں اس پانی کو کہتے ہیں جس میں کھجور اور کشمش ڈال دی جاتی ہے اور بعد میں نکال لی جاتی ہے۔ اور بعض نے خود اس کھجور اور کشمش کو نبیذ بتایا لیکن اول مشہور ہے۔ پھر اس کی مختلف اقسام ہیں۔ ایک یہ کہ کھجور کو پانی میں ڈال کر فوراً نکال لیا جائے اس کا اثر پانی وغیرہ میں نہ آئے۔ دوسری قسم یہ کہ پانی میں ڈالے اور اس کے اثر سے مٹھاس پیدا ہو جائے اول صورت میں بالاتفاق وضو جائز ہے اور ثانی میں علماء کا اختلاف ہے حنفیہ کے نزدیک اس سے وضو جائز ہے نیز حضرت علی۔ ابن مسعود۔ اور حضرت عکرمہ سے جواز کا مذہب ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس سے وضو جائز نہیں ہے۔ اگر نبیذ کے اثر سے نشہ پیدا ہو جائے تو بالاتفاق اس سے وضو جائز نہیں البتہ ائمہ ثلاثہ کے قول عدم جواز کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فان لم تجدوا ماء فتیمموا تو عدم وجدان ماء کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے تیمم کی طرف انتقال کا حکم دیا ہے نبیذ کی طرف نہیں ہے۔

ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود کی اس روایت سے نبیذ سے وضو کا ثبوت ہے لیکن ائمہ ثلاثہ نے ایک تو یہ جواب دیا کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کا ایک راوی ابوزید مجہول ہے جیسا کہ ترمذی نے فرمایا۔ دوسری وجہ یہ کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود کا بیان ہے کہ آپ لیلۃ الجن میں موجود نہ تھے جواب قاضی ابوبکر ابن العربی نے شرح ترمذی میں یہ دیا کہ ابوزید سے دو راویوں نے روایت کی ہے ایک راشد بن کیسان اور ایک ابو روق نے اور قاعدہ ہے کہ جس راوی سے دو راوی روایت کریں تو وہ مجہول العین نہیں رہتا لہذا ابوزید مجہول نہیں۔ اور امام ترمذی کے مجہول کہنے کا یہ مطلب ہے کہ مجہول الاسم ہے نہ کہ مجہول العین۔ اب رہا لیلۃ الجن میں شرکت ہونی؟ اس کا جواب صاحب آکام المرجان نے تو یہ دیا کہ لیلۃ الجن چھ مرتبہ واقع ہوئی ہے چار مرتبہ مکہ میں جن میں سے ایک مرتبہ شروع میں۔ دوسری مرتبہ اعلیٰ مکہ میں تیسری مرتبہ بقیع الغرقد میں اور ان تینوں میں حضرت ابن مسعود آپ کے ساتھ اور چوتھی مرتبہ میں شرکت ثابت نہیں ہے۔ اور دو مرتبہ مدینہ میں واقع ہوئی ایک مرتبہ مدینہ سے ذرا باہر جس کے اندر حضرت زبیر ساتھ تھے اور دوسری مرتبہ کسی سفر میں واقع ہوئی جس میں حضرت بلال شریک تھے لہذا اس سے معلوم ہو گیا کہ بعض لیلۃ الجن میں شرکت ہے اور بعض میں نہیں ہے تو گویا ائمہ ثلاثہ کے اعتراض کا جواب ہو گیا کہ شریک نہیں تھے رشتہ جواب ہو گیا۔ دوسرا ایک جواب دیا گیا ہے حضرت

480 ابن مسعود کو حضور ﷺ نے انکو آپ نے ایک جگہ بٹھا کر ان کے ارد گرد ایک دائرہ کھینچ دیا اور فرمایا کہ اس سے باہر 51/10
نہ نکلنا اور پھر آپ ان جنوں کو تعلیم دینے گئے تو اسی طرح حضور ﷺ تو تعلیم نہ دیتے ابن مسعود کا نکلنا ثابت کیا ہے تعلیم و تعلم
کی قید جائز نہیں ہے۔ نکلنا یہ ثابت کرو کہ لیلۃ الجن میں حاضر نہیں تھے۔ آپ کا جواب یہ ہو گیا کہ ابن مسعود
کا نکلنا ثابت ہے ابن مسعود غیر کا اور صحیح بات یہی ہے کہ وہ وہاں موجود تھے۔ حنفیہ کا اور احناف کا وضو
میں تھا اور غسل میں علماء کے نزدیک دو قول ہیں ایک یہ کہ وضو کی طرح غسل بھی جائز ہے اور
بعض کے نزدیک چونکہ نص وضو کے ساتھ خاص ہے لہٰذا وضو جائز اور غسل جائز نہیں ہے —

482 483 عن کبشۃ بنت کعب بن مالک الخ عن داود بن صالح بن دینار عن امہا 51/13
فاصغی لہا الاناء اس سے معلوم ہوا کہ بلی کا جھوٹا جائز ہے اور بلا کراہت یہی مذہب ہے امام شافعی کا
نزدیک ایک قول نجاست خفیفہ ہے ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ طاہر ہے
اور اس عالم میں صحیح کی صورت یہ ہے کہ اگر اس کے علاوہ اور پانی ہے تو اس سے وضو مکروہ تنزیہی ہے
اور اگر اس کے علاوہ دوسرا پانی نہ ملے تو طاہر ہے نیز اس حدیث میں فاصغی لہا سے استدلال کرنا
جواز پر صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ فعل ابو قتادہ کا ہے اور حضور کا قول حجت ہے۔ اب رہا حضور ﷺ کا
فرمانا انہا لیست بنجس اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے فرما دیا اور وہ ہر وقت گھروں میں پھرتی ہے
نیز دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں ضعف ہے نیز اس حدیث کا روایت میں ایک راوی حمیدہ اور
دوسری کبشہ ہے جن دونوں کے متعلق ابن مندہ نے کہا ہے کہ دونوں مجہول ہیں
ملا علی قاری نے اپنے شیخ سے بالجیم نقل کیا ہے اور امام منذری کا ابن دقیق العید وغیرہ
بفتح الجیم ضبط کیا ہے ۔ دوسری حدیث حضرت داود بن صالح کی ہے جس سے جواز معلوم ہوتا
ہے لیکن یہ حدیث داود بن صالح کے اعتبار سے مرفوع ہے ورنہ جمہور کے نزدیک یہ حدیث موقوف ہے
اور نیز یہ حدیث بھی قابل کی حدیث کی طرح ضعیف ہے کیونکہ اس کا راوی عبدالرحمن بن زید بن
اسلم ضعیف ہے نیز اگر ان دونوں حدیثوں سے جواز ثابت ہو جائے تب بھی ہمارے مذہب
کے منافی نہیں ہے کیونکہ جواز اور کراہت میں منافات نہیں جو چیز جائز ہو سکتی
ہے ساتھ ساتھ مکروہ بھی ہو سکتی ہے

484 عن جابر قال سئل عن ام ہانی قالت اغتسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو 51/20,22
اس حدیث کے اندر دو مسئلے ہیں ایک سور حمار دوم سور بغل ۔ حنفیہ کے نزدیک حمار و بغل
کا سور مشکوک ہے امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے اور ایک دوسری روایت ہے امام مالک
شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جائز ہے اور سور بغل کا شافعیہ کے نزدیک پاک ہے حنفیہ کا

484 485 نزدیک پاک ہے۔ حنابلہ کے نزدیک دونوں قول ہیں۔ مالکیہ اور شافعیہ اس حدیث سے اور اسی باب میں فصل ثالث کی پہلی حدیث یحیی بن عبد الرحمن اور دوسری حدیث ابو سعید کی جو آرہی ہے دونوں سے استدلال کرتے ہیں۔ ہماری طرف سے ان تینوں احادیث کا جواب یہ ہے کہ یہ ماء کثیر کے متعلق ان کا سوال تھا اور ماء کثیر میں ہمارے نزدیک بھی جائز ہے۔ علامہ عینی جواب دیتے ہیں کہ یہ احادیث [illegible] پہلے کی ہیں اور آپ نے بعد میں ہر ذی ناب کا سور سے منع فرمایا۔ ایک جواب یہ کہ یہاں سباع سے سباع الطیر مراد ہے سباع البہائم مراد نہیں لہذا جب ان دونوں میں سے احتمال ہو گیا ہے تو احتمال کی وجہ سے استدلال ختم ہو گیا۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ 51/20,22

دوسری حدیث حضرت ام ہانی کی ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ پانی میں شئی طاہر مل جائے تو کیا حکم ہے حنفیہ کے نزدیک اس کی طہوریت باقی رہتی ہے اور مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اگر من جنس الارض سے ہو تو رہتا ہے ورنہ نہیں۔ حنابلہ کے نزدیک دونوں روایتیں ہیں۔

486 **الفصل الثالث:۔ عن یحیی بن عبد الرحمن۔ عن ابی سعید الخدری۔ عن عمر بن الخطاب** 51/23

یہ حدیث اور دوسری حدیث مالکیہ اور شافعیہ کا مستدل ہے اور ہم اس کا جواب دے آئے کہ یہ ماء کثیر کے متعلق ہے۔ عبد الرحمن کی وفات ۱۰۴ھ میں ہے۔

دوسری حدیث ابو سعید خدری کی ہے اس پر ابن الجوزی کا اعتراض کر دیا کہ مالکیہ اور شافعیہ جب اس سے سباع اور حمار کا سور کے جواز پر استدلال کرتے ہیں تو کتوں کا سور کے بھی حلال ہونے پر استدلال کرنا چاہئے حالانکہ ان کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ اور حدیث میں حمار اور سباع کے ساتھ کلاب کا بھی ذکر ہے۔ تیسری حدیث کے اندر آرہا ہے پانی کو دھوپ میں رکھنا تو شافعیہ کے نزدیک استعمال مکروہ ہے اور اگر خود بخود رکھا ہوا گرم ہو گیا تو جائز ہے اور جمہور کے نزدیک ہر صورت میں جائز ہے کیونکہ نہی شرعی نہیں بلکہ طبی ہے۔

بابُ تطهیر النجاسات

52/2

میاہ کے احکام کو بیان کرنے کے بعد اب اس کی غرض اصلی کو یہاں سے بیان فرما رہے ہیں!

490 **الفصل الاول:۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ولغ** 3

اس حدیث پاک کے اندر) دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں ایک سور کلب کا کیا حکم ہے؟ امام مالک۔ امام اوزاعی۔ داؤد ظاہری کے نزدیک پاک ہے۔ امام زہری کے نزدیک اسکو پیا جا سکتا اس وقت جبکہ دوسرا پانی نہ ملے۔ ابن ماجشون، ابن مسلمہ کے نزدیک وضو بھی کر لیا اور تیمم بھی۔ امام صاحب۔ امام شافعی۔ واحمد کے نزدیک ناپاک ہے۔ اب ہر ایک کی دلیل سنئے:۔ امام مالک دلیل میں آیت

فرماتے ہیں یہ حدیث ان الماء طہور لا ینجسہ الا ما غلب علی لونہ او ریحہ او طعمہ اور کیا فالی ارہ، چونکہ ثقات کی
حدیث سے اسکے اوصاف ثلثہ میں سے کسی میں تغیر نہیں ہوتا بلکہ وہ دریا کی پانی ہے۔ اور قلتین کی دلیل
یہ ہے کہ آپ نے فرمایا نجاست کا اثر نہیں پانی قلتین میں نہیں ہوتا۔ جمہور کہتے ہیں آنحضرت نے دونوں
کا حکم دیا اگر ایک ہوتا تو دھونے کا حکم کیوں دیتے۔ تاکید جواب دیتے ہیں آپ کا حکم تعبدی ہے
اور نجس ہونے کی وجہ سے نہیں تھا۔ اور تعبدی کا مطلب ہی یہ ہے کہ اسکی کوئی علت معلوم نہ ہو۔ جمہور کہتے ہیں آنحضور نے
فرمایا طہور اناء احدکم اور طہور کا مقابل نجاست ہے تو جب دھونا پاکی اور طہارت ہے تو نہ دھونا
نجاست اور ناپاکی ہوگی پتہ معلوم ہوا کہ بغیر دھوئے وہ ناپاک ہے اور نجس رہتا ہے۔ مسلم شریف میں
ایک روایت ہے فلیرقہ جب کتا منہ ڈال دے تو برتن کو الٹ کر پانی بہادو تو اگر وہ پاک ہوتا
تو اسکو ضائع نہ کیا جاتا اضاعت کیا پاک شی کی جاتی حالانکہ اس سے حدیث میں ممانعت آئی ہے

دوسرا مسئلہ جو اس حدیث سے ثابت ہوا وہ یہ کہ کتنے بار اسکو دھوئے اسمیں ائمہ مختلف ہوگئے ہیں

(۱) امام حسن کا حضرت ابوہریرہ وغیرہ کا مذہب حنفیہ تین بار دھویا جائیگا۔

(۲) امام مالک و شافعی اور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ سات مرتبہ دھویا جائیگا۔

(۳) امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ آٹھ مرتبہ دھویا جائیگا۔ پھر مذہب (۲) والوں کا آپس میں
اختلاف ہے امام مالک کے نزدیک تو تتریب نہیں اور وہ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں
اور امام احمد و شافعی کے نزدیک سات مرتبہ میں ایک مرتبہ تتریب (مٹی سے مانجھنا) ضروری ہے
اور استدلال کرتے ہیں مسلم کی روایت سے جس میں ہے اولاھن بالتراب اور امام احمد کی آٹھ والی
روایت کا مستدل عبد اللہ بن مغفل کی حدیث ہے جس میں آٹھ کا ذکر ہے اور ان ائمہ کا اتفاق
ایک مرتبہ تتریب ہے۔ حنفیہ اس حدیث کا جواب دیتے ہیں کہ اسکے راوی حضرت ابوہریرہ ہیں
اور انکے فتوی کو دار قطنی نے نقل کیا کہ تین مرتبہ دھوئے اور ایک روایت میں ہے کہ پانچ مرتبہ
دھوئے تو سات مرتبہ کی روایت دیتے ہیں باوجود تین یا پانچ کا فتوی دیتے ہیں یہ دلیل
اس بات کی ہے کہ تسبیع وجوبا ضروری نہیں تھی بلکہ یہ سات مرتبہ والی روایت ایسے ہی عبد اللہ
بن مغفل کی حدیث آٹھ والی منسوخ ہے اگر منسوخ نہ ہوتی بلکہ وجوبا ضروری تسبیع ہوتی تو
ابوہریرہ کیا اسکے ابا جان کو بھی تین یا پانچ مرتبہ کا فتوی دینے کا حق نہیں تھا۔ چنانچہ
اس نسخ کی تائید حضرت امام طحاوی کے اس قول سے ہوتی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ابتداء میں کتوں
کے بارے میں بہت سختی کی اور تمام کتوں کے قتل کا حکم دیا اسکے بعد صرف سیاہ کتوں کے قتل کا حکم دیا
اسکے چند روز کے بعد وہ بھی منسوخ ہوگیا اور کتوں کو ختم کیا اور اسکے وہ ایک احتیاط ہے احتیاطا ہے اسکی

52/3

440

قتل سے کیا فائدہ، تو جبکہ انصار یہود کے پڑوسی تھے اور یہودیوں کی وجہ سے انصار بھی کتوں سے خاص لگاؤ رکھتے تھے تو طبعیت کا بدلنا ایک شئ ہے حضور نے ایسی صورت اختیار فرمائی کہ پہلے بہت زیادہ سختی کی اور پھر کچھ کمی اور پھر بالکل منسوخ فرما دیا قتل کا حکم۔ ایسے ہی سات بار دھونا بھی اسی واقعہ کے متعلق ہیں کہ پہلے ۷ اور ۸ کا حکم دیا اور پھر حکم کے اندر تخفیف فرما دی۔ رہا یہ حافظ ابن حجر نے اعتراض کر دیا کہ سات اور آٹھ کی روایت کے راوی حضرت ابوہریرہ اور عبد اللہ بن مغفل ہیں اور یہ متاخر الاسلام ہیں اور قتل کلاب میں تشدید و تخفیف کا واقعہ ابتداء اسلام کا ہے تو ان دونوں کو کیسے سات تو یہ چھوڑ دیا۔ علامہ عینی نے جواب دیا کہ ان دونوں حضرات نے کسی قدیم الاسلام سے سات اور آٹھ والی روایات کو سنا ہوگا اور پھر نقل کر دیا۔ دوسرا اعتراض ابن حجر نے کیا کہ آپ نے تین یا پانچ کا فتویٰ کیوں دیا ہوگا۔ اسکا جواب بھی علامہ عینی دیتے ہیں کہ یہ آپکے حافظہ کی تو بدگمانی ہے معصوم نے تو آپکے حافظہ کیلئے دعا فرمائی لہذا ہم ایسی بدگمانی کا اثر نہیں لیتے۔ تیسرا اعتراض ابن حجر نے کیا کہ حضرت ابوہریرہ نے ممکن ہے کہ تسبیع کو منسوخ سمجھا اور تین اور پانچ کا فتویٰ دیا ہو۔ حالانکہ حنفیہ اسکی تسبیع کے نسخ کے بھی قائل نہیں۔ علامہ عینی نے اسکا کوئی جواب نہیں دیا البتہ اسکا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ بعض فقہاء تسبیع کے نسخ کے بھی قائل ہیں۔ چوتھا اعتراض ابن حجر نے کیا کہ حضرت ابوہریرہ سے سات دفعہ والی روایت بھی منقول ہے اور تین اور پانچ والی بھی جیسا دو قسم کی روایات موجود ہیں تو یہ دیکھا جائیگا کہ کون مرفوع ہے اور کون موقوف۔ جو موقوف ہے مرفوع کے مخالف بنایا جائیگا اور سات والی حدیث مرفوع ہے لہذا اسکے ساتھ تین اور پانچ والی روایات لاحق کر دی جائیگی۔ اسکا جواب دیا گیا کہ ایسی صورت میں تین والی روایت کا بالکل متروک ہو جانا لازم آئیگا لہذا یہ کہا جائیگا کہ اسکی سات کی روایات عمل نسخ سے پہلے ہے۔ اولاھن بالتراب دوسری روایت میں اخراھن بالتراب اور تیسری روایت میں احداھن بالتراب ہے اولاھن والی روایت اولویت پر محمول ہے اور اخراھن والی جواز پر محمول ہے اور احداھن بھی اجزاء پر محمول ہے یعنی کفایت پر محمول ہے۔ اور جس حدیث سے آٹھویں مرتبہ سمجھ میں آتا ہے وعفروہ بالتراب کو ساتوں سے الگ سمجھا جائیگا لہذا مطلب یہ ہوگا کہ ساتوں مرتبہ مٹی اور پانی دونوں سے دھوئے۔ محقق ابن ہمام فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ کو نسخ کا علم تھا پھر بھی انکا تین کا فتویٰ دینا اسبات کی دلیل ہے کہ اب تسبیع منسوخ ہے۔

491
492 عنہ قال قام اعرابی فبال فی المسجد الخ // عن انس قال بینما نحن فی المسجد الخ 52/5
اعرابی کے نام میں تین قول ہیں (۱) ذوالخویصرۃ الیمانی (۲) اقرع بن حابس تمیمی (۳) عیینہ بن حصن
فزاری۔ جب پیشاب کرنے لگے تو لوگوں نے برا بھلا کہنا شروع کیا اسپر حضور نے فرمایا دعوہ یعنی
پیشاب کرنے دو اب درمیان میں نقصان ہوگا تا آپ نے بعد میں سمجھا دیا چنانچہ انکا ارشاد ہے انما ہی لذکر اللہ و
الصلوٰۃ وقراءۃ القرآن اسکے مختلف جواب ہیں جواب (۱) ممکن ہے کہ اگر انکو پیشاب سے
روکدیتے تو پیشاب کی تیزی کے سبب مرض پیدا ہو جاتا ہے جواب (۲) اگر اسیوقت انکا اٹھا دیتے
تو اسکی وجہ سے اور جگہ بھی ناپاک ہو جاتی جواب (۳) نیز اسکے تنفر سے بھی بچانا تھا۔
دوسری حدیث حضرت انس کی ہے جو اسی قصہ کے مضمون پر مشتمل ہے البتہ تطہیر کا طریقہ مستفاد ہے
اگر زمین ناپاک ہو جائے تو پاک کرنیکا طریقہ کیا ہے تو علماء حنفی فرماتے ہیں کہ زمین دو
حال سے خالی نہیں یا نرم ہوگی یا سخت۔ اگر نرم ہے تو اسپر پانی بہا دیا جائے وہ جذب
ہو جائیگا بس یہ طہارۃ کیلئے کافی ہے۔ اور اگر زمین سخت ہے تو پھر دو صورتیں یا برابر ہوگی
یا نہیں۔ اگر برابر نہیں بلکہ نیچی اونچی ہے تو اسکے قریب ایک گڑھا کھودا جائیگا اور زمین پر
پانی بہا دیا جائیگا اور وہ پانی اس گڑھے میں جمع ہو جائیگا اور اگر برابر زمین سخت ہے اسپر
اگر پانی ڈالیں تو تھوڑا سا جگہ گھومتا رہیگا اور بجائے تطہیر کے اور ناپاکی پھیل جائیگی تو ایسی
زمین کی تطہیر پانی سے نہیں ہوگی بلکہ اسکو ویسے ہی چھوڑ دیا جائیگا اور ہوا اور دھوپ سے
خشک ہو جائیگی۔ اور ایک صورت اسکی یہ ہے کہ اس زمین کو کھودا جائیگا اور وہ مٹی اٹھا کر
دوسری مٹی سے پاٹ دیا جائیگا۔ تیسری حدیث حضرت اسماء کی ہے اسمیں حیض کا خون لگ جائے
تو آپ نے فرمایا ثم لتنضحہ بماء نضح سے مراد غسل ہے یعنی اسکو کھرچ کر دھویا جائے تمام T3
علماء کا اجماع اسبات پر ہے کہ خون ناپاک ہے اور اسکو پانی سے دھویا جائیگا۔ حضرت عائشہ
کی ایک روایت ہے کہ خون جب لگ جاتا تھا تو تھوک سے پاک کر دیتی تھیں

494 عن سلیمان بن یسار قال سألت الخ عن الاسود و همام عن عائشۃ الخ T3
ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اگر منی لگ جائے تو اسکو دھویا جائیگا۔ علماء کا منی کے پاک اور
ناپاک ہونے میں اختلاف ہے۔ امام صاحب امام مالک نیز امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ منی
ناپاک ہے اور امام احمد کی دوسری روایت اور امام شافعی کے نزدیک منی پاک ہے
سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ منی ناپاک ہے لیکن نماز کا اعادہ نہیں ہوگا۔ حسن بصری کہتے ہیں
کہ منی ناپاک ہے لیکن اگر کپڑے پر لگی تو نماز کا اعادہ نہیں اور اگر بدن پر لگی تو نماز کا

494 استدلال ہے۔ شافعیہ استدلال کرتے ہیں اس کی عبارت یہ ہے حضرت عائشہ کی ایک حدیث سے کہ حضور 52/13
کی منی کو وہ کپڑے سے کھرچ کر دیتی تھیں نیز یہ منی اصل الانبیاء والاولیاء ہے لہذا
انبیاء کرام کی طرح منی بھی پاک ہے۔ ابن خزیمہ کی ایک روایت میں حضرت عائشہ کی
ہے کہ میں منی کو اذخر کے تنکے سے صاف کر دیتی تھی تو اگر ناپاک ہوتی تو اسکو دھونا ضروری ہوتا۔
حنفیہ کہتے ہیں کہ روایات مختلف ہیں بعض میں غسل کا ذکر ہے اور بعض میں فرک کا ذکر ہے
تو چونکہ اختلاف ہو گیا لہذا یہ دیکھا جائے گا کہ جب کبھی منی لگے تو نماز ہو سکتی ہے یا نہیں اور روایات ناطق
ہیں کہ جب کبھی منی لگی تو نماز نہیں پڑھی اگر پاک ہوتی تو ضرور پڑھ لیتے لہذا ثابت ہو گیا کہ منی ناپاک ہے
نیز جیسا کہ اصل الانبیاء ہے ایسے ہی اصل الاشقیاء والاعداء بھی ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ خون
مضغہ بھی تو انبیاء کا جزء اور اصل ہے حالانکہ وہ تمام کے نزدیک ناپاک ہے۔

دوسرا اختلاف اس کے طریق تطہیر میں ہے امام مالک کے نزدیک تو صرف غسل ہوگا اور اس کے علاوہ اگر
پاک کرنے کا کوئی طریقہ نہیں تھا۔ ہمارے اور امام احمد کے نزدیک اگر وہ منی خشک ہے تو فرک بھی کر دیا
جائے گا اور اگر تر ہے تو اسکو دھویا جائے گا۔ یہ تو آدمی کی منی کے متعلق اختلاف ہے اور حیوانات
کی منی کے اندر بھی علماء کا اختلاف ہے امام شافعی کے نزدیک کتے اور خنزیر کی منی ناپاک ہے
اور باقی حیوانات کے متعلق ان کے تین قول ہیں (۱) تمام کی منی طاہر ہے (۲) تمام کی منی ناپاک ہے۔
(۳) ماکول اللحم حیوانات کی پاک اور باقی کی ناپاک ہے۔ ہمارے نزدیک تمام منی ناپاک ہے خواہ
انسان کی ہو یا حیوان کی چونکہ منی ناقض ہے اور ہر ناقض وضو ناپاک لہذا منی بھی ناپاک ہوگی
نیز مجری البول سے جو چیزیں نکلتی ہیں وہ تین ہیں منی، مذی، ودی۔ اخیر کی دو تمام کے
نزدیک ناپاک ہے لہذا منی بھی ناپاک ہوگی۔ دوسری حدیث حضرت اسود کی ہے جو امام مالک کے
خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک طہارت منی صرف غسل سے ہوگی اور ہمارے مذہب کے موافق ہے۔

497 عن ام قیس بنت محصن انها اتت بابن لها صغیر لم یاکل الطعام الخ 52/17

ام قیس کا نام آمنہ یا جذامہ ہے۔ مقدمۃ الفتح میں علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ان کے لڑکے کا نام
واقف نہیں ہو سکا۔ وہ بچپن ہی میں مر گیا تھا کہ حضور کے پاس لائی ایسا بچہ جو کھانا وغیرہ نہیں کھاتا تھا
یعنی چھوٹا سا بچہ تھا ابھی اس قابل نہیں تھا کہ روٹی وغیرہ کھا سکے چنانچہ اس طعام سے دودھ مستثنیٰ ہے
امام نووی فرماتے ہیں کہ شہد اور کھجور بھی مستثنیٰ ہے کیونکہ عرب کا دستور تھا وہ اپنے بچوں کو شہد اور
کھجور کو چبا کے نرم کر کے کھلاتے تھے اس بچہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود مبارک میں پیشاب
کر دیا آپ نے منگا کر پانی پر چھینٹا دے دیا اسکو اچھی طرح دھویا نہیں ہے۔ اب یہاں سے مسئلہ پیدا ہوا

بچہ کا پیشاب پاک ہے یا نہیں اس لئے اس کو ذکر فرمایا۔ وجہ یہ کہ ثابت ہے کہ عام شوافع کا قول ناپاکی کا ہے
ابن بطال مالکی اور قاضی عیاض نے امام شافعی سے نقل کیا کہ وہ طاہر ہے لیکن امام نووی نے فرمایا کہ ان کی
جانب سے طہارت کا قول نقل کرنا غلط ہے۔ داؤد ظاہری کا مذہب ذکر کیا گیا ہے۔ امام احمد اسحٰق بن راہویہ
سے بعض حضرات نے نقل کیا ہے کہ بچہ کا بول پاک ہے اور بچی کا ناپاک ہے۔ یہ طہارت اور نجاست کا متعلق تھا اب
رہا دھونا اور نہ دھونا اس میں بھی اختلاف ہے۔ یہ اختلاف بھی دو حال سے خالی نہیں یا تو انہوں نے کھانا
کھانا شروع کیا ہے یا نہیں۔ اگر کھاتا ہے تو بالاتفاق دونوں کے پیشاب کو دھویا جائیگا اور اگر نہیں کھاتا تو اس
کے اندر امام شافعی کے تین قول ہیں (۱) بچی کے بول کو دھویا جائیگا اور بچہ کے بول پر چھینٹیں دی جائیگی
یہ مذہب امام شافعی اور امام اسحٰق بعد امام احمد کا ہے (۲) دونوں کے پیشاب میں نضح یعنی چھینٹا
دینا کافی ہے اسکو امام اوزاعی نے اختیار کیا ہے امام مالک و شافعی سے کہا اور روایت ہے (۳) دونوں
کے بول کو دھویا جائیگا یہی مالکیہ اور حنفیہ کا مشہور قول ہے۔ امام شافعی نے حدیث عائشہ
کی حدیث سے استدلال کیا جس میں ہے کہ بچی کا بول دھویا جائیگا اور بچے کے بول پر رش ہوگا۔
حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ بچہ کے بول میں نضح اور رش دونوں لفظ وارد ہوئے ہیں اور دونوں
غسل خفیف کے معنی میں آتے ہیں چنانچہ ابھی حضرت اسماء کی حدیث حیض کے خون کے بارہ میں
گذری اس میں نضح کا لفظ آیا ہے اور خون تمام کے نزدیک نجس ہے اور غسل ضروری ہے تو
معلوم ہوا کہ یہاں نضح سے غسل مراد ہے نیز ترمذی میں سہل بن حنیف کی حدیث ہے کہ مجھ کو مذی کثرت
سے آتی تھی اور غسل کرتا تھا مجھ کو تنگی تھی تو آپ نے فرمایا النضح فرجک اس سے بھی غسل
مراد ہے۔ مقداد بن الاسود کی حدیث نسائی میں ہے وہاں بھی نضح کا لفظ ہے جو غسل کے معنی
میں ہے۔ ایسے ہی رش کے معنی بھی غسل کے آتے ہیں چنانچہ حضرت ابن عباس کی روایت
بخاری میں ہے آپ نے غسل ارجل کے متعلق فرمایا ثم رش علیہا۔ ایسے ہی ترمذی میں حیض کے
متعلق ثم رشیہ بالماء ہے اور اس سے بھی غسل مراد ہے غرضیکہ حدیث میں جگہ دونوں کا معنی غسل کا آیا
لہذا دونوں کا غسل ضروری ہے اور یہی حنفیہ کا مشہور مذہب ہے۔ رہا یہ فرق والی حدیث تو سے
معلوم ہوتا ہے کہ بچی کا غسل ضروری ہے اس حدیث کا جواب کیا ہوگا اس کا جواب دیا ہے کہ
بول کے معنی میں ہے یعنی اسکو صاف اور ابھی پانی میں ہے ولم یغسلہ غسلا اس سے بھی معلوم
ہوا کہ مطلق غسل کی نفی نہیں ہے بلکہ تاکید غسل کی نفی ہے۔ ابتداء بچہ اور بچی میں تو فرق کیوں ہے جواب
امام طحاوی فرماتے ہیں کہ بچہ کا بول واسع نہیں اور بچی کا بول وسیع ہوتا ہے لہذا بچہ میں تھوڑا
دھونا کافی ہے اور بچی میں زیادہ دھونا ضروری ہے کیونکہ اس کی جگہ زیادہ نیز بچہ کا پیشاب ایک جگہ

497 ہوتی ہے اور بچی کے پیشاب میں عفونت ہوتی ہے۔ جو لڑکے ... امام شافعی سے کسی ایک شاگرد نے 52/17
دریافت کیا اس تفریق کا سبب تو آپ نے فرمایا الاولاد من آدم والبنات من حواء پھر پوچھا
سمجھے تو شاگرد نے انکار کیا آپ نے مطلب بیان فرمایا چونکہ آدم سے لڑکا پیدا ہوا اور آدم مٹی
سے پیدا ہوئے تو انمیں یبوست ہے اور لڑکی حواء سے ہے اور حواء خون وغیرہ سے پیدا ہوئیں
جسکی وجہ سے بچی میں یبوست نہیں بلکہ عفونت ہوتی ہے جو لڑکے ... ہوتی ہے
تو معلوم ہوا کیوجہ سے حکم میں تخفیف کر دیگئی ۱۲

498 عن عبد اللہ بن عباس قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا دبغ الخ 52/19
دباغت کے بعد مردار کے حکم میں اختلاف ہے علامہ عینی وغیرہ کا اتباع کرتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث
مولانا زکریا صاحب نے اپنی کتاب میں سات قول نقل کئے (۱) دباغت کے بعد تمام چمڑے پاک ہیں سوائے کتے
اور سور کے یہ قول حنفیہ ومن اخذ بہا کا یہ مذہب ہے امام شافعی حضرت علی اور ابن مسعود کا (۲) سارے
چمڑے ناپاک ہیں یہ اصح الروایتین ہے امام احمد کی اور امام مالک کی بھی ایک روایت ہے حضرت عائشہ
حضرت عمر اور حضرت ابن عمر سے بھی یہی مذہب نقل کیا گیا ہے (۳) ماکول اللحم حیوانات کا چمڑا دباغت کے بعد
پاک ہے اور غیر ماکول کا پاک نہیں یہ مذہب ہے عبد اللہ بن مبارک، اسحق بن راہویہ کا (۴) ظاہر تو
پاک ہو جاتا ہے اور باطن پاک نہیں ہوتا اور خشک اشیاء میں اسکا استعمال جائز ہے مائعات میں
جائز نہیں یہ مذہب ہے امام مالک کا (۵) تمام چمڑے پاک ہیں سوائے انسان کا اور خنزیر کا اول
کو احترام اور ثانی کو نجاست کیوجہ سے یہ مذہب ہے امام ... کا (۶) تمام چمڑے پاک ہیں خواہ وہ سور کے
کا ہی کیوں نہ ہو داؤد بن علی ظاہری کا مذہب ہے (۷) دباغت کے بعد اور دباغت سے پہلے بھی سب چمڑے
پاک ہیں یہ مذہب ہے امام زہری کا (۸) جو حیوانات زندگی میں پاک ہیں وہ دباغت سے پاک ہو جاتے
ہیں اور جو اپنی زندگی ہی میں ناپاک ہیں انکا چمڑا بھی دباغت کے بعد ناپاک ہی رہتا ہے اور یہ
اسمیں اختلاف مشکل ہے کیونکہ جانور اپنی زندگی میں طاہر یا غیر طاہر ہیں یہ ایک روایت ہے امام احمد کی
یہ شوکانی صاحب نے ... سے نقل ... پہلا قول امام شافعی کا تھا کہ کلب و خنزیر کے علاوہ
تمام پاک ہیں فرماتے ہیں کہ ان کے تمام اجزاء نجس ہیں اور باقی جو جانور رہ گئے چونکہ وہ دو قسم کے
ہیں ایک ماکول اور ایک غیر ماکول ماکول کا جواز تو حضرت میمونہ کی حدیث سے ہو گیا اسمیں بکری کا
دباغت کا ذکر ہے جو مضمون ثانی میں آ رہی ہے اور اسکی حدیث آگے سلمہ بن المحبق کی حدیث آ رہی ہے
جسمیں میتہ مطلق کا ذکر ہے اس سے غیر ماکول کا بھی ثبوت ہو گیا۔ دوسرا قول امام احمد وغیرہ کا
کہ تمام ناپاک ہیں۔ یہ استدلال کرتے ہیں عبد اللہ بن عکیم کی حدیث سے جسمیں ہے لا تنتفعوا من

448 الميتة بالا جب حضور نے انتفاع سے منع فرمادیا تو حکم دباغت کا ذریعہ طہارت کا حکم کیسے ثابت ہوگا - 52/19
تیسرا قول اسحق وغیرہ کا ہے وہ استدلال کرتے ہیں حضرت میمونہ کی بکری والی حدیث سے کہ اس کے اندر
بکری کا ذکر ہے جو ماکول اللحم ہے لہذا اس کے علاوہ غیر ماکول کا جائز نہیں ہے۔ چوتھا قول امام مالک
کا ہے جو استدلال کرتے ہیں اس حدیث سے جس میں حضور نے فرمایا اس سے نفع حاصل کرو یہ حکم
نہیں دیا کہ اس کے اندر نماز وغیرہ پڑھو اس سے معلوم ہوا کہ انتفاع ہی ہو جاتا ہے باقی نہیں
پانچواں قول امام شافعی کا ہے ان کا استدلال بہت سی احادیث ہیں جس میں دباغت طہارۃ کو ذکر کیا گیا ہے
جیسا خود اسی متن والی ابن عباس کی حدیث میں اذا دبغ الاہاب فقد طہر اور بعض احادیث
سے انسان اور خنزیر کا استثناء ہے - چھٹا مذہب داؤد ظاہری کا ہے وہ استدلال کرتے ہیں
سلمہ بن المحبق کی حدیث سے جس کے اندر مطلق میتہ کی اہاب کی طہارۃ کا ذکر ہے عام ہے خواہ وہ میتہ جس
قبیل الکلاب اور خنازیر او غیرہا ہو - ساتواں مذہب امام زہری کا ہے ان کا (مذہب) استدلال ایک
حدیث ہے جس میں حضورؐ سے ایک مری ہوئی بکری کی اہاب کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے فرمایا وہ طاہر
اور اس کے اندر دباغت وغیرہ کا ذکر نہیں ہے - آٹھواں مذہب امام احمد کا ایک معروف ہے وہ قیاس
کرتے ہیں بکری پر چونکہ وہ اپنی حیات میں پاک تھی تو اس پر طہارۃ کا حکم لگایا گیا لہذا جو بھی اپنی زندگی
میں طاہر ہیں ان کا اہاب بعد الدباغت پاک ہے - جواب تیسرا کا استدلال ہے اس کا جواب احناف حنفیہ کی جانب سے
امام شافعی کا استدلال کا جواب یہ ہے کہ حضورؐ نے انتفاع اور استمتاع کا قبل کی اجازت دی ہے اور انتفاع
کی اجازت دلیل ہے اس کے نجس العین نہ ہونے پر - امام احمدؒ کا جواب یہ ہے کہ دعا جابر عنہ ہو تو کہاں کو شئ
میں لہذا دباغت سے پہلے کا باب ہے جو ہمیں نہیں - اسحق وغیرہ کا جواب یہ ہے کہ اپنے بکری کا وقف
تمسک کیا ہے نیز سلمہ بن المحبق کی حدیث مطلق ہے ماکول و غیر ماکول سب لہذا اس تقیید کو مطلق پر تو
مقدم ہے - امام مالکؒ کا جواب یہ ہے کہ انتفاع عام ہے خواہ وہ کا نماز کا ذریعہ ہو یا پہننے کا
داؤد ظاہری کا جواب یہ ہے کہ سلمہ بن المحبق کی حدیث میں میتہ سے اہاب کا جو ذکر ہے اس سے مراد ہو
مراد ہے اور خنزیر وغیرہ کا جز ابد ہو تم نہیں ہوتا - امام زہری کا جواب یہ ہے کہ جس حدیث
سے زہری استدلال کرتے ہیں اس کے اندر دبغتموہ کا لفظ موجود ہے لہذا آپ کا یہ کہنا کہ اس کے اندر دباغت
کا ذکر نہیں ہے یہ غلط ہے -

449 عنہ قال تصدق علی مولاۃ لمیمونۃ بشاۃ فماتت فمر بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 20
مولاۃ سے کون مراد ہے؟ امام المحدثین حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ ابن منذہ نام ذکر نہیں کیا
معلوم نہ ہو سکا تو تشبیہ کی فرماتے ہیں اس باندی کا نام معلوم ہے اور ابن مندہ نے ذکر کیا ہے

499 حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس خادم کے نام میں اختلاف ہے بعض نے اس کا نام محرر اور بعض نے ثوبیہ بتلایا ہے 52/20
متفق علیہ روایت ہونے کا اور مسلم ہونا ہے کہ متفق علیہ ہے لیکن ابن جوزی نے ... انہ نعتموہ ازاد کیا

501 الفصل الثانی — عن لبابة بنت الحارث قالت كان الحسين بن علي في حجر (الخ) 23
اس حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت حسین نے آپ کی گود میں پیشاب کر دیا تھا۔ علماء نے بیان فرمایا کہ حضور کی گود
میں پانچ بچوں کا پیشاب کرنا ثابت ہے حسن حضرت حسین۔ عبد اللہ ابن الزبیر۔ ابن ام قیس بنت
محصن۔ زینب بنت ام سلمہ۔ شاعر نے کہا ہے ؎

قد بال فی حجر النبی اطفال حسن حسین ابن الزبیر بال وکذا سلیمان بن ہشام و ابن ام قیس فی الختام

حافظ ابن حجر نے ابن حبان سے نقل کیا ہے کہ سلیمان بن ہشام غلط ہے بلکہ سلیمان بن ہاشم ہے۔ نیز
مسند احمد میں مروی ہے کہ آپ کی گود میں ام حبیبہ بنت العباس کا بھی پیشاب کرنا ثابت ہے لہذا چھ ہو گئے

504 عن ام سلمة قالت لها امرأة انی اطیل ذیلی وامشی فی المکان۔ 53/1
اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک عورت نے اپنے دامن کے متعلق سوال کیا اگر اس پر نجاست لگ گئی تو آپ نے فرمایا
اگر نجاست خشک ہو چونکہ گندگی وغیرہ سے پاک ہے بعد راستے چلتے چلتے خود صاف ہو جاتا ہے
علماء نے کہا ہے کہ اگر نجاست خشک ہو تو وہ مسح کے ذریعہ صاف کر دیجائے لیکن تر نجاست کو دھونا ضروری
ہے لیکن قاضی ابو الولید باجی نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ انکی رائے یہ ہے کہ تر نجاست بھی مسح
سے صاف ہو جاتی ہے ـ

506 عن ابی الملیح بن اسامة عن ابیه عن النبی صلی الله علیه وسلم نهی عن جلود (الخ) 4
اس حدیث سے جلود سباع کے استعمال کا عدم جواز معلوم ہوا امام احمد اسی کو مستدل بنا کر
عدم جواز کے قائل ہیں لیکن جمہور کے نزدیک استعمال جائز ہے۔ علامہ ... فرماتے ہیں کہ اس
کا تعلق دباغت سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ بعد الدباغ وہ پاک ہے اور حضور نے مختلف وجوہ سے
منع فرمایا (۱) امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ جلود سباع دباغت کو قبول نہیں کرتے (۲) امام
ابو بکر بیہقی کہتے ہیں کہ دباغت کے بعد بھی بال باقی رہتے ہیں اس لئے ناپاک ہیں۔ (۳) یہ نہی
جلود غیر مدبوغہ کے متعلق ہے مدبوغہ کا یہ حکم نہیں ہے ـ

507 عن ابی الملیح انه کره ثمن جلود السباع رواه 6
اس کا مطلب ہے کہ ابو الملیح کو شاید اسی سے نہیں پہنچا ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی
طرف تو ... ہے اور ... جلود غیر مدبوغہ کا یہ حکم ہے ... مساجد ... کی
نہیں ملی ـ

508 عن عبد اللہ بن عکیم قال اتانا کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تنتفعوا الخ 53/6
یہ حدیث باب کا ناسخ ہے ان تمام احادیث کیلئے جن سے سمجھ میں آتا ہے کہ دباغت کے بعد پاک ہو جاتی ہے
اس بارے میں حدیث باب جو ہر باب کی دوسری سے چنانچہ حنابلہ کے علاوہ تمام ائمہ جو اس کا رد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ
اس سے استدلال سے پہلے جواز کا حکم دیا ہو۔ جو اس کا جواب ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ متن میں اضطراب ہے
بعض روایات میں ہے اتانا کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل موتہ بشہر آیا۔ بعض میں ہے
اور کسی میں اربعین یوما اور بعض میں قبل موتہ بثلثۃ ایام لہذا یہ حدیث ضعیف ہے۔ تیسرا جواب
یہ ہے کہ یہ حدیث منقول ہے اور جن سے جواز سمجھ میں آتا ہے وہ غیر منقول ہیں لہذا ان پر عمل
کیا جائیگا۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اہاب کا عدم جواز کو بیان کیا گیا اور اہاب بغیر دباغت کے
کہتے ہیں اور اس کے عدم جواز کے ہم بھی قائل ہیں۔ دوسری حدیث باب سے امام مالک استدلال
کرتے ہیں حضور نے صرف استمتاع کا حکم دیا اور وہ بچھانا وغیرہ ہو سکتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ انتفاع عام ہے
جس کے اندر تمام چیزیں داخل ہیں۔

510 عن میمونۃ قالت مر علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجال من قریش یجرون الخ 53/9
لو اخذتم یہ لو یا تو شرطیہ ہے یا تمنی کیلئے ہے۔ اگر شرطیہ ہے تو جزا محذوف ہو گی ای لکان خیرا لکم 10
اور اگر تمنی کیلئے تو کوئی شی کی ضرورت نہیں ہوگی۔ یطہرہا الماء والقرظ اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ 11
دباغت اگر دواؤں کے ذریعہ ہو تو اس سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے اور اسکا نام دباغت حقیقیہ ہے
اس کے اندر اختلاف ہے کہ اس کے علاوہ سے بھی دباغت ہو سکتی ہے یا نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک تشمیس یعنی
دھوپ کے ذریعہ اور تتریب یعنی مٹی کے ذریعہ سے بھی طہارت ہو سکتی ہے اور اس کا نام دباغت حکمیہ ہے۔
حنابلہ کے نزدیک تتریب اور تشمیس سے پاک نہیں ہوگی۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ شافعیہ کے
نزدیک تشمیس سے تو پاک نہیں ہوگا اور تتریب کے متعلق حافظ ابو الطیب فرماتے ہیں کہ دباغت
دینے والوں کو دیکھا جائیگا اگر رنگ بیان اسکا ذریعہ دباغت دیتا ہے تو جائز ورنہ اس سے
طہارت حاصل نہ ہوگی۔ مالکیہ کے نزدیک ہر اس شی سے دباغت حاصل ہو سکتی ہے جو اسکی بو کو
دور کر دے۔ جلد میں سے دباغت دیجاتی ہے اس کا پاک ہونا ضروری ہے یا نہیں۔ تو مالکیہ
کے نزدیک طہارت ضروری نہیں۔ حنابلہ کے نزدیک طہارت ضروری ہے۔ اور شافعیہ کے دونوں قول ہیں
حنفیہ کا مذہب معلوم نہ ہو سکا۔ دباغت حکمیہ کے بعد اگر وہ اہاب دوبارہ تر ہو جائے تو اس کی
نجاست لوٹ آئیگی یا نہیں۔ بعض کے نزدیک نہیں لوٹیگی اور بعض کے نزدیک نجاست لوٹ آئیگی
علامہ شامی فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ دباغت سے پہلے اسکو دھویا

510 گیا ہو ورنہ تو وہ پاک ہی ہے ملا علی قاری کے قول سے ایک شر تسم ہوتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک 53/11
ملاقی ہونا ضروری نہیں اور شافعیہ کے نزدیک ضروری ہے - حنابلہ سے دونوں قول ہیں - امام
شافعی جو تشمیس کے قائل نہیں ہیں تشریب کے قائل ہیں ان کا استدلال یہی حدیث ہے اس میں تشمیس کا
ذکر نہیں ہے اور وہ تشبیق بالادرمن الی القوۃ کا ذکر ہے ہاں تشریب سے طہارۃ ہوسکتی ہے - ہم کہتے
ہیں کہ آپ نے ان دونوں کو بطور نظیر کے بیان کر دیا ورنہ تمام صورتیں داخل ہیں - نیز ایک روایت
میں ہے کہ اذا دبغ الاہاب فقد طہر اور اس سے تعلق دباغت سمجھ میں آتی ہے - دوسری حدیث
سلمۃ بن المحبق کی ہے جو جمہور کا مستدل ہے جیسے عام ہے ماکول اور غیر ماکول سب کو شامل ہے .

512 الفصل الثالث :- عن امرأۃ من بنی عبد الاشہل الخ عن عبد اللہ بن مسعود قال الخ T3
اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مقام پر بو اور کیچڑ لگا ہوا ہو اور وہ پیر یا کسی جگہ پر لگ جائے
اور آگے صاف راستہ ہو اور وہ پیر کا کیچڑ وغیرہ اس سے صاف ہو جائے تو کافی ہے -
دوسری حدیث حضرت عبد اللہ بن مسعود کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ولا نتوضأ من الموطئ - موطئ در
اصل موطوء تھا اسم مفعول کا صیغہ اور مراد اس سے النجس الموطئ ہے یعنی وہ نجاست جو روندی
ہوئی ہو اور اگر اس کو مصدر میمی قرار دیا جائے تو الف لام مضاف الیہ کا عوض میں ہوگا اور
عبارت ہوگی وطی النجس - اس جملہ کے علماء نے مختلف مطالب بیان کئے (۱) ہم تجدید وضو
نہیں کرتے تھے صرف پیروں کو دھوتے تھے (۲) اگر خشک نجاست لگ جاتی تو ہم پیروں کو نہیں
دھوتے تھے (۳) اگر تر نجاست لگ جاتی تھی تو ہم پیر نہیں دھوتے تھے اور اس صورت میں موطئ سے
مٹی مراد ہوگی اس مطلب کو حافظ ولی الدین ابو زرعہ عراقی نے بیان کیا اور اول دو کو
مشہور علماء نے بیان فرمایا -

514 عن ابن عمر قال کانت الکلاب الخ عن البراء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ T6
اس حدیث میں کتوں کے آنے جانے اور نہ دھونے کا بھی تذکرہ ہے - بخاری کی بعض روایات میں
وتقبل وتدبر کا تذکرہ ہے - [illegible] میں اور ابو داؤد میں وتبول فی المسجد کی زیادتی
ہے - اس کی سند کے متعلق علامہ ابن قیم اغاثۃ اللہفان میں فرماتے ہیں کہ اسنادہ صحیح ہے
اس سے معلوم ہوگیا کہ یہ زیادتی درست ہے اور اسی زیادتی کے ذریعہ حنفیہ نے استدلال کیا کہ
زمین پر اگر نجاست گر جائے اور خشک ہو جائے تو پاک ہو جاتی ہے یہی ایک قول امام احمد
اور امام مالک کا اور امام شافعی کا قول قدیم ابو قلابہ ابن سیرین کا مذہب ہے - امام
شافعی کا قول جدید اور امام احمد و مالک کا دوسرا قول یہ ہے کہ وہ زمین خشک ہونے سے

پاک نہیں ہوتی۔ حافظ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ جو لوگ طہارۃ کے قائل ہیں وہ زیادہ صحیح ہیں ان لوگوں سے جو نجاست کے قائل ہیں۔ حنفیہ کا مستدل وہ حدیث ہے جس میں وضوء فی المسجد کا اضافہ ہے چنانچہ امام ابو داود نے ایک باب باندھا ہے باب طہارۃ الارض اذا اور اسکے اندر یہ حدیث ذکر کی۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے یہ کتے مسجد سے باہر جا کر پیشاب کرتے ہوں گے لیکن یہ احتمال بالکل غلط ہے۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ حضور نے ایک اعرابی میں فرمایا کہ اس پر پانی ڈالدو تو اس سے معلوم ہوا کہ خشک ہونے سے طہارۃ حاصل نہیں ہوگی بلکہ پانی کا استعمال ضروری ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ نے احد الطریقین کو اختیار کیا دوسری حدیث حضرت براء بن عازب کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ ماکول اللحم کا بول پاک ہے اسکے اندر تمام علماء کا اجماع ہے کہ انسان کا بول ناپاک ہے البتہ نابالغ کے مسئلہ میں جمہور کے نزدیک ناپاک اور داود ظاہری کے نزدیک پاک ہے۔ حیوانات کے اندر خواہ ماکول ہو یا غیر ماکول۔ داود کے نزدیک پاک ہے امام مالک امام احمد امام محمد امام زہری امام ثوری اور ابن ابن المنذر۔ عطاء بن ابی رباح کے نزدیک ماکول اللحم کا بول پاک ہے اور غیر ماکول کا ناپاک ہے امام ابو یوسف کے نزدیک ماکول اللحم کا بول تداوی کیلئے جائز ہے۔ جمہور کے نزدیک مطلقا حیوانات کا بول ناپاک ہے۔ جو لوگ طہارۃ کے قائل ہیں وہ اس حدیث سے اور عرنیین کی حدیث اور جابر بن عبد اللہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ جمہور کہتے ہیں کہ ابن خزیمہ کی ایک حدیث ہے استنزہوا من البول فان عامۃ عذاب القبر منہ۔ اور یہ حدیث عام ہے تمام حیوانات کے بول کو شامل ہے۔ اور عرنیین کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ انکی خصوصیت پر مشتمل ہے اور اس خصوصیت کو وحی کے ذریعہ آپ نے پہچانا ہوگا اللہ وحی کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوگئی ہوگی کہ یہ لوگ کافر ہونگے اور وہ ناپاک ہیں تو آپ نے ناپاک سے شفا کیوں رہنمائی فرمائی اور جو دوسری حدیثیں مستدل ہیں وہ نہایت ضعیف ہیں۔

ابو داود اور ابن
علیہ کے نزدیک
سوائے انسان کے
تمام حیوانات
کا بول پاک ہے

79

باب المسح على الخفين

اب تک اصل طہارۃ کو ذکر فرمایا تھا اب اسکے نائب کو ذکر کرتے ہیں لیکن مسح کیطرح تیمم بھی نائب ہے لیکن چونکہ اصل طہارۃ پانی کے ذریعہ ہوتی اور مسح بھی پانی کے ذریعہ ہوتی بخلاف تیمم کے اسلئے باب مسح الخفین کو مقدم کر دیا ہے۔ علی الخفین ابن عابدین شامی اور ان سے پہلے ملا علی قاری نے بیان فرمایا تثنیہ لاکر اشارہ کیا ہے اسبات کیطرف کہ صرف ایک خف پر مسح جائز نہیں ہے۔ مسح علی الخفین کے متعلق علماء کے اقوال عجیب سے منقول ہیں

اور اکثر ارجمی کہتے ہیں کہ جو مسح نہ کرے اس میں ایمان کا خوف کرتا ہوں۔ حضرت امام صاحب فرماتے ہیں کہ علامت اہل سنت کی یہ ہے کہ ان تفضل الشیخین وان تحب الختنین وان ترى المسح على الخفين۔ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں ما قلت بالمسح حتى جاءنی فیہ مثل ضوء النہار۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مسح کی روایات سے زیادتی علی الکتاب جائز ہے۔ مولانا عبد الحی نے سعایہ میں اس پر مفصل کلام کیا۔ مسح جوارب اور عدم جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔ داؤد ظاہری کے نزدیک جائز ہے۔ روافض جیسا ہم نے کہا کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ جمہور کے نزدیک جائز اور ثابت ہے۔ امام مالک کی تحقیق چھ روایات ہیں (۱) جائز نہیں (۲) جواز مع الکراہۃ (۳) بجواز بلا توقیت (۴) بجواز مع التوقیت (۵) بجواز للمسافر لا للمقیم (۶) بجواز للمقیم لا للمسافر۔ روافض کہتے ہیں کہ اصل وظیفہ ارجل مسح علی الارجل ہے اور مسح علی الخفین کا ان کے نزدیک کوئی اصلیت نہیں۔ اسی طرح وہ غسل ارجل کے بھی وجوب کے قائل نہیں لیکن غیر مقلدین کہتے ہیں ائمہ اربعہ کے نزدیک غسل ضروری ہے۔ حسن بصری۔ ابو علی جبائی۔ محمد بن جریر طبری کے نزدیک اسکو اختیار ہے خواہ وہ غسل کرے یا مسح کرے۔ داؤد ظاہری کے نزدیک جمع بین الغسل والمسح ضروری ہے۔ ائمہ اربعہ کہتے ہیں کہ حضور سے جتنی احادیث وضو کے بارے میں صحابہ نقل کی ہیں مثلاً حضرت عثمان غنی، حضرت علی، ابو ہریرہ، ربیع بنت معوذ وغیرہ نے جو وضو آپکی نقل فرمائی ہے تو ان تمام میں غسل ارجل کا ذکر ہے۔ آپ سے مسح کا کبھی ہونا تو حضور سے ثابت نہیں۔

روافض کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کا قول ہے وامسحوا برؤسکم وارجلکم اور ارجل پر کسرہ ہے اور اس پر عطف ہے تو وجوب مسح کا اثبات کا قائل ہو رہا ہے ہم مسح ارجل کے قائل ہیں نیز حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں مسح کے علاوہ اور کوئی شئی نہیں ہے ویابی الناس الا الغسل۔ نیز وضو کے اندر دو غسل ہیں اور دو مسح ہیں۔ جمہور کہتے ہیں کہ یہ روایات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی علاوہ ازیں جو روایات جو سنن میں موجود ہیں ان تمام میں غسل ارجل کا ذکر ہے نیز ابن عباس سے ثابت ہے کہ انہوں نے رجوع کر لیا۔ اور جہاں تک تعلق جر کا ہے جو ارجلکم پر جر جوار ہے جیسا کہ انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم تو عظیم پر جر ہے حالانکہ عذاب کی صفت ہے اور وہ منصوب ہے لیکن یوم کی وجہ سے مجرور ہو گیا۔ عبد الرسول احمد نگری نے اعتراض کیا کہ جر جوار میں عطف جائز نہیں ہے اور یہاں ارجلکم میں عطف ہے لہذا یہاں جر جوار نہیں ہو سکتا۔ حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ انکا یہ قول مشکل کی تحقیق نہیں ہے اس لئے یہ نہ سمجھا کہ عطف اعرابی اور لفظی ہے اور جوار کا تعلق فرماتے ہیں کہ جر جوار مع عطف کے بھی جائز ہے جس کے شواہد بہت سے اشعار عرب اور خود قرآن پاک کی آیات میں مثال کا موجود قرآن پاک میں سورۂ واقعہ

53/19

زیادہ وجوب غسل رجلین کا قائل الشوکانی لمکنون میں جو رہ ایک روایت میں آیا جو ہے اور جو اس کی وجہ
سے ہے۔ مسبعہ معلقہ کا ایک شعر ہے فظل طہاۃ اللحم من بین منضج ۔ صفیف شواء او
قدیر معجل ۔ قدیر کا عطف صفیف پر ہے جو کہ منصوب ہے لیکن قدیر کا کسرہ شواء کی وجہ سے
دیا اور آخر کے تو عطف ہو رہا ہے۔ جواب قاضی ابوبکر فرماتے ہیں کہ دو قراءتیں بمنزلہ
دو آیتوں کے ہیں لہذا حالت نصب کو تکشف پر محمول کریں گے اور حالت جر کو تخفف پر محمول
پر محمول کریں گے جواب چونکہ نصب اور جر دونوں قراءتوں کی وجہ سے آیت میں اجمال ہو گیا
لہذا اس کے بیان کی ضرورت ہو گی اور وہ آپ کے افعال و اقوال سے ہو گا اور آپ کے فعل کا تعلق
ہے تو آپ کا ہمیشہ غسل ارجل کا ثابت ہے اور مسح ارجل ایک مرتبہ بھی ثابت نہیں فرمایا
جواب ۳ علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ یہ منصوب ہے اور مغسولات میں سے ہے لیکن درمیان میں
ایک ممسوح کا ذکر کر دیا کیونکہ رجلین کا غسل میں اسراف کا وہم تھا تو اشارہ کر دیا ممسوح
کی طرح اس مغسول میں بھی اسراف نہ ہو ۔ پھر آپ استدلال کرتے ہیں کہ فعل کی ایک حدیث
سے کہ حضور نے چند ان لوگوں کو دیکھا جنہوں نے پیروں پر مسح کیا تھا اور ان کی ایڑیاں خشک
تھیں فرمایا ویل للاعقاب اگر مسح کافی ہوتا تو حضور وعید نہ فرماتے (۲) نیز مسح کا اندر
استیعاب شرط نہیں اگر مسح ہوتا تو کہیں پر خشک رہنے سے وعید نہ فرماتے ۔

517 عن شریح بن ھانیؒ قال سألت علی بن ابی طالب عن المسح علی الخفین الخ 20
اس حدیث پاک سے مسح کی توقیت معلوم ہوئی لیکن مسئلہ توقیت میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔
لیث بن سعد ۔ امام مالک کے نزدیک مسح موقت نہیں ۔ دوسرا قول امام مالک یہ کہ مسافر کیلئے
توقیت نہیں اور مقیم کے لئے توقیت ہے ۔ جمہور ائمہ حضرت علی حضرت شریح ابن ھانی وغیرہ کے
نزدیک مسح موقت ہے مسافر کیلئے تین دن تین رات ۔ اور مقیم کیلئے ایک دن ایک رات ۔
جو لوگ عدم توقیت کے قائل ہیں وہ استدلال کرتے ہیں ابن خزیمہ کی ایک روایت سے جو ابو داؤد
میں ہے کہ حضور نے مقیم کے لئے ایک دن ایک رات اور مسافر کے لئے تین دن تین رات کا مسح کا حکم
دیا اور اگر ہم زیادہ کہتے تو ولو استزدناہ لزادنا معلوم ہوا کہ اس مدت سے زیادہ بھی
جائز ہے اور وہ متعین نہیں کرتا ہے۔ جواب میں ۔ جواب یہ زیادتی حدیث کا کسی طرق
میں ثابت نہیں جواب ۲ حضرت ابراہیم تیمی ایک راوی ہیں جو اس زیادتی کے تو متفرد
ہیں لیکن وہ ثقہ نہیں لہذا یہ جواب ہو گا لفظ لو انتفاء ثانی کیلئے آتا ہے انتفاء اول کی
وجہ سے لہذا یہاں زیادتی منتفی ہے مطلب زیادتی کا انتفاء ہو جو سے اور یہ جو علم راوی کا

53/20 ظاہر ہے اور خفین کیلئے وضوء ضروری نہیں ورنہ اسکا کھلا ہونا ہے جو اشکال نمبر ۳ ہے جب دونوں متفق 517
ہیں تو حکم کا اثبات نہیں ہو سکتا ہے۔ دوسرا مسئلہ مالکیہ کا ابو عمارہ کی حدیث ہے وہ فرماتے
ہیں کہ میں نے حضور سے پوچھا میں ایک دن ایک روز کا مسح کروں آپ نے فرمایا ہاں میں نے کہا
تو دو دن دو روز کا مسح کروں آپ نے اسپر بھی ہاں فرمائی حتی کہ میں نے سات دن تک کی اجازت
مانگی اور آپ نے جو دیکھ فرمایا ہاں تو اس سے معلوم ہوا کہ ایک یا تین دن کی کوئی قید نہیں ہے
اسکا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کو علماء نے بغوی۔ امام دار قطنی۔ ابن قطان نے ضعیف قرار
دیا ہے اور یہ حدیث اس سلسلہ میں مجمل ہے کیونکہ اسکے تین راوی محمد بن یزید۔ ایوب
بن قطن۔ عبد الرحمن تینوں ضعیف اور مجہول ہیں۔ ایک مسئلہ اختلافیہ یہ ہے کہ مسح کتنا
ضروری ہے۔ حنفیہ کے نزدیک تین چھوٹی انگلی کے برابر اس حال میں کہ انگلیوں کو کھینچے اوپر
کی جانب کھینچے ورا اور۔ امام احمد کے نزدیک اکثر کا مسح ضروری ہے۔ امام شافعی کے نزدیک
مطلق مسح کافی ہے۔ امام مالک کے نزدیک استیعاب ضروری ہے۔

21 عن المغيرة بن شعبة انه غزا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم غزوة تبوك (۵) الخ 518
یہ حدیث حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔ انکے متعلق حضرت حسن بصری سے ابن عبد البر نے نقل
کیا ہے کہ دہاۃ العرب اربعۃ مغیرہ بن شعبہ۔ معاویہ بن ابی سفیان۔ زیاد بن امیہ۔ عمرو
بن العاص۔ دہاۃ داہی کی جمع ہے اس ذہین وفطین شخص کو کہتے ہیں جو اغلاط کے
مبادیات سے مقابلہ کا علم رکھتا ہو یعنی سیاستدان ہو۔ غزوہ تبوک سنہ ۹ھ میں انتقال کیا
اس حدیث کے اندر جملہ آیا ہے افرغ علی یدیہ اس سے سمجھ میں آیا کہ استعانۃ فی الوضوء
جائز ہے اور اسکی تین قسمیں ہیں (۱) وضو کے لئے صرف پانی دوسرے سے طلب کرے (۲) پانی
بھر وغیرہ دوسرے سے منگوائے یہ استعانت بلا ضرورت مکروہ ہے (۳) دوسرے سے پانی ڈلوائے
اور خود اپنے اعضاء کو دھوئے بعض کے نزدیک بلا ضرورت مکروہ ہے لیکن علامہ کرمانی کی رائے یہ ہے کہ
یہ جائز ہے اور حضور سے اسکا ثبوت ہے۔ بہر حال جب حضور نے چہرہ مبارک اور غسل یدین و مسح
راس فرمالیا اور رجلین کا نمبر آیا تو حضرت مغیرہ فرماتے ہیں کہ میں نے خفین مبارکین نکالنے لگا
25 تو آپ نے فرمایا رہنے دو فانی ادخلتهما طاهرتين یعنی میں نے طہارۃ پر انکو پہنا ہے پھر
مسح کر لیا۔ اب اس طہارۃ سے مراد ظاہریہ کے نزدیک طہارۃ لغویہ مراد ہے وضو مراد نہیں
کیونکہ انکے نزدیک مسح علی الخفین کیلئے لبس علی الطہارۃ شرط و ضروری نہیں ہے جمہور کے
نزدیک اس سے وضوء شرعی مراد ہے۔ ائمہ ثلثہ کے نزدیک لبس الکامل علی الطہارۃ الکاملہ شرط ہے اور

53/25 امام شافعی کے نزدیک طہارت کا حکم عند الحدث شرط ہے اور یہ اختلاف مبنی ہے وضو میں تسلسل و ترتیب 518
26 کے اختلاف پر ولیصلی بہم عبد الرحمن اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ امام کے ہوتے ہوئے بعض صورتوں
میں دوسرے سے امامت کرائی جاسکتی ہے لیکن یہ بات قابل لحاظ ہے کہ امام کا انتظار کم از کم
27 دس منٹ ضروری ہے فاومی الیہ یعنی وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر پیچھے ہٹنا چاہتے
تھے حضور نے اشارے سے منع فرمادیا چنانچہ وہ رک گئے۔ اب اشکال یہ ہے کہ ایک دوسری روایت
میں ہے کہ حضور اکرم بنی عمرو بن عوف میں صلح کیلئے تشریف لے گئے تھے نماز کا وقت ہو گیا تو حضرت
بلال نے حضرت صدیق اکبر کو امامت کیلئے کھڑا کر دیا جب حضور تشریف لائے تو حضرت ابوبکر نے پیچھے
ہٹنا چاہا حضور نے فرمایا کہ اشارہ سے منع کیا لیکن انہوں نے باوجود وہ پیچھے ہٹ گئے تو ان دونوں کا
عمل میں تعارض ہے اشکال دفعیہ السلام ہی پر کیا ہے کہ (۱) حضور کی ایک رکعت فوت ہو چکی تھی اس لئے
حضرت عبد الرحمن نہیں ہٹے اور وہاں کوئی نماز کی رکعت فوت نہیں ہوئی تھی اس لئے ہٹ گئے
لیکن ملا علی قاری اس جمع پر راضی نہیں۔ انہوں نے دوسرا جواب بیان فرمایا (۲) تصوف کے دو باب
ہیں ایک امتثال الامر دوسرا سلوک الادب تو حضرت عبد الرحمن پر اول باب غالب تھا
54/1 اور حضرت ابوبکر پر سلوک الادب کا غلبہ تھا فرکعنا الرکعۃ التی سبقتنا نماز جب شروع ہو چکی
ہوئی تھی تو مسبوق رہی رکعت فائتہ کو پہلے ہی پڑھتا تھا ایک بار حضرت معاذ آئے اور آپ نے
اپنی فائتہ رکعت کو امام کے سلام کے بعد پڑھا اس پر حضور نے صحابہ سے خطاب کر کے فرمایا قد سن
لکم معاذ سنۃ فخذوہ اس کے بعد سے یہی حکم ہو گیا۔

1 الفصل الثانی:- عن ابی بکرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ عن صفوان بن عسال الخ 519
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسح علی الخفین رخصت ہے لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ غسل افضل ہے
یا مسح افضل ہے۔ اسحٰق بن راہویہ، حکم بن عتیبہ، حماد بن سلیمان کے نزدیک مسح افضل ہے۔ امام
احمد اور امام شافعی کے نزدیک غسل افضل ہے البتہ شافعیہ کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ وہ مسح علی
الخفین کا بھی قائل ہو۔ امام احمد کی دوسری روایت یہ ہے کہ مسح و غسل دونوں برابر ہیں۔ ابن المنذر
وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ جو لوگ مسح علی الخفین کے قائل ہیں وہ استدلال کرتے ہیں کہ حضور نے
مسح فرمایا ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ عزیمت غسل رجلین ہے اور عزیمت افضل ہوتی ہے حضور نے بھی اکثر عمر میں
عزیمت پر عمل فرمایا ہے۔ دوسری حدیث حضرت صفوان بن عسال کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ اگر جنابت ہو جائے
تو نزع خفین ضروری ہے لہٰذا اگر پیشاب و پاخانہ ہو تو ضروری نہیں ہے لکن من غائط و بول انہ من غائط
متعلق ہے فعل محذوف کے اور یہ ان عبارات یہ ہو گی لکن لا ننزع من جنابۃ ولکن لا ننزع من غائط و بول الخ-

521 عن المغيرة بن شعبة قال وضأت الخ وعنه قال توضأ النبي صلى الله عليه وسلم ومسح الخ 54/5
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نے ظاہر و باطن خف پر مسح فرمایا۔ حنابلہ اور حنفیہ کے نزدیک صرف ظاہر
خف پر مسح ہوگا مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک ظاہر و باطن دونوں پر مسح ہوگا البتہ اگر صرف باطن پر
اکتفا کرے تو کافی نہیں۔ اشہب بن مالک کے نزدیک کافی ہے اور یہ حضرت مغیرہ کی اسی حدیث سے
استدلال کرتے ہیں۔ حنفیہ ائمہ ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں اور حضرت مغیرہ کی اس
حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس کی تمام لوگوں نے تضعیف کی ہے۔ دوسری حدیث بھی انہی کی ہے جس سے
مسح علی الجوربین کا ثبوت ہے۔ امام صاحب کے نزدیک ان دونوں کا منعل ہونا اور صاحبین کے نزدیک
ثخین (موٹا) ہونا جس سے تتابع مشی ممکن ہو مسح کے لئے ضروری ہے مگر امام صاحب کا رجوع صاحبین کے
قول کی طرف ثابت ہے اور اگر رجوع ثابت ہو تو والنعلین کے اندر واو کو مع کے معنی میں لیں گے
اور مسح علی الجوربین مع النعلین اور اگر رجوع ثابت ہے تو نعلین چونکہ وہ اس جیل کی طرح ہوتے
تھے لہذا ان پر مسح اس مذہب کے منافی نہیں ہے۔

524 الفصل الثالث:- عن المغيرة قال مسح وعن علي قال لو كان الدين الخ T5
حضرت مغیرہ کی حدیث میں جو اعرابی کا واقعہ ہوا ہے اس سے افضلیت مسح پر اگر کوئی استدلال کرے
اور جمہور کے نزدیک یہ اس جواز کے لئے ہوگا۔ دوسری حدیث حضرت علی کی ہے جس سے تائید ہوتی ہے
ان لوگوں کی جن کے نزدیک مسح ظاہر خف پر ہے۔

بَابُ التَّيَمُّمِ

T3

پہلے اصل طہارۃ اور اس کے بعد مسح خلیفہ کا بیان تھا جو استعمال ماء میں اصل کے شریک ہے اور
اب اس خلیفہ کا ذکر کرتے ہیں جو استعمال ماء میں اپنی اصل کے شریک نہیں لیکن
فقہاء کرام اس کا عکس کرتے ہیں اور تیمم کو مسح علی الخفین پر مقدم کرتے ہیں یہ وجہ بیان فرماتے ہیں
کہ تیمم اصل کا خلیفہ ہے کل اعضاء سے اور مسح خلیفہ ہے بعض اعضاء کا نیز تیمم کا ثبوت قرآن
وحدیث دونوں سے ہے اور مسح کا ثبوت علی قول الاصح صرف حدیث سے ہے۔

تیمم کے لغوی معنی قصد کے ہیں اور حج کے معنی بھی قصد کے ہیں لیکن حج کے معنی میں کچھ زیادتی ہے
وہ یہ کہ قصد الی معظم الشیٔ یا قصد مرۃ بعد اخریٰ۔ اور تیمم کے معنی شرعی ہیں قصد الصعید الطاہر لمسح
الوجہ والیدین لقصد استباحۃ الصلوٰۃ۔ تیمم کے اندر نیت شرط ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے
جمہور کے نزدیک نیت ضروری ہے۔ امام زفر اور امام اوزاعی کے نزدیک نیت ضروری نہیں
جمہور میں حنفیہ کے علاوہ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ تیمم کرنا عمل ہے اور کوئی عمل بغیر نیت کے

معتبر نہیں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک تیمم کی اندر دو حیثیتیں ہیں ایک افتتاح للصلوٰۃ ہونے کی اور ایک عبادۃ ہونے کی 524/13
اول حیثیت نیت کو مقتضی نہیں اور ثانی کا تقاضا ہے کہ اس میں نیت ہو چونکہ شوافع تیمم [illegible]
میں معتبر مانتے ہیں اس بنا پر تیمم میں نیت کا اعتبار ضروری ہے اور یہی جواب ہو جائیگا امام زفرؒ
کے استدلال کا۔ انکا استدلال تھا کہ جب وضو میں نیت شرط نہیں تو اسکا خلیفہ تیمم میں بھی نیت
ضروری نہیں اور جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ تیمم میں تو نیت کا معنی موجود ہے اور وضو میں کوئی
ایسے معنی نیت کے نہیں پائے جاتے جس سے اسکو معتبر مانا جائے۔ ایک مسئلہ یہ باقی ہے کہ تیمم کی ابتداء
کب ہوئی ہے حافظ ابن عبد البر کا مختار یہ ہے کہ اسکی ابتداء غزوۃ المریسیع میں ہوئی اور اس
غزوہ کے زمان وقوع میں چند قول ہیں اول ۴ھ میں واقع ہوا دوم ۵ھ سوم ۶ھ میں ہوا
اور واقعہ یہ ہوا کہ جب حضور غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے تو حضرت عائشہ ساتھ تھیں اور انہوں نے اپنی بہن
حضرت اسماء کا ہار لیا تھا جو وہاں کہیں گم ہو گیا تو آپ اسکی تلاش میں لگ گئے حتی کہ صبح کی نماز
کا وقت بالکل قریب ہو گیا اور اس جنگل بیابان میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ تھا حضرت ابو بکر حضرت
عائشہ کے پاس تشریف لائے اور کوکھ میں ایک مکا (گھونسہ) مارا کہ تم نے تمام لوگوں کو اور حضور کو
پریشان کر دیا حالانکہ یہاں پانی وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے اسپر آیت تیمم نازل ہوئی۔ دوسرا قول اسکی
ابتداء کے بارے میں یہ ہے کہ ۴ھ میں غزوۃ الرقاع میں اسکا آغاز ہوا۔ اور تیسرا قول علامہ ابن التین کا
ہے کہ غزوۃ الفتح میں ابتداء ہوئی۔

526 **الفصل الاول** :- عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضلنا علی الناس 54/13
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امت محمدیہ کی تین فضائل سے ہیں لیکن علامہ علی قاری نے لکھا کہ بثلث
کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں کیونکہ ان کے علاوہ اور بھی فضائل ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی
نے امت محمدیہ کی ستر فضائل بیان فرمائے۔ حافظ ابو سعد نیشاپوری نے شرف المصطفیٰ میں امت محمدیہ کی ساٹھ
فضائل بیان فرمائے ہیں۔ کصفوف الملٰئکۃ مقصد یہ ہے کہ [illegible] میں تصفیف اور برابر بیٹھنا نماز پڑھنے T4
میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو اس وصف کیساتھ ممتاز کیا ہے بخلاف امم سابقہ یہود و نصاریٰ
وغیرہ کہ وہ لوگ کیف ما اتفق عبادت کرتے تھے جعلت لنا الارض مسجداً اسپر اشکال ہوا T4
کہ یہ امت محمدیہ کی خصوصیت نہیں کیونکہ علامہ داودی نے نقل کیا کہ حضرت عیسیٰ جہاں بھی نماز کا
وقت آجاتا نماز پڑھ لیتے تھے لہذا اسکو خصوصیات میں ذکر کرنا غلط ہے۔ اسکے چند جواب ہیں

جواب ۱ :- حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امت محمدیہ کی خصوصیت ہے انکے علاوہ اور کسی کی نہیں

جواب ۲ :- داؤدی نے جو حضرت عیسیٰ کے متعلق یہ قول نقل کیا ہے اسکی سند بیان کیجئے۔

جواب نمبر ۳ — اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ امم سابقہ کی عبادت صرف اسی جگہ جائز تھی جہاں طہارت کا یقین ہو اور امت محمدیہ کو عام اجازت ہے کہ جس جگہ چاہے نماز پڑھ لیں۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کو صرف بیع و کنیسہ میں نماز پڑھنے کی اجازت تھی اور امت محمدیہ کو ہر جگہ اجازت ہے۔ تیسری خصوصیت یہ کہ پہلی امتوں کے لئے طہارت پانی کے ساتھ مخصوص تھی اس امت کو مٹی بھی جائز ہے اور امم سابقہ میں صرف پانی سے طہارت ہوتی تھی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین خصلتیں بیان ہوئی ہیں لیکن یہ واضح رہے کہ مسلم شریف میں ان خصوصیات کا ذکر کیا ہے وہاں خصلت اخریٰ اس سے معلوم ہوا کہ تین پر انحصار نہیں ہے ان کی تعداد ہو سکتی ہے اور تیسری اور ہے جس کو حضور نے ذکر کیا چنانچہ امام نووی کہتے ہیں کہ الارض کا مسجد و طہور ہونا ایک وصف ہے اور خصلت ثالثہ اور ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تلخیص حبیر میں ذکر فرمایا کہ ابوبکر بن ابی شیبہ نے جو کہ مسلم کے اس حدیث میں استاد ہیں انہوں نے خصلت ثالثہ کو اپنے مصنف میں ذکر فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ اوتیت ہولاء الآیات من خواتیم البقرة من کنز تحت العرش لم یعطهن احد قبلی ولا یعطاهن احد بعدی یعنی تیسری خصلت سورہ بقرہ کی آخری آیات ہیں۔ اس خصلت کو امام نسائی۔ ابن خزیمہ۔ ابن حبان۔ بزار۔ بیہقی۔ امام احمد نے بھی ذکر فرمایا ہے۔ اس حدیث سے استدلال کیا شافعیہ نے کہ تیمم میں صرف تراب ضروری ہے۔ تیمم کس چیز سے کیا جاسکتا ہے؟ امام شافعی امام احمد کے نزدیک صرف تراب سے کیا جاسکتا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک تراب اور رمل سے تیمم جائز ہے۔ امام اوزاعی۔ سفیان ثوری کے نزدیک زمین پر اگی ہوئی چیزوں سے جائز ہے۔ امام مالک کے نزدیک ہر اس چیز سے جائز ہے جو علی وجہ الارض ہو۔ حنفیہ کے نزدیک یجوز بکل ما کان من جنس الارض۔ متفقہ طور پر بیان کیا کہ اس بات کو پہچاننے کے لئے کونسی چیز من جنس الارض ہے تین چیزیں ضروری ہیں۔ اول جو جلتی نہ ہو، دوم پگھلتی نہ ہو، سوم زمین اس کو نہ کھائے۔ شافعیہ اس تخصیص والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ امام ابو یوسف نے ابو داؤد اور مسند احمد کی ایک حدیث سے استدلال فرمایا جس میں ہے کہ چند لوگ حضور کے پاس آئے اور پوچھنے لگے کہ ہم ایک ریتلی زمین میں رہتے ہیں دو دو ماہ پانی نہیں ملتا تو آپ نے فرمایا تم اپنی زمین کو لازم پکڑو تو معلوم ہوا کہ رمل سے جائز ہے اور صعید کا ذکر قرآن پاک کا اتفاقی ہے اس کے علاوہ سے جائز نہیں ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ چونکہ قرآن پاک میں تیمم کو صعید کے ساتھ مقید کیا اور صعید تعلق ہے زمین کا لہٰذا جو کچھ اس زمین پر ہے ان تمام سے جائز ہے۔ اسحٰق اور ابن راہویہ کہتے ہیں کہ چونکہ صعید میں الارض سبخہ (شور زمین) داخل نہیں ہے لہٰذا اس سے جائز نہیں ہے کیونکہ صعید تراب منبت کو کہتے ہیں۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ صعید کا اطلاق وجہ الارض پر آتا ہے اور

54/14

526 اسکے علاوہ تمام چیزیں جیسے حجر۔ رمال۔ تراب منبتہ غیر منبتہ سب داخل ہیں نیز حدیث میں ہے وجعلت لنا الارض اور ارض ہونیکی وجہ سے تمام کو شامل ہے خواہ وہ ارض سبز ہو یا غیر سبز ہو نیز آئندہ حدیث میں ہے ان الصعید الطیب وضوء المسلم۔ اور بخاری میں ہے حیث ما ادرکتک الصلوٰۃ اور نماز کی فوریت مختلف مقامات پر جانے سے ہوتی ہے لہٰذا کوئی مقام اور ارض خاص متعین نہیں ہے

عن عمران قال کنا فی سفر مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصلی بالناس فلما الخ

حضرت عمران فرماتے ہیں ایسا ہوا کہ حضور کے ساتھ ایک سفر میں تھے حضور نے تمام مجمع کو نماز پڑھائی لیکن ایک آدمی تنہا ایک طرف کو ہو گیا اور نماز نہ پڑھی جیسا کہ رجل معتزل علامہ سراج الدین بن ملقن فرماتے ہیں کہ یہ تنہا کھڑا رہنے والا شخص خلاد بن رافع انصاری ہیں لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی اسپر ناراض ہیں۔ بہر حال جب حضور نے نماز کے بعد پوچھا کہ تم نے نماز کیوں نہیں پڑھی تو انہوں نے فرمایا مجھے جنابت لاحق تھی اور پانی نہیں تھا تو آپ نے اسپر فرمایا کہ علیک بالصعید اسپر تمام اجماع ہے کہ حدث کیلئے تیمم جائز ہے لیکن جنبی کے متعلق حضرت عمر۔ ابن مسعود۔ ابراہیم نخعی۔ اسود وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ اسکو تیمم جائز نہیں ہے لیکن جمہور سلفا خلفا اور ایسے ہی تمام محدثین وفقہاء کا مذہب یہ ہے کہ جنبی کیلئے بھی تیمم جائز ہے۔ امام نووی نے حضرت عمر اور ابن مسعود کا رجوع نقل کیا ہے نیز بخاری کی دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنبی کیلئے تیمم کے جواز کے قائل تھے لیکن مصلحۃً منع فرمایا [illegible]

527 عن عمار قال جاء رجل الی عمر بن الخطاب فقال انی اجنبت 15

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نے ایک ضربہ سے چہرہ اور ہاتھ کا تیمم فرمایا لیکن عدد الضربات کے متعلق چار قول ہیں۔ ایک تو یہی جو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایک ضربہ ہو گا یدین اور وجہ کیلئے یہ مذہب ہے جمہور اہل حدیث امام احمد۔ عطاء بن ابی رباح۔ مکحول۔ اسحق بن راہویہ اور ابن المنذر دوسرا قول یہ کہ دو ضربہ ہیں ایک ضربہ للوجہ دوسرا ضربہ للیدین۔ امام ابو حنیفہ۔ امام مالک و شافعی سفیان ثوری۔ عبد اللہ بن مبارک۔ ابن عمر۔ جابر بن عبد اللہ۔ حضرت ابو ہریرہ۔ امام نخعی وغیرہ یہی مذہب ہے۔ تیسرا قول یہ کہ تین ضربہ ہیں۔ ایک وجہ کیلئے ایک یدین کیلئے اور ایک دونوں کیلئے۔ یہ مذہب ہے ابن سیرین کا اور بعض نے حضرت ابن المسیب سے بھی یہ مذہب نقل کیا ہے۔ چوتھا قول یہ کہ چار ضربات ہیں۔ دو ضربات للیدین یعنی چار ضربات ہیں اس قول کو علامہ عینی نے نقل فرمایا ہے۔ دوسرا مسئلہ اس حدیث سے پیدا ہوا کہ تیمم یدین میں کہاں تک ہو گا تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف کفین تک ہو گا کیونکہ اسکے اندر لفظ کفیہ وارد ہوا ہے اور بعض میں اور ایک میں بھی یہ لفظ وارد ہوا ہے چنانچہ یہی مذہب اور دلیل ہے امام احمد۔ اسحق بن راہویہ۔ ابن المنذر

54/15 حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک الی المرفقین ہے۔ امام مالک کی دو روایتیں ہیں ایک حنفیہ کے 527
موافق دوسری حنابلہ کے موافق اور یہ تیمم کا دو ضربات ہے۔ جبکہ الی الرسغین واجب ہے اور
الی المرفقین مستحب ہے۔ امام زہری کے نزدیک الی الآباط۔ حنابلہ کا دونوں مسئلوں میں استدلال یہ حدیث
والی حدیث اور اصل قصے کی بخاری کی بعض احادیث ہیں جنمیں فقط تم مسح کیا وجہہ وکفیہ تو اس سے
معلوم ہوا کہ ایک ہی ضربہ کافی ہے اور الی الرسغین ہے۔ حنفیہ اور شافعیہ کی دلیل پہلے مسئلہ میں یہ روایات
ہے موقوف ضربتان ضربۃ للوجہ وضربۃ للیدین اور اسی قسم کی روایات دار قطنی میں موجود ہیں اس سے
معلوم ہوا کہ تیمم میں دو ضربے ہیں۔ دوسرے مسئلہ میں سنن ابی داؤد میں حضرت عمار بن یاسر کی حدیث ہے وضربۃ للیدین
الی المرفقین اس سے دوسرا مسئلہ ثابت ہو گیا۔ حنابلہ کا استدلال جو بخاری کی روایات ہیں اس کا
جواب یہ ہے کہ ایک شخص کا ذکر ہے مسح کی نفی نہیں ہوئی۔ مطلب اور اشارہ تیمم کی۔ حضرت مولانا خلیل احمد
نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ آپ نے مسح کف سے پوری کیفیت تیمم بیان نہیں فرمائی بلکہ کیفیۃ کیطرف
اشارہ ہے۔ امام زہری کا استدلال جو حضرت عمار بن یاسر کی حدیث ہے جسمیں الی الآباط کا ذکر ہے
اس کا جواب یہ ہے کہ جب ابتداء تیمم کا حکم نازل ہوا تو کسی نے تیمم ذراعین تک اور کسی نے آباط تک
کسی نے رسغین تک کیا لہٰذا یہ ابتداء کا قصہ ہے لیکن بعد میں حضرت ابن عمر کی حدیث میں جو الی
المرفقین کا لفظ آیا ہے وہ باقی تمام کے لئے ناسخ ہوگا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ حضرت عمار کی
حدیث کا ثبوت ہوتا ہوگا یا نہیں۔ اگر ثابت ہوتا ہے تو ہم کو کوئی حرج نہیں اور اگر ثابت ہو جائے تو

21 عن ابی الجہیم بن الحارث بن الصمۃ قال مررت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ 529
اس حدیث میں ذراعین تک کا مسح کا ذکر ہے اس کا جواب ایک تو یہی ہے کہ یہ اشارہ الی الکیفیۃ
الی کل الکیفیۃ نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ الی المرفقین والی روایات ثقہ اور یہ روایات
سے اقوی ہیں اور ثقہ کا حکم ہوتا ہے اس لئے یہاں الی المرفقین والی روایات کا حکم ہوگی۔
تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث حسن نہیں ہے کیونکہ منقطع ہے نیز اس کا راوی ابراہیم ابن ابی یحییٰ
جو کہ حضرت امام شافعی کے استاد ہیں وہ متروک اور رافضی ضعیف ہیں۔

24 الفصل الثانی:- عن ابی ذر قال ان الصعید الخ عن جابر قال خرجنا فی الخ 530
اس حدیث میں جو لفظ وضوء المسلم آیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تیمم قبل از وقت جائز ہے 531
جیسا کہ وضو۔ لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے امام صاحبؒ۔ امام زہری۔ امام مزنی۔ داؤد ظاہری
ابن شعبان۔ سفیان ثوری۔ اور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ قبل از وقت جائز ہے۔ امام
مالک۔ امام شافعی اور امام احمد کی دوسری روایت یہ ہے کہ قبل از وقت جائز نہیں اور یہ

54/24 یہ اختلاف حنفیہ کے دو ائمہ کا اختلاف اس پر مبنی ہے کہ تیمم طہارۃ ضروریہ ہے یا طہارۃ مطلقہ۔ ساتر حدث ہے 530
یا رافع حدث۔ شوافع وغیرہ کے نزدیک چونکہ ساتر حدث اور طہارۃ ضروریہ ہے اور ضرورت کیونکہ وقت 531
کے بعد ہوتی ہے لہٰذا وقت کے بعد ہی جائز ہوگی۔ ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ خود پانی کے عدم میں ہونے
پر تو طہارۃ مطلقہ ہے جیسے وضو اور جیسے وضو قبل از وقت جائز ہے ایسے ہی یہ بھی جائز ہوگی۔
نیز جیسا کہ ارض طہور ہے اور پانی بھی طہور ہے تو جیسا پانی کو قبل از وقت استعمال کر سکتے ہیں تو
دوسرے کو بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ شافعیہ ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ اگر یہ طہارۃ مطلقہ ہوتی
تو رویت ماء سے نہ ٹوٹتی رہتا جواب یہ ہے کہ ہر شئی کا منتہا ہوتا ہے لہٰذا اس کی بھی انتہا ہوگی
اور وہ قدرت علی الماء ہے لہٰذا جب تک یہ شرط ہوگی تیمم جائز اور جب ختم ہو جائے وہ شرط تو وہ
بھی ختم ہو جائے گا۔ عشر سنین اس حدیث سے سمجھ میں آیا کہ منقطعا کیلئے بھی تیمم جائز ہے 26
کیونکہ یقیناً دس سال میں جنابت اور غسل کی ضرورت پڑتی ہے۔ دوسری حدیث حضرت جابر کی ہے
جس سے استدلال کیا گیا کہ تیمم رخصت ہے لیکن بعض کہتے ہیں کہ پانی کے عدم کی صورت میں
طہارۃ مطلقہ ہے لہٰذا اپنے وقت میں عزیمت ہوگی گو صحیح یہ ہے کہ رخصت ہے۔ حضور نے فرمایا کہ
کہ دوا اور بیماری کا شفاء سوال کرنا ہی ہے کیونکہ جہل مرض ہے اور علم اس مرض سے صحت
کا نام ہے اور علم سوال کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ سوال جاہل کیلئے شفاء یعنی
تحصیل علم کا ذریعہ ہے ان یتیمم ویعصب علی جرحہ اس حدیث سے شافعیہ نے استدلال کیا کہ
مسح اور تیمم میں جمع جائز ہے کیونکہ حضور نے فرمایا کہ اس کیلئے کافی تھا کہ تیمم کرتا اور مسح کرتا اپنے زخم
کی پٹی پر لیکن امام مالکؒ کے نزدیک جمع جائز نہیں ہے اور اس حدیث کا جواب دیتے ہیں کہ
یہ حدیث شافعیہ کے قاعدہ کے مطابق قابل استدلال نہیں کیونکہ یہ حدیث مسند ہے اور مرسل
سے ان کے نزدیک استدلال صحیح نہیں ہے جو کہ اس حدیث کا راوی زبیر بن خریق ضعیف ہے
جواب دوم ویعصب میں واو او کے معنی میں ہے گویا دونوں صورتوں کو حضور نے بیان فرما دیا کہ چاہے
تو تیمم کر لیتا اور خواہ مسح کر لیتا دونوں میں سے ہر ایک کافی تھا۔

55/2 عن ابی سعید الخدری قال خرج رجلان فی سفر فحضرت الصلوٰۃ 533

اگر تیمم کے بعد پانی پائے تو اسکی تین صورتیں ہیں (۱) پانی پانا نماز سے فراغت کے بعد اس صورت
میں کسی کے نزدیک بھی اعادہ نہیں ہے البتہ مکحول، عطاء بن ابی رباح۔ ابن سیرین کے نزدیک
وقت کے باقی رہنے تک اعادہ ضروری ہے (۲) نماز کے اندر پانی پا لیا اس صورت میں حضرات
حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک اعادہ ضروری ہے۔ امام مالکؒ و شافعی و داؤد ظاہری کے نزدیک اعادہ

533 ضروری نہیں (۴) علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ پہلے پانی ملنا مجبوری کا تو ذکیہ اعادہ ضروری ہے۔ ابو سلمہ 55/3
بن عبد الرحمن کے نزدیک اعادہ ضروری نہیں لیکن ملا علی قاری نے اعادہ پر اجماع نقل کیا ہے

535 الفصل الثالث:۔ عن ابی الجہیم بن الحارث الخ عن عمار بن یاسر 8

فلقیہ رجل اس سے مراد خود راوی حضرت ابو الجہیم بن الحارث بن الصمہ ہیں جیسا کہ امام شافعی کی روایت میں صراحتاً مذکور ہے۔ حضر میں امام کے نزدیک تیمم جائز ہے اور ائمہ اربعہ کے نزدیک حضر میں بھی تیمم جائز ہے سوائے امام زفر اور ابو یوسف کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ دوسری حدیث حضرت عمار بن یاسر کی ہے علامہ سندھی شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ الی المناکب اور الی الآباط کا مسح ابتداء میں جائز تھا پھر منسوخ ہو گیا ان کو نسخ کا علم نہیں تھا۔

باب الغسل المسنون 12

مؤلف علیہ الرحمہ نے اس سے قبل باب میں وضو اور غسل کے فرائض کو بیان فرمایا تھا اور تیمم کا ذکر کیا جو ان دونوں کا نائب تھا اب یہاں سے غسل مسنون کو بیان کرتے ہیں کیونکہ سنت کا درجہ فریضہ سے کم ہوتا ہے اور غسل کے اقسام مختلفہ کا ہے حالات مختلفہ کے ساتھ قبل میں ذکر آ گیا ہے۔

537 الفصل الاول:۔ عن ابن عمر قال الخ عن ابی سعید الخدری الخ عن ابی ھریرۃ قال 13

غسل جمعہ کا کیا حکم ہے؟ ظاہریہ امام احمد کی ایک روایت اور ابن المنذر نے امام مالک کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ غسل جمعہ کے دن واجب ہے۔ حنفیہ شافعیہ امام مالک کا مذہب اور امام احمد کی دوسری روایت یہ ہے کہ سنت مؤکدہ ہے۔ علامہ حلبی محقق ابن ہمام کے نزدیک مستحب ہے۔ علامہ ابن قیم نے حنابلہ سے نقل کیا ہے کہ اگر بدن میں بدبو آتی ہے تو فرض ورنہ مستحب ہے۔ ظاہریہ جن والی تینوں حدیثوں کو مستدل لاتے ہیں۔ اور ہماری دلیل حضرت سمرہ بن جندب کی حدیث ہے جسے مستدل لاتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے من توضأ یوم الجمعۃ فبہا ونعمت ومن اغتسل فالغسل افضل تو اس حدیث میں حضور نے غسل کو افضل قرار دیا ہے اور افضل کے اندر فضیلت مع الزیادہ ہوتی ہے اور یہ مستلزم ہوتا ہے کہ المفضول میں بھی کچھ نہ کچھ فضیلت ہو اس سے معلوم ہوا کہ وضو میں بھی فضیلت ہے۔ ابن عدی انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے حکم فرمایا غسل کا جب سردی آ گئی تو صحابہ نے عرض کیا کہ حضور اب سردی آ گئی ہے تو آپ نے فرمایا کہ غسل بہتر ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت عثمان تشریف لائے تو حضرت عمر نے فرمایا کہ آپ لوگوں کو جب خطبہ شروع ہو جاتا ہے تو آتے ہیں تو جواب میں حضرت عثمان نے فرمایا میں بازار گیا تھا اب آیا ہوں وما فعلت الا الوضوء۔ حضرت عمر نے فرمایا اچھا صرف وضو ہی سے بھی اکتفا کیا تو دیر سے آئے اور پھر صرف وضو ہی کیا حالانکہ حضور تو غسل کا حکم

537 55/13

دیتے تھے لیکن اتنا فرمایا کہ تمام صحابہ کی موجودگی میں۔ اگر حضور کا امر بالغسل وجوبی ہوتا تو حضرت عمر بھی اس فرماتے اور آپ کے علاوہ بہت سی احادیث ہیں جو ان مضمون حدیثوں کی معارض ہیں۔ اور جب کوئی حدیث دوسری حدیث کے معارض ہو جاتی ہے تو اس سے استدلال وجوب پر نہیں ہو سکتا لہذا ظاہریہ کا وجوب پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ ہمارے استدلال کا ایک طریق ہوا جس کا نام طریق المعارضہ ہے۔ دوسرا طریق طریق نسخ ہے یعنی یہ احادیث حضرت سمرہ بن جندب کی حدیث سے منسوخ ہو گئی ہیں۔ اور دوسری احادیث سے معلوم ہوا کہ غسل کا حکم ایک علت کی وجہ سے تھا اور اب منسوخ ہے۔ رہا حدیث میں جو وجوب کا لفظ وارد آیا ہے اس کا معنی ثبوت میں آیا ہے جیسے روایت وتر حقا بالسنۃ ہے۔ جو لوگ غسل جمعہ کا استحباب کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ بعض احادیث مفید الوجوب اور بعض اس کے معارض ہیں لہذا وجوب سے کم رہا استحباب کا درجہ ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اگر موجب غسل در پیش ہو گا ورنہ مستحب وہ لوگ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضور نے علت منصوص کی وجہ سے غسل کا حکم دیا ہے لہذا جب یہ علت پائی جائے یہ معلول کا وجود واجب ہے ورنہ نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ جب نسخ وارد ہوا ہے تو کسی خاص فرد پر وارد نہیں ہوتا۔ دوسرا اختلاف احناف میں مسئلہ یہ غسل فی یوم الجمعہ کس کے لئے ہے۔ جمہور کے نزدیک تو غسل للصلوٰۃ ہے۔ حسن بن زیاد۔ امام ابو یوسف کے نزدیک غسل للجمعہ ہے۔ حضرت شیخ نوّر فرماتے ہیں کہ اس فصل میں حضور نے تین غسلوں کا ذکر فرمایا ہے اول غسل للصلوٰۃ جو کہ ابن عمر کی حدیث سے معلوم ہوا کیونکہ اذا جاء احدکم الجمعۃ میں جمعہ سے صلوٰۃ جمعہ مراد ہے۔ دوسرا غسل غسل یوم الجمعہ ہے جو حضرت ابو سعید خدری کی حدیث سے معلوم ہوا۔ اور تیسرا غسل غسل الاسبوع ہے کہ ہفتہ میں ایک مرتبہ نہانا چاہئے اور یہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے معلوم ہوا اور آپ کے اکثر اوقات قیود سے خالی ہیں اور جن روایات میں یوم جمعہ کی قید ہے وہ یا تو راوی کی جانب سے ہے یا اشرف الایام ہونے کی وجہ سے ذکر کر دیا ہے۔ اور اوپر جو تمام اختلاف غسل کے بارے میں گذرا وہ غسل للصلوٰۃ سے متعلق ہے۔

540 16

الفصل الثانی: - عن سمرۃ بن جندب قال من توضأ یوم الجمعۃ الخ

حضور نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن وضو کرے فبھا ونعمت۔ آپ کے لفظ فبہا میں بیان کی جانے والی ہے ترکیب اعراب کے متعلق سنو۔ جمہور کی روایت تو نَعِمْتَ بفتح النون وسکون العین ہے دراصل نَعِمَتْ بکسر العین تھا لیکن تخفیفاً عین کو ساکن کر کے نون کو کسرہ دے دیا۔ امام نووی نے علامہ غلبی سے نقل کیا ہے کہ یہ نَعِمْتَ بصیغۃ الخطاب ہے جس کے معنی ہیں کہ اللہ تجھے نعمت میں رکھے اس کے دعائیہ کا جملہ رہا آپ کے لفظ فبہا نیتہ۔ — فلفظ فبہا کا ضمیر سنۃ کی طرف راجع ہے ای فبالسنۃ اخذ و نعمت السنۃ یعنی علامہ ابن ہمام نے یہی بیان کی اور اس کے علاوہ خطابی کا نقل فرمایا ہیں۔

540 مطلب ۲: فبالسنة اخذ ونعمت الرخصة - ابو حامد شافعی نے یہ مطلب بیان کیا۔ 55/16

مطلب ۳: فبالسنة اخذ ونعمت الخصلة - اسکو بھی علامہ قسطلانی نے بیان کیا ہے۔

مطلب ۴: فبالفریضة اخذ ونعمت الفریضة - بعض حضرات شافعیہ نے یہ معنی بیان فرمائے۔

541 عن ابی هریرة من غسل میتا الخ وعن عائشة ان النبی صلی الله علیه وسلم کان الخ 18

ان دو حدیثوں سے دو مسئلے معلوم ہوئے، ایک تو غسل من غسل المیت، دوسرے وضو من حمل المیت۔ دونوں مسئلوں کے اندر علماء کا اختلاف ہے۔ پہلے مسئلے کے اندر حضرت سعید بن جبیر، ابوہریرہ، امام مالک کی ایک روایت اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ غسل واجب ہے لیکن امام شافعی نے شرط لگا دی کہ اگر حدیث ثابت ہو جائے۔ امام شافعی کا قول جدید، امام مالک کی دوسری روایت، امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ غسل مستحب ہے۔ حضرات حنفیہ کے نزدیک ائمہ کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں مستحب ہے کہ غسل کر لے ورنہ واجب نہ مستحب ہے نہ واجب ہے لیکن حنفیہ میں سے امام محمد نے تو یہ کہا کہ اگر اسکو جنبیت وغیرہ نہ ہو تو غسل کرنا چاہئے۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ غاسل جو غسل کرے گا اسکا منشا کیا ہے، بعض کے نزدیک میت کو ہوا کا ... جیسا اسکو معلوم ہے کہ یہ غسل کرنا ہے تو وہ اسکو اچھی طرح غسل دیگا جنبیت وغیرہ کا خیال نہ کرے گا۔ بعض نے کہا کہ اسکا منشا خود غاسل کی ذات ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اسکے بدن پر پانی کے چھینٹے پڑے ہوں لہذا نظافت کے لئے غسل کر لیگا۔ دوسرے مسئلے میں علامہ خطابی، ابن المنذر وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ وضو مستحب ہے لیکن بعض ظاہریہ جیسے ابن حزم وغیرہ کے نزدیک وضو واجب ہے۔ حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ میت کو اٹھانا چاہے تو پہلے سے اسکو وضو کر لینا چاہئے اور نماز کے لئے تیار رہنا چاہئے تاکہ وہ نماز کے وقت بھاگتا نہ پھرے۔ مولانا عبد الحی فرماتے ہیں کہ ترمذی میں ومن حمله فلیتوضأ ہے جس سے معلوم ہوا کہ حمل کی وجہ سے وضو کرنا چاہئے اور آپ کے قول کا مطلب کہ حمل سے پہلے وضو کر لینا چاہئے لہذا یہ مطلب بیان کرنا غلط ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ ترمذی کی روایت بالمعنی ہے۔ دوسری حدیث حضرت عائشہ کی ہے جسمیں چار غسلوں کا ذکر ہے۔ اول غسل جنابت جو بالاتفاق تمام کے نزدیک فرض ہے، دوسرا غسل جمعہ جسکی بحث گذر چکی، تیسرا غسل حجامت جسکے متعلق امام نووی، ملا علی قاری نے لکھا کہ مستحب ہے اور حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ امام صاحب سے دو روایتیں ہیں، ایک استحباب، دوسری روایت یہ کہ نہ مستحب نہ فرض۔ چوتھا غسل میت ہے جسکا تذکرہ ابھی آچکا ہے۔

543 عن قیس بن عاصم انه اسلم فامره النبی صلی الله علیه وسلم ان یغتسل الخ 21

اس حدیث سے غسل بعد الاسلام کا ثبوت ہوا ہے، اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے۔ امام مالک، امام ثوری

543

56/21

امام احمد وغیرہ کے نزدیک اسلام کے بعد غسل واجب ہے خواہ اس پر پہلے سے فرض ہوا ہو یا نہیں یا اسلام لانے سے
پہلے غسل کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ حنفیہ شافعیہ کے نزدیک دو حال سے خالی نہیں یا تو اسلام لانے سے پہلے
اس کو کوئی موجب غسل پیش آیا ہوگا یا نہیں۔ اگر پیش نہیں آیا تو اسلام کے بعد غسل مستحب ہے اور اگر
موجب غسل پیش آیا تو دو حال سے خالی نہیں یا اسلام لانے سے پہلے وہ غسل کر چکا ہے یا نہیں۔ اگر اسلام
سے پہلے غسل کر چکا تو اس صورت میں شافعیہ کے یہاں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ اسلام کے بعد بھی غسل لازم
ہے اور یہ اکثر کے یہاں صحیح اور راجح ہے کیونکہ ان کے نزدیک نیت شرط ہے اور اسلام سے پہلے کافر کی
نیت کا اعتبار نہیں اور دوسری روایت یہ ہے کہ غسل ضروری نہیں اور حنفیہ کے متعلق ابن قدامہ نے
امام محمد سے نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا کہ حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں غسل ضروری ہے کیونکہ اول تو
وہ پورا غسل نہیں کرتا اور اگر غسل کرتا ہے تو ان کو غسل کرنا ٹھیک نہیں آتا لہذا ان کے غسل کا کوئی
اعتبار نہیں۔ اور اگر اسلام لانے سے پہلے موجب غسل کے وقت سے غسل نہیں کیا تو شافعیہ کے نزدیک
غسل واجب ہے اور ابو سعید اصطخری کے نزدیک واجب نہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ یہی شافعیہ کا
مذہب ہے لیکن ہمارے نزدیک اس کے اندر تفصیل ہے جو کہ ایک مسئلہ کی تمہید پر موقوف ہے وہ یہ کہ
احناف کے اندر اس بات میں اختلاف ہے کہ کفار فروع کے مخاطب ہیں یا نہیں۔ اس میں تمام کا
اتفاق ہے کہ اصول کے مخاطب ہیں اور فروع کے بارے میں مشائخ سمرقند کہتے ہیں کہ مخاطب نہیں اور
دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ مخاطب ہیں پھر اس کے بعد اس میں اختلاف ہے کہ کس اعتبار سے مخاطب ہیں
مشائخ بخارا کے نزدیک اعتقاد کے اعتبار سے اور مشائخ عراق کے نزدیک ادا اور اعتقاد کے اعتبار سے مخاطب
ہیں اور اختلاف کا ثمرہ یہ ہوگا کہ مشائخ سمرقند کے نزدیک فروع کے وجوب پر مواخذہ نہ ہوگا اور مشائخ
بخارا کے یہاں ترک اعتقاد کی وجہ سے مواخذہ ہوگا اور مشائخ عراق کے یہاں اعتقاد کے
ساتھ ترک ادا پر بھی مواخذہ ہوگا جب یہ مسئلہ معلوم ہو گیا تو اب سنئے! جن لوگوں کے نزدیک
وہ فروع کے مخاطب ہیں تو ان کے نزدیک اگر اسلام لانے سے پہلے غسل کر لیا تو ادا ہو جائے گا اور
اسلام کے بعد ضروری نہیں ہے اور جو لوگ خطاب کے قائل نہیں ان کے نزدیک اسلام سے پہلے ادا
نہ ہوگا لہذا اسلام لانے کے بعد غسل واجب ہے۔ محقق ابن ہمام نے تحریر الاصول میں بیان
فرمایا ہے کہ یہ مشائخ کا اختلاف استنباط کے اعتبار سے ہے ورنہ امام رحمۃ اللہ علیہ کا اس
بارے میں کوئی قول نہیں۔ دوسری حدیث حضرت عکرمہ کی ہے جو محتاج توضیح نہیں۔

56/2

باب الحیض

مناسبت: اس باب کی مناسبت ابواب ماضیہ سے بیان فرماتے ہیں کہ موجب غسل سے تو پہلے غسل مسنون کا ذکر تھا اب غسل واجب کا ذکر ہے لیکن حضرت شیخ کے نزدیک اس سے اچھی مناسبت یہ ہے کہ پہلے ورقوں میں وضو اور غسل کے ان احکام کا ذکر تھا جنمیں مرد و عورت سب شامل ہیں اور اب ان احکام کا ذکر ہے جو صرف عورتوں کو داخل ہے اور اعم مقدم ہوتا ہے اخص پر۔

حیض کے معنی لغت میں بہنا ہے تین قول علماء نے نقل کئے اول سیلان دوم تعلق دم کو کہتے ہیں سوم اجتماع الدم کو کہتے ہیں اور حوض بھی اسی سے ہے کیونکہ اس کے اندر پانی جمع ہوتا ہے۔ اور اصطلاح میں کہتے ہیں اس خون کو جو ارحام سے خاص زمانہ خاص میں نکلے۔ اب یہ کہ حیض کی ابتدا کب ہوئی ہے جمہور بخاری و مسلم میں ہے کہ جب حج میں حضرت عائشہ کو حیض آیا تو آپ نے فرمایا کہ ان ھذا شیء کتبہ اللہ علی بنات آدم۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کی ابتداء اول آفرینش سے ہے۔ امام بخاری نے دوسرے علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے حیض بنی اسرائیل میں بھیجا گیا۔ ابن المنذر وغیرہ نے کہا ہے کہ جب حواء علیہا السلام نے درخت کھایا تھا تو اس سے پانی نکلا تو رب اللہ تعالیٰ نے فرمایا جیسے تو نے اس درخت سے پانی نکالا ہے میں بھی تجھ سے خون نکالوں گا۔ اب یہ کہ حضور کا قول اور امام بخاری نے جو دوسرے علماء کا قول نقل کیا ہے دونوں کے اندر تعارض ہے اس کا جواب امام بخاری نے یہ دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول راجح ہوگا۔ ابن التین نے دونوں کے اندر اس طرح جمع کیا کہ بنات آدم سے بنی اسرائیل کی اولاد مراد ہے۔ حافظ عسقلانی نے جمع فرمایا کہ پہلے سے استمرار نہیں تھا بنو اسرائیل کی شرارت کی وجہ سے انہیں استمرار کر دیا گیا۔ ترکیب: مسئلہ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ اقل مدت حیض کیا ہے؟ امام صاحب، سفیان اور جمہور کے نزدیک اقل مدت تین دن تین رات ہے۔ امام شافعی امام احمد کے نزدیک ایک دن ایک رات ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ لا حد لاقلہ۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ دو دن اور تیسرے دن کا اکثر حصہ۔ امام صاحب کے نزدیک اکثر مدت حیض دس دن ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک پندرہ دن ہے اور دوسرا قول ان کا یہ ہے کہ سترہ دن ہے۔ امام مالک کا بھی ایک روایت یہی ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ اٹھارہ دن ہے اور تیسری روایت امام مالک کی [illegible] ۱۵ ، ۱۳

545

الفصل الاول:- عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال ان الیہود کانوا اذا

لم یجامعوھن: علامہ سندی فرماتے ہیں کہ اس سے وطی مراد نہیں کیونکہ آگے فی البیوت آ رہا ہے بہر حال صحابہ نے حضور سے سوال کیا اور سوال کرنے والے سب سے پہلے ثابت بن الدحداح ہیں۔ اسید

2

3

یہ آیت کریمہ نازل ہوئی **ویسئلونک عن المحیض** امام نووی نے کہا ہے کہ اس آیت کریمہ میں لفظ محیض مستعمل ہوا ہے اور دونوں جگہ اس سے حیض مراد ہے لیکن بعض نے اس سے فرج اور بعض نے اس سے زمان حیض مراد لیا ہے لیکن امام نووی نے شرح مہذب میں لکھا ہے کہ یہ دونوں معنی غلط ہیں کیونکہ آگے ارشاد ہے قل ہو اذی اور اذی کا محل نہ فرج ہو سکتا ہے اور نہ زمان حیض ہاں لیکن جو لوگ یہ معنی بیان کرتے ہیں وہ تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہو اذی میں مضاف محذوف ہے ای ہو محل اذی وغیرہ لہذا امام نووی کی تغلیط غلط ہے۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور نے فرمایا کہ
3 **اصنعوا کل شیئی الا النکاح** یعنی زمان حیض میں عورتوں سے جماع نہ کرو باقی تمام چیزوں کی اجازت ہے۔ زمان حیض میں عورتوں سے فرج کے اندر وطی کرنا تمام علماء سلف وخلف کے نزدیک حرام ہے اور حدیث کا منکر کافر ہے اور اگر اس نے بغیر علم کے جماع کر لیا تو گنہگار ہوگا اور اگر جان بوجھ کر جماع کیا لیکن حدیث کا منکر نہیں تو اس پر استغفار واجب ہے امام اعظم، امام شافعی کے قول جدید امام مالک۔ ابن ابی ملیکہ۔ عطاء بن ابی رباح۔ ربیعۃ الرائے۔ ثوری۔ زہری۔ لیث بن سعد کے نزدیک اور داؤد ظاہری۔ اسحق بن راہویہ۔ ابن عباس۔ ابراہیم نخعی۔ سعید بن جبیر حسن بصری۔ قتادہ۔ امام احمد وغیرہ کے نزدیک اس پر کفارہ واجب ہے۔ اب یہ کہ کیا چیز کفارہ میں دے اس کے اندر بھی اختلاف ہے سعید بن جبیر، حسن بصری کے نزدیک اعتاق رقبہ اور دوسرا قول حسن بصری کا یہ ہے کہ اس پر کفارہ ہے جو رمضان میں روزہ قضا کرنے سے واجب ہوتا ہے۔ اسحق بن راہویہ کہتے ہیں کہ ابتداء حیض کے اندر اگر جماع کیا تو ایک درہم اور انتہاء حیض میں اگر جماع کیا تو نصف درہم واجب ہوگا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اگر دم احمر ہے تو ایک درہم اور اگر دم اصفر ہے تو نصف درہم واجب ہے۔ ابراہیم نخعی کے نزدیک اگر خون میں زور ہے تو ایک دینار اور اگر ضعف ہے تو نصف دینار واجب ہے۔ امام احمد کے نزدیک دینار اور نصف دینار میں اس کو اختیار ہے اور امام شافعی کے نزدیک قول قدیم کا اعتبار ہے ان کان دم احمر فدینار وان کان اصفر فنصف دینار اور یہ لوگ استدلال کرتے ہیں حضرت ابن عباس کی حدیث سے جس میں ہے کہ فلیتصدق بدرہم او نصف درہم۔ امام نووی نے اس حدیث کا جواب دیا کہ یہ ضعیف ہے لیکن ہم نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس حدیث میں اضطراب ہے سند و متن کے اعتبار سے کوئی فلیتصدق بدرہم کہتا ہے کوئی فلیتصدق بدینار کہتا ہے کوئی بخمس دینار کہتا ہے۔ یہ جماع کی ایک قسم کا بیان ہوا جس کا نام جماع فی الفرج ہے۔ دوسرا جماع ما فوق السرہ وما تحت الرکبہ ہے یہ زمان حیض میں بالاتفاق جائز ہے۔ عبیدہ سلمانی سے نقل کیا گیا کہ ان کے نزدیک یہ جماع بھی جائز نہیں ہے مگر امام نووی فرماتے ہیں کہ اگر یہ ثابت ہو جائے تب بھی ان کا اس قول کا

545 ہوتا ہو جانے تو یہ قول مردود ہے۔ علامہ حلبی شافعی فرماتے ہیں کہ اگر ما فوق السرہ وما تحت الرکبہ 56/3
کسی کپڑے وغیرہ سے ڈھکا ہوا ہے تو یہ جماع بھی جائز نہیں ہے لیکن جمہور کے نزدیک جائز ہے۔ امام نووی فرماتے
ہیں کہ حلبی کا قول غیر معتبر ہے۔ تیسرا مجامعت ما فوق الرکبہ وما تحت السرہ فیما دون الفرج ہے جس کے اندر
تین قول ہیں (۱) جائز ہے امام محمد امام احمد داود ظاہری ابن المنذر اور اسی قول کو راجح قرار دیا
گیا ہے اور یہی امام طحاوی کا قول قدیم ہے۔ (۲) حرام ہے امام مالک امام ابو حنیفہ امام شافعی وغیرہ کے
نزدیک (۳) بعض شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر اپنے اوپر خوف ہے کہ جماع میں پڑ جائے گا تو ناجائز ورنہ جائز ہے
جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے جماع کے ماسوا سب کی اجازت دی تو یہود نے کہا کہ حضور ﷺ ہر بات میں مخالفت
کرتے ہیں۔ اسید و عباد نے یہ سنا تو غصہ آیا اور آ کر کہنے لگے افلا نجامعهن یعنی پوری مخالفت کا اظہار 6
کر دینا چاہئے تو آپ نے اس جماع سے منع فرمایا۔ شیخ عبد الحق۔ ملا علی قاری کے نزدیک اس سے جماع مراد نہیں
بلکہ اس سے مساکنت مراد ہے لیکن حضرت مولانا احمد علی محشی بخاری بیان فرماتے ہیں اور حضرت مولانا
خلیل احمد صاحب فرماتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے کوئی حدیث نہیں دیکھا کیونکہ نسائی
ابوداود مسند احمد میں ہے افلا ننکحهن اور اس کے معنی وطی کے ہیں۔ علامہ سندی بھی فرماتے ہیں کہ
ان لوگوں نے وطی کا سوال کیا تھا۔ اس حدیث کے آخر میں دارقطنی نے اپنی کتاب میں اس دعا کی
زیادتی کی ہے کہ حضور نے ان دونوں صحابی کو اس دعا کی تعلیم دی ہے اللهم انا نسئلك من فضلك
ورحمتك فانهما بيدك لا يملكها احد غيرك ـــ

546
547
548
عن عائشة قالت - عنها قالت كنت اشرب - عنها قالت كان النبي صلى الله عليه وسلم 56/8,9,10,11
فاتزر: ابو موسی المدینی فرماتے ہیں کہ یہ غلط ہے حتی بعض نے کہا ہے کہ یہ تصحیف ہے اصل میں فائتزر
ہے لیکن ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ بھی جائز ہے لہذا بعض کے قول کا اعتبار نہیں ہے
ابن بطال فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہو گیا کہ اس قدر کا تعلق ناقض وضو نہیں کیونکہ حضور کی سیرت طیبہ سے یہ
ثابت ہے کہ آپ ہمیشہ باوضو رہتے تھے اور خصوصا اعتکاف کی حالت میں۔ دوسری حدیث بھی اسی کی ہے
والعرق العرق کے معنی علماء نے تین بیان فرمائے (۱) عظم علیہ بقیة لحم (۲) ہو فلذة لحم (۳) ہو عظم
لا لحم علیہ۔ نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ کا جھوٹا پاک ہے اور پسینہ بھی پاک ہے۔ تیسری حدیث
بھی حضرت عائشہ کی ہے اس سے امام بخاری کا لطیف استدلال کرنا ہے کہ حائضہ کیلئے قرآن کو چھونا
جائز ہے کیونکہ حضور کا حضرت عائشہ کی گود میں ہونا اس سے ثابت ہے اور حضور سراپا قرآن ہیں اور آپ کے دل میں
550 عنها قالت قال لي النبي صلى الله عليه وسلم ناوليني الخمرة من المسجد فقلت انی حائض قال 12
من المسجد یہ متعلق ناولینی کے ہے اور مطلب یہ ہے کہ مسجد میں سے چٹائی لا کر دیدو [illegible] میں 13

550 شافعیہ نے اپنا مذہب ثابت کیا کہ حائضہ کو کسی ضرورت کی غرض سے مسجد میں دخول جائز ہے لیکن 56/13
ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ الطہارۃ سے استدلال سے مسجد میں آنا کہ ان کا جسم مسجد کے اندر جا رہا تھا حالانکہ
حضورؐ لیست فی یدک سے مسجد میں آنا اور صرف ہاتھ داخل کرنے کی ضرورت پڑ گئی اور یہ صرف
ہو سکتا ہے جبکہ خود مسجد میں نہ جا سکیں لہذا یہ کہا جائیگا کہ من المسجد ناول کے متعلق ہے اور مطلب
یہ ہے کہ حضورؐ نے مسجد میں سے فرمایا کہ مجھے چٹائی اٹھا دو اور ایسی صورت میں وہ باہر کھڑی ہو کر ہاتھ بڑھا کر
چٹائی دیتی ہوں گی اور یہی مراد ہے لہذا شافعیہ کا مسئلہ اس سے ثابت نہیں ہو سکتا ۔ باقی احادیث

551 الفصل الثانی :- عن ابی هریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اتی حائضا 15
او امرأة فی الدبر کے متعلق ماقبل میں گزر گیا کہ جمہور کے نزدیک جائز نہیں لیکن ایک قول امام مالک و
شافعیؒ کا نقل کیا گیا کہ جائز ہے لیکن یہ قول ان سے ثابت نہیں ہے او کاهنا ۔ تین قسم کے ہیں
ایک عمال جو کہ جن وغیرہ کے ذریعہ عمل کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ہمارے پاس موکل (جن) آتے ہیں
دوسری قسم جس کا نام عراف ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اس کی علامات سے سارق وغیرہ کو پہچان لیتے ہیں
تیسری قسم منجم ہیں جو ستاروں وغیرہ کی تعبیر بتلاتے ہیں یہ تینوں قسمیں حدیث میں داخل ہیں
رہا یہ سوال کہ جب آدمی ان کے پاس جاتا تو حرام نہیں ہے لہذا کفر کیسے ہو گیا ؟ اس کا مختلف جواب ہیں
جواب ۱ اس سے مراد وہ شخص ہے جو ان کے پاس جانے کو حلال سمجھے حالانکہ شریعت نے حرام کہہ دیا
جواب ۲ یہ محمول ہے ایسے شخص پر جو ان کی تصدیق کرے ۔ جواب ۳ کفر سے مراد کفران نعمت ہے
جواب ۴ فقد کفر سے مراد یہ ہے کہ اس نے کفر جیسا فعل کیا ہے جیسے وہ لوگ کرتے ہیں یہ بھی کیا
جواب ۵ یہ حدیث ضعیف ہے سب جھگڑا ختم ہو گیا

552 عن معاذ بن جبل قال قلت الخ عن ابن عباس اذا وقع الرجل الخ عنه اذا کان دما 18
تشریح وغیرہ اور یہ ایک مسئلہ ہے ماقبل میں گزر چکا کہ مافوق السرة وما تحت الرکبة
جماع کو جائز کہتے ہیں اور چونکہ مستدل ہے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اس کا راوی سعد الاغطش
مجہول ہے اور دوسرا راوی جس کا نام بقیہ ہے وہ مدلس ہے اس کے متعلق امام نسائی کا قول
مشہور ہے احادیث بقیۃ لیست بنقیۃ فکن منها علی تقیۃ مصنف نے فرمایا رواہ ابوداؤد
حالانکہ یہ ابوداؤد میں الجزء المذکور کا اثر موجود نہیں ہے

دوسری حدیث حضرت ابن عباس کی ہے جس کے متعلق مصنف نے فرمایا رواہ الترمذی وابوداؤد
والنسائی اس سند میں آتا ہے کہ یعنیہ موجود ہے حالانکہ ترمذی ابوداؤد نسائی میں فلیتصدق
بدینار او بنصف دینار ہے ۔ تیسری حدیث انہی کی ہے جو قابل تشریح نہیں ہے

SSS الفصل الثالث: عن زید بن اسلم قال ان رجلا الخ عن عائشۃ قالت کنت اذا 56/22
حضرت زید بن اسلم کی حدیث ہے جس میں لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ مافوق الازار و ما تحت الرکبہ جائز
جائز ہے۔ دوسری حدیث حضرت عائشہ کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ قربان نہیں ہوتا تھا حیض کے زمانہ
میں کیونکہ ایام کی اعادہ دیتا ہے حیض کے باوجود اس سے قربان کا حکم ہے دونوں میں جمع کی
صورت یہ ہے کہ ایام کی اعادہ دیتا میں مطلق نفس اور اختلاط و قربان کا اثبات ہے اور اسکے اندر
رسمی قربان کی ہے جو جماع کے معنی میں ہے۔ دوسری جمع کی صورت یہ ہے کہ فلم تقرب کی اسناد حضرت
عائشہ کیطرف ہے کہ حضور کے قریب نہیں ہوتی تھیں البتہ حضور آپکے قریب ہوتے تھے اور انکا حضور کے قریب
نہ جانا اسوجہ سے تھا کہ وہ حائض تھیں تو ناپاکی کی حالت میں جانا آنحضور کی شان کے [illegible]

بَابُ الْمُسْتَحَاضَةِ 25

ماقبل میں دم صحیح کا ذکر تھا اب دم فاسد کو بیان فرماتے ہیں یہ ماخوذ ہے استحاضہ سے اس خون کو کہتے ہیں جو حیض کے علاوہ غیر ایام حیض میں ایسی رگ سے آتا ہے جو ادنی رحم میں ہے جسکا نام عاذل ہے تمام علماء کے نزدیک غیر ادوار حیض میں جو خون آئے خواہ بلوغ سے پہلے ہو یا بلوغ کے بعد وہ استحاضہ ہے لیکن حنفیہ حضرات شافعی فرماتے ہیں کہ قبل البلوغ جو دم آئیگا وہ استحاضہ نہیں تھے بلکہ خون بعد البلوغ کا دم کو استحاضہ کہتے ہیں امام نووی نے قول اول کو ارجح قرار دیا ہے۔ اب مسئلہ حیض کا صیغہ ہمیشہ معروف آتا ہے اور استحاضہ کو مجہول کا صیغہ سے تو استعمال کرتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ استحاضہ غیر مستقل و متعین ہونے کی وجہ سے مجہول ہو گیا بخلاف حیض کے وہ معروف اور مستقل و متعین ہے اور باب استفعال سے اسکو اسوجہ سے لاتے ہیں کہ اس باب کا خاصہ قلب ماہیت کا قلب کر دیتا ہے جیسا کہا جاتا ہے واستحجر الطین اور یہ دم بھی دم عادت سے دم غیر عادت کیطرف آ جاتا ہے اسلئے اسکے لئے استفعال کا باب خاص کیا۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ استحاضہ کے مسائل تین عورتوں کی احادیث میں ہیں ایک حضرت حمنہ ایک حضرت فاطمہ ایک ام حبیبہ اور بعض نے زینب کی بجائے ام سلمہ کا نام لیا ہے جن عورتوں کو استحاضہ کا خون آتا ہے انکی چار قسمیں اور چار صورتیں ہیں اول وہ عورت جو ممیزہ غیر معتادہ ہو دوم وہ جو معتادہ غیر ممیزہ ہو سوم وہ جو معتادہ ممیزہ ہو چہارم وہ لا معتادہ ہو اور لا ممیزہ۔ ممیزہ اس عورت کو کہتے ہیں جسکا دم حیض دم استحاضہ سے ممتاز ہو اور رنگ امتیاز کی صورتوں میں علماء کا اختلاف ہے اور بعض کے قول ہیں حنفیہ جو عورت دم احمر دیکھے وہ حیض اور جو دم اصفر ہو وہ استحاضہ ہے جو خون ثخین ہے وہ حیض ورنہ استحاضہ ہے جو خون اسود ہے وہ حیض اور جو ایسا نہ ہو وہ استحاضہ جب عورتوں کی چار قسمیں مذکور ہو گئیں

56/25

اس بارے میں احکام کے اندر ائمہ کا اختلاف ہے۔ قسم اول کے بارے میں ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ حیض اور استحاضہ کے درمیان تمیز کرے جو دم تیز کالا ہو وہ حیض اور دوسرا استحاضہ ہوگا اور وہ غسل کر لے اور پھر نماز پڑھے وضو کر کے۔ حنفیہ کے نزدیک رنگ کی تمیز کا اعتبار نہیں۔ قسم ثانی کا متعلق ائمہ اربعہ کہتے ہیں کہ ایام عادت حیض کے ہوں گے اور باقی استحاضہ ہوگا لیکن امام مالک فرماتے ہیں ایام عادت کا پورا ہونے کے بعد تین دن استظہار کرے اور شامل کی جائے گی لیکن مجموعہ ایام عادت پندرہ دن نہ ہو اگر تیرہ دن ہوں تو اور دن ملائے پندرہ دن سے زیادہ نہ ہو جائے گا معتبر میں تین دن کم کیا جائے گا۔ قسم ثالث میں اگر ایام عادت اور ایام تمیز برابر ہیں تو دونوں ایام کا گذر جانا حیض کہلائے گا اور اگر ان ایام میں اختلاف ہو مثلاً ایام عادت زائد اور ایام تمیز کم ہیں یا اس کا برعکس تو پھر ائمہ میں اختلاف ہوگیا حنابلہ اور حنفیہ کا مذہب اور امام شافعی کی ایک روایت یہ ہے کہ عادت کا اعتبار ہوگا اور امام مالک کا مذہب امام شافعی کی دوسری روایت یہ ہے کہ ایام عادت کا اعتبار نہیں بلکہ ایام تمیز کا اعتبار ہے اور باقی ایام میں نماز غسل وضو وغیرہ کرے گی۔ قسم رابع وہ عورت ہے کہ اس کی کوئی عادت ہے اور نہ تمیز ہوتی ہے اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ عورت مبتدئہ ہوگی یا متحیرہ۔ اگر مبتدئہ ہے وہ تو پھر دو صورتیں یا تو ممیزہ ہوگی یا نہیں حنفیہ کے نزدیک خواہ ممیزہ ہو یا غیر وہ دس ایام حیض کے گذارے گی باقی استحاضہ ہوں گے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر ممیزہ ہے تو تمیز کا اعتبار ہوگا اور اگر ممیزہ نہیں تو حنابلہ کے نزدیک اپنی قبیلہ کی عورتوں کے مطابق حیض گذارے اور شوافع کے نزدیک اقل مدۃ حیض گذارے۔ امام احمد کی چار روایتیں ہیں (۱) اقل مدۃ حیض کا اعتبار ہے (۲) غالب مدۃ حیض کا اعتبار ہے اور غالب مدۃ حیض چھ سات دن کے درمیان ہیں۔ یہ دونوں قول امام شافعی کا ہیں (۳) اکثر مدۃ حیض کا اعتبار ہے امام مالک کا قول ہے۔ چوتھی صورت ذہن سے نکل گئی۔ اور اگر وہ قسم چہارم متحیرہ ہے تو اس کو طہر اور دخول حیض کے درمیان تحیر ہوگا ایسے وقتوں میں وضو کر کے نماز پڑھے اور اگر حیض اور دخول طہر کے درمیان تردد ہے تو غسل کر کے نماز پڑھیگی۔ حنفیہ کا مسلک ہے خلاصہ یہ نکلا کہ حنفیہ کے نزدیک تمیز اور ایام تمیز کا اعتبار نہیں اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تمیز کا اعتبار ہے

تاثر رفع اشکال
ملحوظہ ۱۲

نقل اشکال
ملحوظہ ۱۲

557

الفصل الاول:- عن عائشۃ قالت جاءت فاطمۃ بنت ابی حبیش

26

فاطمہ بنت ابی حبیش ازنیع ممیزہ اور معتادہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے امام نووی اور امام بیہقی کے نزدیک یہ ممیزہ ہیں اور حضرت شیخ دامت برکاتہم کی رائے ہے کہ یہ معتادہ تھیں اور واضح دلیل ایسا تو خود ترمذی حدیث میں یہ جملہ ہے کہ واذا ذهب قدرها فاغسلی عنک الدم اور قدر معتادہ میں ہوتا ہے

بنا بر صحت کے احناف اور دوسروں کی دلیل ہے۔ جبکہ فصل ثانی میں دوسری حدیث حضرت ام سلمہ کی آ رہی ہے ان اقراء اور ایسی اقراء کے متعلق تمام کا اتفاق ہے۔ حتی کہ شوافع بھی۔ ابن عبد البر کے علاوہ تمام کا اتفاق ہے اس سے فاطمہ بنت حبیش مراد ہیں۔ چنانچہ دار قطنی کے اندر اقراء کے بجائے صراحۃ فاطمہ بنت حبیش کا لفظ وارد ہوا ہے۔ الیہ کا یعنی استحاضہ کی وجہ سے نماز چھوڑنے کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ نہیں یہ دم حیض نہیں ہے، عرق کا خون ہے فاذا اقبلت اس اقبال سے اور آئندہ جو ادبار آ رہا ہے اس سے اقبال حیض اور ادبار سے انتہاء حیض مراد ہے۔ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب ایام تمیز ہیں تو نماز کو چھوڑ دینا اور جب معلوم ہو جائے اور ختم ہو جائے تو اس دم حیض نہیں یا تو غسل کر کے نماز پڑھو۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ واذا ادبرت کے بجائے دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں واذا ذھب قدرھا فاغسلی الدم اور اس سے صاف واضح ہے کہ اس سے عادت مراد ہے اس حدیث میں تو وارد ہوا ہے فاغسلی عنک الدم ثم صلی بخاری کی روایت میں فاغتسلی وصلی وارد ہوا ہے جس کا تقاضہ ہے کہ دم کے بعد غسل کرے اور اس حدیث میں فاغسلی ہے جس کا تقاضہ ہے کہ صرف وضو کرے جواب یہ ہے کہ ایک راوی نے اغتسال کو ذکر کیا دوسرے نے صرف غسل کا ذکر کیا کیونکہ اغتسال واضح ہے۔ اب آگے اندر اختلاف ہے کہ عورت کو استحاضہ آئے تو اس پر وضو واجب ہے یا غسل۔ جمہور کہتے ہیں کہ ایسی عورت کے ذمہ صرف وضو واجب ہے۔ سلف میں ایک جماعت کی رائے ہے کہ غسل واجب ہے اب آگے اندر اختلاف ہے کہ کس وقت غسل کرے اس کے اندر چار قول ہیں:

قول اول:- تغتسل لکل صلوۃ یہ مذہب ہے حضرت علی، ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر، امام شافعی کا

قول ثانی:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک تغتسل لکل یوم۔

قول ثالث:- تجمع بین الصلوتین بغسل واحد یہ مذہب ہے حضرت عطاء اور ابراہیم نخعی کا۔

قول رابع:- تغتسل من طہر الی طہر لیکن امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ من ظہر الی ظہر ہے اس صورت میں رابع اور قول اول کا مطلب ایک ہو گا لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ بس انقطاع حیض کے وقت ایک غسل کرے۔ اب رہا یہ مسئلہ اس کی وضو دم استحاضہ سے ٹوٹتی ہے یا اس کے علاوہ اور کسی ناقض سے امام مالک فرماتے ہیں کہ دم استحاضہ اس کی وضو کے لئے ناقض نہیں ہے باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناقض وضو ہے اب یہ کہ وضو کب کرے گی امام حنفی کے نزدیک ہر نماز کے وقت وضو کرے گی۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہر نماز کے لئے وضو کرے گی۔ امام احمد سے دونوں اقوال منقول ہیں۔ امام شافعی کے مستدل کو حافظ ابن حجر نے بیان کیا کہ مستدل اس حدیث سے ہے جس کے اندر ہے کہ ثم توضئی لکل صلوۃ وصلی آگے چل کر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا مستدل ایک حدیث ہے جس میں ہے کہ المستحاضۃ تتوضأ لوقت کل صلوۃ۔

557 پھر اس حدیث کا تعلق زمانہ میں ہے یا لم نہیں لیکن افسوس ہے حضرت علامہ پر اور انکی شخصیت پر اس نے 56/26
بڑے ہی تنگ نظر ہو دیا ہے اور عصبیت اختیار کر گئے حالانکہ علامہ سبط ابن الجوزی کے برادر قیاس امام
کی سند کی تو روایت کی ہے قاسم بن قطلوبغا اور انکے علاوہ سیاسے کرنے والوں نے اس روایت کو
نقل کیا ہے ہم کہتے ہیں کہ امام شافعی کا مسلک صحیح ہے اور ہمارا مسلک مفضل اور صحیح ہے کیونکہ انکا
عمل صلوٰۃ میں عدم وقت کا لحاظ ہو سکتا ہے ۔

558 الفصل الثانی :- عن عروۃ بن الزبیر عن فاطمۃ بنت ابی حبیش انہا کانت الخ 57/1
اس حدیث میں جو یہ جملہ آیا ہے فانہ دم اسود یعرف اس سے تمیز و ادراک مراد لیا گیا کہ تمیز کا
استعمال رہے ہمارا اشکال ہے جو یہ جملہ یعرف کا مطلب ہے کہ رنگ اسود ہو جیسے پتہ چلتا ہے
اسی بن عادۃ سے بھی پتہ چلتا ہے عبارت ہو گی اسود یعرف کما یعرف بالعادۃ فامسکی عن الصلوٰۃ
امام ترمذی نے ابن المنذر وغیرہ نے اجماع نقل کیا ہے کہ ایام حیض میں نماز اور روزہ سب چھوڑ دے گی اور
نماز کی قضا نہ کرے گی صرف روزہ کی قضا کرے گی لیکن خوارج کا ایک فرقہ کہتا ہے کہ نماز کی بھی قضاء
ہو گی روزہ کی طرح ۔ اب رہا یہ کہ نماز کی قضا کیوں نہیں ہے اور روزہ کی قضاء کیوں ہے اس کے چند
جوابات ہیں ۔ جواب۱ یہ کہ نماز کے اندر تکرار زیادہ ہے روزہ میں نہیں ۔ جواب۲ اللہ نے مشقت
کو پسند کیا ہے اور جب نماز قضا کرے گی تو مشقت ہوگی دیکھئے مخصوص روزہ کا دینا افطار زیادہ
نہیں ہوتا ہے جواب۳ حضرت حواء علیہا السلام نے جب شجرہ کھایا اور اس جرم میں زمین پر اتر
آئیں اور حیض آیا تو آدم سے سوال کیا حضرت آدم نے جبرئیل کی ارکے کہ اللہ نے نماز
کی اور حضرت جبرئیل آئے اور کہا نماز چھوڑ دو ۔ اس کے بعد رمضان کا ماہ میں آیا تو پھر حضرت
آدم سے سوال کیا تو انہوں نے بجائے اللہ سے دعاء اور سوال کے خود اپنی رائے سے پہلے پر قیاس
کرتے ہوئے فرمایا کہ روزہ بھی چھوڑ دو تو چونکہ یہ اللہ کا حکم نہ تھا بغیر حکم تھا اسلئے اسکی قضاء واجب

559 عن ام سلمۃ قالت ان امرأۃ کانت الخ ۔ عن عدی بن ثابت عن ابیہ عن جدہ الخ 4
اس حدیث میں امرأۃ سے حضرت فاطمہ بنت حبیش مراد ہیں جیسا کہ ما قبل میں آچکا تہراق الدم
یہ دم منصوب اور مرفوع دونوں ہو سکتا ہے مرفوع ہونیکی صورت میں یا تو فاعل ہوگا یا پھر اس
کی ضمیر سے بدل البعض ہوگا اور منصوب ہونے کی صورت میں یا تو مفعول ہوگا یا تشبیہ علی المفعولیۃ
کی بنا پر منصوب ہے فاستفتت لہا ام سلمۃ اس روایت سے معلوم ہوا کہ ام سلمہ نے سوال کیا 4
اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود عروۃ بن الزبیر نے سوال کیا اور ایک روایت میں ہے کہ
حضرت فاطمہ نے خود سوال کیا ان سبکے اندر جمع کی صورت یہ ہے کہ حضرت فاطمہ نے اندر وفد اس

559 مسئلہ کو بیان کیا اور الجوہر النقی میں حضرت فاطمہ کی جو حدیث ہے اس میں سوال کیا حضور نے جواب میں فرمایا کہ ان ایام میں 57/4
غور و فکر کرو جو تمہارے عادت کا ہیں۔ اس حدیث کے عادت والی معتادہ کے لیے سمجھی ان کی چند صورتیں ہیں
(۱) امام مالک امام شافعی اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایک مرتبہ دم آنے سے عادت ہو جاتی ہے (۲)
امام محمد کے نزدیک دو مرتبہ دم آنے سے عادت ثابت ہوگی حنابلہ بھی ایک روایت یہی ہے۔ دوسری روایت
میں تین مرتبہ سے ثابت ہوگی حنفیہ کے یہاں امام ابو یوسف کا قول پر فتوی ہے۔ دوسری حدیث
حضرت حمنہ کی ہے اس کے دادا کے نام میں علماء کا اختلاف ہے حدیث سے معلوم ہوا اس کے دادا
کا نام رئیاب ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ معلوم نہیں کیا نام ہے۔ ابو علی طوسی فرماتے ہیں کہ
ان کا نام عرفطہ نہیں ہے۔ ابو زرعہ دمشقی فرماتے ہیں کہ ان کا نام عمرو بن اخطب ہے
علی بن جنید فرماتے ہیں کہ ان کا نام عبید بن ثابت ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ان کا نام عبد اللہ بن
براہیم خطمی ہے۔ مسئلہ حمنہ کا منتفی فرمایا وہ نماز کو چھوڑ دے ایام اقرائہا اس سے استدلال
کیا گیا کہ یہ عورت معتادہ تھیں کیونکہ ایام عادت کے اندر ہوتے ہیں۔

561 عن حمنة بنت جحش قالت كنت استحاض حيضة كثيرة شديدة الخ 9
جحش کی تین لڑکیاں ہیں فاطمہ۔ حمنہ۔ زینب۔ اور ان تینوں کو حیض آیا تھا۔ اب حضرت
حمنہ میں اختلاف ہے کہ یہ حمنہ معتادہ تھیں یا مبتدأہ تھیں۔ امام شافعی۔ ابو سلیمان خطابی نے دونوں
قول نقل کئے ہیں معتادہ تھیں اور ممیزہ تھیں۔ ابن الصباغ۔ شافعی۔ امام الحرمین کی رائے
تھی یہ ممیزہ تھیں۔ علامہ عینی کی رائے تھی یہ مبتدأہ ممیزہ تھیں۔ امام شافعی کی رائے تھی یہ
معتادہ تھیں۔ ابن قدامہ کی رائے تھی کہ ناسیہ تھیں۔ حضرت شیخ مدظلہ کی رائے تھی یہ متحیرہ
تھیں بہر حال چونکہ ان کو حیض کثیر آتا تھا اسلئے حضور نے فرمایا کہ انعت لک الکرسف تو انہوں نے کہا کہ استحاضہ
تو اس سے بھی زیادہ ہے یعنی کرسف سے نہیں رک سکتا اس پر حضور نے فرمایا کہ ایک کپڑا بند کی
زیادتی کی ہو تو اس پر کپڑا باندھ لو تو چونکہ خون بہت زیادہ آتا تھا اسلئے حضور نے
فرمایا کہ سآمرک بامرین اس حدیث کے مصداق میں علماء کے چند قول ہیں (۱) علامہ عینی۔ 13
ملا علی قاری۔ شیخ دہلوی۔ حضرت سہارنپوری کی رائے یہ ہے کہ امر اول غسل لکل صلوۃ ہے اور امر ثانی
جمع بین الصلوتین ہے (۲) حضرت شیخ مدظلہ فرماتے ہیں کہ امر اول تحری ہے یعنی اپنے ایام
عادت میں غور و خوض کرنا اور امر ثانی جمع بین الصلوتین ہے (۳) علامہ کشمیری فرماتے ہیں کہ
امر اول کا مصداق وضو کرنا اور امر ثانی جمع بین الصلوتین ہے اسی قول کو امام شافعی نے
کتاب الام میں اور امیر یمانی نے سبل السلام میں یہی قول نقل کیا ہے

تحیضی ستۃ ایام او سبعۃ ایام اس او کے اندر علماء کے مختلف اقوال ہیں:۔
حنفی ابن قدامہ نے فرمایا چونکہ حمنہ ناسیہ تھیں لہذا وہ تحیضی میں آنیوالا او کے اندر دو احتمال ہیں
ایک یہ کہ تنویع کیلئے ہے اگر تمہارے خاندان کی عورتوں کو چھ دن حیض آتا ہے اتنے دن تم بھی شمار کرو
دوسرا یہ کہ تخییر کیلئے ہے کہ تمکو اختیار ہے چھ یا سات روز کا اندازہ کر لیں۔ اور اگر یہ عورت معتادہ تھیں
تو پھر تین قول ہیں (۱) تخییر کیلئے ہے کہ جتنے دن کی عادت ہو شمار کرو (۲) وہ اپنے ایام عادت کو
بھول گئیں تو آپ نے فرمایا اگر یاد نہ آئے تو چھ دن اور اگر یاد آجائے تو سات دن شمار کرو (۳)
ان کو کبھی چھ دن اور کبھی سات دن حیض آتا تھا تو آپ نے فرمایا جس ماہ میں چھ دن آیا اسمیں چھ دن
اور جس میں سات دن حیض آیا اسمیں سات دن شمار کرو۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ انہوں نے حضور کو
اپنے ایام عادت بتلادئے تھے مگر راوی بھول گئے اسلئے فرمایا چھ یا سات دن شمار کرو ثم استنقات
دونوں طرح سے میں یا ہمزہ کیساتھ مجہول بنا ہے جب یا کیساتھ ہو تو یقین اور تشدید میں ہمزہ کیا ہو
وارد ہو رہا ہے جملہ اعجب الامرین ہوا کا مشار الیہ اور مراد آخر ہے یعنی جمع بین الصلوتین
اور اعجبا کا مطلب یہ یہ ہے اسمیں سہولت ہے اور اسمیں اسوجہ سے کہ غسل للصلوۃ جو کہ امر اول ہے وہ اسمیں تحقیق ہے
حضرت شیخ مولانا نے فرمایا چونکہ امر اول تحری کا ہے یہ اسمیں بھی اسمیں ہے کیونکہ تحری میں تیقن
نہیں ہوتا اور یہاں ہے

كتاب الصلوة

57
24

تمام چیزوں کا مدار ایمان پر ہے اور وہی تمام اعمال کی بنیاد ہے اسلئے حضرت مؤلف علیہ الرحمہ نے سب سے
پہلے اسکو بیان فرمایا اسکے بعد عبادات کا درجہ ہے۔ اور عبادات میں سب سے افضل عبادت نماز
ہے اسلئے اسکو ایمان کے بعد سب سے پہلے ذکر کرنا چاہئے تھا مگر چونکہ ہر شئ کیلئے شرائط ہوتی ہیں
اسیطرح نماز کیلئے بھی شرائط ہیں اور شرط وجود میں مقدم ہوتی ہے اسلئے صلوۃ سے پہلے اسکے
شرائط کو ذکر فرمایا۔ اب عبادات کی دو قسمیں ہیں ایک عبادت بدنی اور دوسری مالی باقی تمام
عبادات انہی دو میں سے کسی ایک سے مرکب ہیں۔ اور عبادات بدنیہ میں اہم نماز ہے اور عبادات
مالیہ میں اہم زکوۃ ہے لیکن بدن مقدم ہوتا ہے مال پر اسلئے پہلے نماز کو اور پھر زکوۃ کو بیان
فرمایا اسکے بعد ان عبادات کو جو مال اور جان دونوں سے متعلق ہیں۔ اب اشکال ہوا کہ صوم کو
موخر کیوں کیا وہ تو عبادات بدنیہ محضہ میں سے ہے اسکا جواب یہ ہے کہ زکوۃ اسلئے صوم سے مقدم
ہے تو اسکے رتبہ کا لحاظ کیا اور حج تو سب سے موخر اسوجہ سے کیا کہ وہ مرکب ہے اور مرکب کا
اور مفرد مقدم ہوتا ہے مرکب پر۔ دوسری بات یہ کہ جو چیز اکثر وقوعاً ہوتی ہے وہ اتنی مقدم

الیہ ہوتا ہے اور جس چیز کی جتنی احتیاج ہو اس کا ذکر اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے اسلئے نماز کو سب سے پہلے ذکر کیا اور اس کا وقوع سے اس کے بعد زکوٰۃ کہ اس کا وقوع اس سے کم ہے کیونکہ زکوٰۃ کیلئے مالدار ہونا اور حولان حول ہونا ہے اور مال چونکہ شیئاً فشیئاً زیادہ ہوتا رہتا ہے تو گویا حولان حول بھی ہوتا رہتا ہے بخلاف صوم و حج کے اول تو سال بھر میں ایک بار ہے اور ثانی پوری عمر میں ایک بار واقع ہوتا ہے ۔

تیسری بات یہ کہ عبادت کے معنی تذلل و انکسار کے ہیں اور بندہ سب سے پہلے ذہن کی اندر ادب کرتا ہے پھر اپنے معبود و آقا کے سامنے ہاتھ باندھ کے عاجزی سے کھڑا رہتا ہے اس کے بعد درجہ یہ کہ اس محبوب پر مال خرچ کرتا ہے پھر یہ درجہ حاصل ہوتا ہے کہ بھوکا رہنے لگتا ہے اور جب اشتیاق بڑھتا چلا جاتا ہے تو پھر بغیر محبوب کے چین نہیں ملتی اور محبوب کے وصول کے شوق میں اپنے دیار کیونکر گھر چھوڑ چلا جاتا ہے اور وہاں پھر اس در کے گرد اس لبیک لبیک کہتا پھرتا ہے سو چونکہ باب عشق میں یہی ترتیب ہے تو اسی میں یہاں بھی یہ ترتیب قائم ہوگی چنانچہ سب سے پہلے نماز اور اس کے بعد زکوٰۃ اس کے بعد صوم پھر حج کو ذکر فرمایا ---

صلوٰۃ کے معنی لغت میں دعا کے ہیں چونکہ صلوٰۃ اصطلاحیہ بھی دعا پر مشتمل ہوتی ہے اسی اشتمال ہو کر صلوٰۃ کا صلہ علیٰ آتا ہے جیسے صلّ علیہ اور دعا کا صلہ اگر علیٰ آئے تو اس کے معنی بد دعا کے ہیں لہٰذا صلوٰۃ دعا کے معنی میں کیسے ہوگا اس کا جواب دیا معانی کے اتحاد سے لازم نہیں آتا کہ صلوں کے اندر بھی اتحاد ہو (۲) یہ ماخوذ ہے صلّی یصلّی صلیاً سے جس کے معنی آگ پہ گرم کرنا چونکہ نماز کے ذریعہ انسان آگ سے بچتا ہے یا جیسے اللہ کے سامنے کھڑا رہتا ہے یا اپنے اخلاق درست عبادات کے طفیل سیدھے کرتا ہے اسی پر امام رازی نے اعتراض کیا کہ صلوٰۃ کا لام کلمہ واؤ ہے اور صلی کا لام کلمہ یاء ہے لہٰذا یہ صلی یصلی سے کیسے مشتق ہو سکتا ہے امام عینی نے جواب دیا کہ اشتقاق کی تین قسمیں ہیں ایک اشتقاق اکبر کہ حروف میں اتحاد ہو اور اشتقاق کبیر جہاں حروف اصلی حروف میں اتحاد ہو حقیقتاً و ترتیباً نہ ہو اور ایک اشتقاق صغیر کہ جہاں حروف میں اتحاد ہو اور ترتیباً و حقیقتاً میں بھی اتحاد ہو تو یہاں اگرچہ اشتقاق صغیر نہیں لیکن اشتقاق اکبر موجود ہے (۳) قول یہ کہ یہ ماخوذ ہے صلوین سے جو کہ کوکھ کی دونوں ہڈیوں کو کہتے ہیں کیونکہ وہ نماز میں اپنے صلوین کو حرکت دیتا ہے (۴) یہ ماخوذ ہے اس مصلی سے جو کہ نام ہے اس گھوڑے کا جو میدان گھوڑ دوڑ میں سب سے پہلے گھوڑے کے پیچھے ہوتا ہے تو چونکہ اول گھوڑے کے صلوین دوسرے گھوڑے کے منہ کے سامنے ہوتے ہیں اسلئے اس کو مصلی کہتے ہیں ایسے ہی نمازی کو بھی مصلی کہتے ہیں (۵) صلوٰۃ کے معنی رحمت کے ہیں اور نماز بھی

57/24

سبب رحمت ہے (۶) صلوٰۃ کے معنی اقبال کے ہیں اور یہاں بھی اللہ تعالیٰ بندہ کی طرف اور بندہ اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے (۷) صلوٰۃ کے معنی تعظیم کے ہیں اور نماز میں بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہوتی ہے۔ یہ تو صلوٰۃ کے لغوی معنی تھے اب اصطلاحی معنی سنئے:

صلوٰۃ اصطلاح میں کہتے ہیں افعال مخصوصہ کو جو ہیئات مخصوصہ اور صفات مخصوصہ سے ہوں۔ نماز کی ابتدا کب ہوئی؟ جمہور کا اتفاق ہے کہ لیلۃ الاسراء میں نماز کی فرضیت ہوئی ہے۔ اس کے اندر بھی اختلاف ہے کہ لیلۃ الاسراء کس سن میں ہوئی اور کس ماہ میں ہوئی؟ سن کے متعلق بھی مختلف روایات ہیں (۱) ہجرت سے ایک سال پہلے (۲) ہجرت سے سوا سنہ قبل (۳) سنہ ۱۲ نبوی میں۔ (۴) سنہ ۱۳ نبوی میں ہوئی۔ اسی طرح ماہ میں مختلف اقوال ہیں (۱) ربیع الاول (۲) ربیع الثانی (۳) رجب (۴) ذیقعدہ (۵) ماہ شوال میں (۶) رمضان میں لیکن صحیح یہ ہے کہ ۲۷ ویں رجب کی رات کو یہ بات واقع ہوئی۔ نیز اس کے اندر بھی اختلاف ہے کہ یہ معراج روحانی ہے یا جسمانی۔ معتزلہ کے نزدیک روحانی ہے جیسا کہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں ما فقد جسد محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی لیلۃ المعراج نیز وہ کہتے ہیں کہ آسمان میں خرق و التیام نہیں ہوتا لہٰذا حضور کی روح نے سیر کی ہے جسم بلکہ زمین ہی پر تھا۔ جمہور اہل سنۃ والجماعۃ کے نزدیک معراج جسمانی ہوئی ہے اور حضرت عائشہ کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ وہ منقطع ہے اور عقلی استدلال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ہے کیا وہ اپنی قدرت سے اس کے اندر خرق و التیام نہیں کر سکتا۔ اس کے اندر بھی اختلاف ہے کہ یہ نوم میں واقع ہوئی یا یقظہ کی حالت میں ہوئی۔ ایک جماعت نوم کی قائل ہے چنانچہ شریک بن نمر کی روایت سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے لیکن دوسری جماعت کی رائے ہے کہ یقظہ کی حالت میں ہوئی جیسا کہ اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ بعض نے دونوں روایتوں میں جمع کیا کہ دو مرتبہ معراج ہوئی ایک مرتبہ یقظہ اور ایک مرتبہ نوم کی حالت میں۔ بعض نے کہا بیت المقدس تک یقظہ کی حالت میں اور پھر نوم کی حالت تھی۔ بعض نے تین مرتبہ اور چار مرتبہ کا بھی قول کیا ہے۔ لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ آپ اپنے جسد عنصری کے ساتھ یقظہ کی حالت میں بیت المقدس کی طرف تشریف لے گئے اور پھر وہاں سے اسی حالت میں براق پر سوار ہو کر آسمان پر تشریف لے گئے۔ یہ تمام بحث ضمناً آگئی ہے تمام بحث اسی باب میں ان شاء اللہ آئے گی۔

564 الفصل الاول:۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] 57/25

الصلوٰۃ الخمس علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پانچوں نمازیں مکفر ہیں

564 ہو گیا بلکہ ایک نماز کی ابتداء سے لیکر دوسری نماز کی انتہاء اپنے مابین کے لئے مکفر ہیں اذا اجتنبت 57/25
الکبائر مسلم شریف میں اذا اجتنب الکبائر وارد ہوا ہے امام نووی نے دونوں کی تصحیح فرمائی ہے
اور اس کی تفصیل میں علماء کے تین قول ہیں (۱) اسوقت نماز صغائر کیلئے مکفر ہے جبکہ ا
وہ کبائر سے بچے یہ قول ہے ابن العربی کا۔ امام نووی نیز امام حمیدی کا (۲) نماز اسوقت
تک مکفر ہے جبتک آدمی کبائر سے بچے اور اگر کبائر کا ارتکاب کرتا ہے تو پھر کبائر کیلئے
مکفر نہیں ہوگی (۳) بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ترک صغائر کی اللہ تعالیٰ نے توفیق
عطا فرما دی یعنی نماز سے گناہ معاف نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ اسکی برکت سے ترک معصیت
کی توفیق بخشی گیا اور یہ قول الیق ہے اسلئے کہ اگر نماز سے ہی صغائر تمام کے تمام کبائر ہیں
اور کوئی گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا۔ دوسری حدیث بھی اسی کی ہے لو ان نہرا تو فعل
ماضی پر داخل ہوتا ہے اور یہاں ان مشبہ بہ پر داخل ہوا ہے۔ اسکا جواب امام نووی نے دیا کہ لو
کے بعد ثبت مقدر ہے مثل الصلوات الخمس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہر کے میل کچیل صاف کرنے 26
کو تشبیہ نماز کے میل کچیل صاف کرنے کے ساتھ دی ورنہ نہر کا میل کچیل صاف کرنا محسوس ہے اور نماز کا
معقول ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ محسوس کی تشبیہ دیجاتی ہے معقول کو اور یہاں اسکا عکس ہو رہا ہے
کہ معقول ہے تو محسوس کو تشبیہ دیجا رہی ہے اسکا جواب یہ ہے کہ بعض مرتبہ مبالغۃ فی التشبیہ
کیلئے ایسا کیا جاتا ہے یمحو اللہ بهن الخطایا یعنی اسکے ذریعہ صغائر اور سیئات معاف ہوجاتے 27
ہیں۔ علامہ سندی فرماتے ہیں کہ خطایا کیساتھ تو تقیید کرنا سمجھ میں نہیں آیا کیونکہ نہر کو تشبیہ
دیگئی نماز کیساتھ تو اور نہر کے ذریعہ تو سارے کا میل کچیل صاف ہو جاتا ہے اور اگر باقی بھی رہے
تو تھوڑا سا باقی رہتا ہے لہذا تشبیہ کا تقاضہ یہ ہے کہ نماز کے ذریعہ بھی سارے گناہ کا میل کچیل
دھل جائے اور اگر باقی رہے تو صغائر باقی رہنے چاہئیں۔ آگے چلکر علامہ سندی خود جواب
دیتے ہیں کہ کبائر کا اثر باطن پر پڑتا ہے اور صغائر کا اثر ظاہر تک رہتا ہے ایسے ہی نہر بھی کہ
اسکا اثر ظاہر تک رہتا ہے لہذا نماز مثل نہر کے ہے وہ ظاہر کے میل پر اثر کریگی اور صغائر کا
اثر کو ختم کردیگی۔ اس حدیث سے نیز اس نوع کی بہت سی احادیث سے مرجیہ نے استدلال کیا
کہ اگر آدمی نماز روزہ وغیرہ اعمال کرتا رہے تو وہ اسکے لئے کافی ہے تو یہ دوزخ کی طرف نہیں جائیگا
اسکا جواب یہ ہے کہ باب واحد میں جب دو قسم کی روایات جمع ہوں تو مطلق کو مقید کیساتھ
مقید کیا جاتا ہے لہذا اس روایت کو محمول اول روایت ابو ہریرہ پر کیا تو جواب اذا اجتنبت 26
الکبائر کیساتھ مقید ہے مقید ہوگئی۔ علماء کا اختلاف ہے کہ یہ کس کس چیز سے معاف ہوسکتا ہے؟

564 ابن عبد البر کی رائے ہے کہ صرف توبہ کے ذریعہ معاف ہو سکتے ہیں لیکن دوسرے مشائخ کی رائے ہے کہ اگر 57/26
توبہ کرے تو فبہا ورنہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیئت پر موقوف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان
اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء۔ نیز اگر صحیح ہے کہ کبیرہ صرف توبہ سے معاف ہوں گے
تو پھر صغیرہ کا حصر بے معنی ہوگا۔ اب اس حدیث میں اعتراض ہوگا کہ جب ایک نماز سے دوسری
نماز تک کے گناہ معاف ہو گئے تو پورے ہفتے کے گناہ۔ تو نماز والی ہی کا ذریعہ معافی ہو جاتے تو
پھر الجمعۃ الی الجمعۃ ورمضان الی رمضان کی قید کا کیا فائدہ رہا؟ جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں
رفع درجات ہو جائے گا۔

566 عن ابن مسعود قال ان رجلا اصاب من امرأة قبلة فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ 58/1
ان رجلا اس کے نام میں سات قول ہیں (۱) ابو الیسر کعب بن عمرو یہ قول ہے ملا علی قاری، علامہ طیبی
ابن الاثیر وغیرہ کا (۲) نبہان تمار (۳) ابن معتب (۴) معتب (۵) عمرو بن غزیہ (۶) ابو عمرو
زید بن عمرو بن غزیہ (۷) عباد ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اول نام اصح ہے
چنانچہ ترمذی میں آگے نام لیا ہے جو واقعہ نقل کیا گیا ہے من امرأة حافظ عسقلانی فرماتے
ہیں کہ اس عورت کا نام معلوم نہیں ہو سکا البتہ اتنا معلوم ہے کہ یہ عورت انصار میں سے تھیں۔ جیسا
ان رجل نے پوچھا میں نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا اب میں کیا کروں تو یہ آیت نازل ہوئی
اقم الصلوٰة طرفی النہار وزلفا من اللیل الخ۔ اس کے اندر اختلاف ہے کہ طرفی نہار یعنی صبح و
شام کی کونسی نماز اس میں داخل ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ صبح کی نماز میں فجر ظہر داخل ہے
اور شام کے اندر عصر و مغرب اور زلفا من اللیل سے عشاء کی نماز مراد ہے۔ اب اعتراض
ہوگا کہ مغرب کی نماز طرفی نہار (شام) میں سے نہیں کیونکہ وہ تو رات میں داخل ہے جواب
یہ ہے کہ قرب کی وجہ سے ایسا کہا گیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ صبح میں فجر اور شام میں ظہر و عصر
داخل ہے اور زلفا من اللیل میں مغرب و عشاء داخل ہے۔ حافظ فرماتے ہیں کہ طرفین
نہار کی نماز میں صرف فجر و ظہر داخل ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ فجر ظہر عصر داخل ہیں
وزلفا من اللیل اس سے بعض علماء نے وتر کے ثبوت پر استدلال کیا ہے کیونکہ یہ جمع ہے زلفۃ کی 2/2
جس کے معنی لیل کا آخری حصہ کے ہیں اور وہ تین ہیں مغرب، عشاء اور وتر۔ فقال الرجل یا رسول
اللہ یعنی جب یہ آیت نازل ہوئی تو ایک آدمی نے سوال کیا کہ یہ حکم میرے ہی ساتھ خاص ہے یا دوسرے
لوگوں کیلئے بھی ہے مسند احمد، ابن حبان، ابن جریر طبری کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال
کرنیوالے حضرت عمر ہیں اور ابن جریر کی دوسری روایت میں ہے ابو الیسر ہیں مسلم اور دوسری بعض کتب
سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال کرنیوالے حضرت معاذ ہیں۔ حافظ فرماتے ہیں کہ تعدد واقعہ کی وجہ سے ایسا ہوا

567 عن انس قال جاء رجل فقال یا رسول اللہ انی اصبت حداً فاقمہ علی الخ 58/3
یہ رجل حافظ فرماتے ہیں کہ اسکے نام کا علم نہیں ہوسکا لیکن بعض کی رائے ہے کہ یہ وہی رجل ہیں جنکا ذکر حضرت
ابن مسعود کی روایت میں آیا لیکن حافظ فرماتے ہیں کہ لیس بجید ولم یسألہ عنہ حضورؐ نے اس سے اس کی
غلطی کے متعلق سوال نہیں فرمایا یا تو اس وجہ سے کہ وحی کے ذریعہ آپکو معلوم ہو گیا ہوگا (۱) یا شرم کی وجہ سے ایسا
فرمایا (۲) وہ گناہ کبیرہ کی حد تک نہیں پہنچا تھا اگرچہ اس نے زعم میں ایسی تھا اسی لئے توجیہ جو نقل کیا ہے
وحضرت الصلوٰۃ اس سے متعلق نماز مراد ہے یا عمومی نماز مراد ہے جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوا
ان اللہ قد غفر لک ذنبک او حدک سے اشکال ہوگا کہ بغیر توبہ کے محض نماز پڑھنے سے اس کا گناہ
کیسے معاف ہو گیا اسکے مختلف جوابات ہیں۔ جواب (۱) اس سے وہ گناہ کبیرہ مراد ہے جسکا ان لوگوں کا
سامنے اظہار نہ کیا ہو اور وہ گناہ جسمیں اخفاء کیا جائے وہ نماز کے ذریعہ بھی معاف ہو سکتا ہے۔
عدم اظہار کا اس کو فی عیوب سے اور یہ قول امام خطابی کا ہے / جواب (۲) چونکہ وہ نادم تھے اور چہرہ
پر توبہ کے آثار تھے اور اسی کا نام توبہ ہے۔ جواب (۳) وحی کے ذریعہ آپکو معلوم ہو گیا تھا کہ اسکا گناہ
صغیرہ ہے یہ امام نووی کا قول ہے لیکن بعض روایات میں زنا واقع ہوا ہے اس وقت صغیرہ کا
احتمال ختم ہو جاتا ہے اسکا جواب حافظ نے دیا ہے یہ روایات معلول ہے یا یہ کہ ضعیف ہے۔
جواب (۴) بغیر توبہ کے معاف ہو جانا اسی رجل کی خصوصیات میں سے ہے۔

568
569 عن ابن مسعود قال الخ عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین العبد الخ 58/6-8
اس قسم کے مختلف سوالات حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے بہت سے مرتبہ کئے گئے اور حضور کے بھی
مختلف جوابات منقول ہیں لہذا ان تمام کا ایک ہی حل ہوگا کہ حضور نے سائل کے حال کے مطابق اعتبار
اور اشخاص کے مطابق جواب دیا نیز زمان اور حال کے اعتبار سے جواب مختلف دیا۔ امام توربشتی
فرماتے ہیں کہ لفظ احب مطلق احبیت و فضیلت بیان کرنے کے لئے ہوتے ہیں اور ایسی صورت میں
احب الاعمال کا مطلب من جملہ احب الاعمال ہوگا قال الصلوٰۃ لوقتہا لوقتہا میں لام یا تو 7
استقبال کیلئے ہے ای مستقبلۃ لوقتہا یا ابتداء کیلئے ہے ای لابتداء وقتہا یا لام بمعنی فی ہے ای فی
وقتہا اس صورت میں اعتراض وارد ہوگا کہ جب نماز کو وقت میں پڑھنا افضل ہے تو غیر وقت میں
پڑھنا اگرچہ افضل نہیں لیکن کچھ فضیلت ضرور رکھتا ہے۔ جواب اسکا یہ ہے کہ دراصل اعمال کے
اعتبار سے نماز اگر اپنے وقت میں پڑھی جائے تو زیادہ ثواب ہوتا ہے یعنی اگر دیگر اعمال کو اپنے
اوقات میں کیا جائے تو اتنا زیادہ ثواب نہیں جتنا نماز میں ہے بر الوالدین انسان کے وجود حقیقی 7
کے سبب کا حق بیان فرما کر اب انسان کے وجود ظاہری کے سبب کا حق بیان کرتے ہیں الجہاد تو

568 58/7 احسان کیا جائے الجہاد۔ علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ جتنی عبادات و مسائل کا درجہ بیان ہوا ہے ان میں سب سے افضل جہاد ہونا چاہئے تھا۔ دوسری حدیث حضرت جابر کی ہے جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ تارک صلوٰۃ کافر ہے چنانچہ یہی مذہب امام احمد کا ہے اور مرتد قتل ہوگا اور امام مالک و شافعی کے نزدیک بھی حداً قتل ہوگا مگر مرتد نہیں بلکہ صرف حد ہوگا۔ امام صاحب کے نزدیک حبس ہوگا امام احمد کی یہ دلیل ہے حنفیہ اور اس قسم کی بہت سی احادیث ہیں۔ جمہور کہتے ہیں کہ یہ حدیث ایسے تارک پر محمول ہے جو فرضیت کا بھی اعتقاد نہ رکھے جواب۲ اس سے مراد ہے کہ اس نے کافروں جیسا فعل کیا جواب۳ یہ کہ فقد کفر سے مراد فقد قرب الکفر ہے

570 58-11/9-13 الفصل الثانی:- عن عبادة بن الصامت الخ عن ابی امامة صلوا الخ عن عمرو بن شعیب الخ

اس حدیث سے شافعیہ استدلال کرتے ہیں کہ وتر واجب نہیں کیونکہ یہاں خمس صلوات کی قید ہے ایک جواب یا جواب۲ اس سے اثبات وجوب کا نفی ہوتا ہے مطلق کا عدم ضروری نہیں کیونکہ دوسری احادیث ہمارا مستدل ہیں جواب۳ یہ ضعیف ہے اور وجوب وتر بعد کی چیز ہے اس حدیث میں فرائض کا بیان ہے جواب۴ عہد اول میں نماز وتر کا حکم نہیں ہوا تھا اگر اس کو بیان کر دیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسری نمازیں اس سے خارج ہو گئیں مگر یہ جواب صحیح نہیں کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ آپ نے بعض کو بیان کیا اور بعض کا کتمان فرمایا حالانکہ تبلیغ میں آپ کا کتمان کا احتمال نہیں ہے ۱۵ الیٰ ثم تو عمن وخشوعهن یہاں خشوع اور علم کی تاکید کرنی ہے نماز کو صحیح ادا کرے مراد یہ کہ اس کے اندر خشوع اور ۱۱ اسے فرمایا علی اللہ عہد کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ معتزلہ کا مذہب یعذبہ اللہ پر تعذیب کو تو اہل عاصیین کو عذاب دینا واجب ہے لیکن اہل سنت والجماعت کے نزدیک اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے لیکن اپنی شان کریمی کی وجہ سے اپنے اوپر وعدہ کیا ہے مطیع کو ثواب اور عاصی کو نواز دیں اور عاصی کا یہ وعدہ نہیں کیونکہ حوالہ کرم فرماتے ہیں اور معاف فرما دیں

۱۳ دوسری حدیث حضرت ابو امامہ کی ہے جو حجۃ الوداع کا آخری خطبہ ہے اطیعوا اذا امرکم سے مراد یا تو حکام یا علماء یا دونوں ہیں یا عام ہے۔ تیسری حدیث حضرت عمرو بن شعیب کی ہے اور سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دینے کو فرمایا کیونکہ اسی عمر میں بچہ بھلائی میں امتیاز کر سکتا ہے اور دس سال کی عمر میں مارنے کا حکم دیا علامہ بدر عینی فرماتے ہیں کہ امام احمد اور امام شافعی کا ایک قول ہے کہ دس سال میں نماز واجب ہے اور اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں امام بیہقی فرماتے ہیں یہ حدیث منسوخ ہے دوسری حدیث سے جس میں لکھا رفع القلم عن الصبی حتی یحتلم جمہور کہتے ہیں کہ یہ تو تعلیم پر محمول ہے۔ باقی احادیث کا ناسخ صحیح نہیں۔ چند مواضع میں احادیث سے اوامر [illegible] کی وجہ عمر دس سے عقل کا زوال ہو جاتا ہے اور جب عقل ختم تو سب سے پہلے تمیز ختم ہو جاتی ہے ۔

58/25 عن زید بن خالد :- معنی کے یہ ہیں اربعین کی مراد میں چونکہ تمیز نہیں کی گئی اس لیے اربعین سے مراد [illegible] لو یعلم یعنی اگر اسے معلوم ہو ما تقدم من ذنبہ اس سے فقہاء نے مراد لی ہے [illegible]
[illegible] عن عبد اللہ بن عمرو [illegible] حافظ [illegible] مراد [illegible]
سے تو [illegible] فی الفضائل [illegible] علی العراق اور فی الثغر [illegible] کا مطلب [illegible] عن ابی الدرداء [illegible]
[illegible]

باب المواقیت

مواقیت میقات کی جمع ہے جسکے معنی وقت مقررہ کے ہیں۔ اسپر اجماع ہے کہ نماز پنجگانہ اوقات مقررہ میں ادا ہو، اور یہ اسکی صحت کیلئے شرط کا درجہ رکھتا ہے جیسے الطہارۃ صحت کیلئے شرط ہے لیکن چونکہ اسکو تقدم حاصل ہے اسلئے صلوٰۃ سے پہلے طہارۃ کا باب باندھا، نیز طہارۃ صلوٰۃ کیساتھ ہی مختص نہیں، بخلاف مواقیت کے کہ نماز کیساتھ مختص ہے، اسلئے باب الصلوٰۃ میں انکو بیان فرما دیا۔ البتہ اوقات کی ابتداء اور انتہاء میں علماء کا اختلاف ہے اسلئے ہر نماز کی ابتداء اور انتہاء کے متعلق سنئے:۔

ظہر:۔ اسپر تمام خلف کا اتفاق ہے کہ اسکی ابتداء بعد الزوال ہے۔ البتہ سلف میں چند صحابہ کرام کا اختلاف تھا، اور وہ قبل الزوال بھی جواز کے قائل تھے۔ امام احمد، اسحٰق بن راہویہ اس مسئلہ جمعہ کو مستثنیٰ کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ وہ قبل الزوال جائز ہے۔ اور اسکی انتہاء کے وقت میں خلف کا اختلاف ہے۔ امام صاحب کا قول ہے کہ ہر شیئ کا سایہ مثلین ہو جائے تو وہ آخری وقت ہے باقی جمہور کے نزدیک جسمیں ائمہ ثلاثہ، اسحٰق بن راہویہ، ابو ثور، امام ابو یوسف، امام محمد بھی داخل ہیں کہ آخری وقت جب ہے جبکہ ہر شیئ کا سایہ ایک مثل ہو جائے۔ پھر ان لوگوں کے اندر اختلاف ہے کہ مثل کے بعد فوراً عصر کا وقت شروع ہوتا ہے یا درمیان میں وقت مہمل باقی رہتا ہے جمہور کہتے ہیں فوراً عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ امام شافعی اور داود ظاہری کی ایک روایت ہے کہ درمیان میں وقت مہمل رہتا ہے فوراً عصر کا وقت شروع نہیں ہوتا یہی قول اسد بن عمرو نے امام صاحب سے بھی نقل کیا ہے اور شوافع کے قول کو ابن بطال نے نقل کیا ہے لیکن حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ شوافع کے نزدیک وقت مہمل باقی نہیں رہتا۔ امام مالکؒ اور امام مزنیؒ فرماتے ہیں کہ ظہر و عصر کے درمیان ایک وقت ہوتا ہے جو دونوں کے اندر مشترک ہوتا ہے یعنی اگر اس وقت میں ظہر کی نماز پڑھیگا تو وہ بھی ادا ہو جائیگی اور اگر عصر کی پڑھیگا تو وہ بھی ادا ہو جائیگی یہی قول ابن جریر طبری کا بھی ہے۔ امام ابو ثور، عطاء بن رباح، طاؤس فرماتے ہیں کہ ظہر کا آخری وقت غروب شمس تک ہے لہذا اس وقت کے تمام اوقات مشترک ہوں گے۔

عصر:۔ ظہر کی انتہاء میں اختلاف ہونے کی وجہ سے عصر کی ابتداء میں بھی اختلاف ہو گیا۔ امام صاحبؒ کے نزدیک عصر کی ابتداء مثلین کے بعد اور جمہور کے نزدیک ایک مثل کے بعد شروع ہو جاتی ہے اور انتہاء آخری وقت جمہور ائمہ کے نزدیک غروب شمس تک ہے۔ ابو سعید اصطخری کہتے ہیں کہ عصر کی ابتداء ایک مثل سے اور انتہاء مثلین تک ہے اور باقی وقت غروب شمس تک مہمل ہے۔ امام شافعی سے بھی اس قول کو نقل کیا گیا ہے لیکن امام نووی فرماتے ہیں یہ قول انکا نہیں ہے بلکہ

مغرب :- جمہور صحابہ کرام و تابعین ائمہ اربعہ علماء کرام کا اجماع ہے کہ اس کی ابتداء غروب شمس سے یقینی (قطعی الثبوت) ہے۔ علامہ ماوردی نے شیعہ سے نقل کیا ہے کہ مغرب کی نماز کی ابتداء نجوم کے ظاہر ہو جانے کے وقت سے ہے۔ طاؤس [illegible] عطا ابن ابی رباح اور وہب ابن منبہ فرماتے ہیں کہ ستارہ طلوع ہونے کے وقت سے ابتداء ہوگی۔ اور مغرب کا آخری وقت میں جمہور کہتے ہیں کہ غروب شفق تک ہے اور امام شافعی سے دو روایتیں ہیں (۱) اول یہ تھا اذان اور اقامت اور اتنا جتنے وقت میں ادا ہو سکے اتنا وقت غروب آفتاب سے ہے (۲) قول جمہور کے قول کے مطابق ہے اسی قول کی امام نووی نے اپنی کتاب میں تصحیح فرمائی ہے امام مالک کی تین روایتیں ہیں (۱) جو امام شافعی کی اول روایت ہے (۲) جو جمہور کا قول ہے (۳) غروب شمس سے طلوع شمس تک ہے۔ جمہور کا مدار آخری وقت کا غروب شفق پر ہے اب شفق کے مصداق میں علماء کا اختلاف ہے کہ شفق کیا ہے۔ داؤد ظاہری اور ثوری اسحق بن راہویہ۔ ابن عمر۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ الشفق ہو الحمرۃ۔ اور حضرت معاذ بن جبل انس بن مالک۔ ابوہریرہ۔ امام محمد امام اوزاعی۔ اور ابن المنذر شافعی کے نزدیک الشفق ہو البیاض بعد الحمرۃ۔ لغت کا اعتبار سے دونوں معنی صحیح ہیں۔

عشاء :- اس کی ابتداء شفق کے اختلاف پر مبنی ہے شفق کے بعد عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور آخری میں امام ابو سعید اصطخری کے دو قول ہیں (۱) ایک تہائی رات تک ہے یہی امام شافعی کا ایک روایت ہے۔ دوسرا آدھی رات تک ہے۔ جمہور کے نزدیک صبح صادق تک وقت رہتا ہے

فجر :- اس کی ابتداء صبح صادق سے ہوتی ہے پھر اس کی انتہاء میں اختلاف ہے۔ ابو سعید اصطخری کا قول اسفار تک ہے بعد از اسفار میں نماز ادا کرے تو وہ قضاء ہوگی۔ ائمہ اربعہ اور جمہور کا اجماع ہے کہ طلوع شمس تک وقت رہتا ہے اب اس مسئلہ پر ایک بات غور سے سنیے۔

جو لوگ ظہر میں قبل الزوال جواز کے قائل ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور جو لوگ بعد الزوال کے قائل ہیں ان کے دلائل بہت سی روایات میں جیسا کہ اسباب میں مذکور ہیں اور جو لوگ آخری وقت ظہر کو مثل تک کہتے ہیں ان کی دلیل ابن عباس کی حدیث ہے جس میں کہ [illegible] مسئلہ [illegible] امام صاحب کا [illegible] نہیں کا [illegible] ہے آپ کے دلائل بہت سے ہیں آیا وہ ہے جس کو صاحب ہدایہ وغیرہ نے بیان کیا کہ حضور نے حضرت بلال کو ظہر میں ابراد کا حکم دیا تھا اور [illegible] ابراد [illegible] ہوتا ہے جب کہ شدت کا [illegible] ہو جائے [illegible] میں ادا ہوگی [illegible] آیا حدیث میں کہ [illegible] ساوی الفئ التلول یعنی ابراد اتنا کیا گیا کہ ٹیلوں کا سایہ برابر ہو گیا [illegible] بعد نماز ادا فرمائی۔ [illegible] جواب یہ کہ

59/5

جب مثل کا بعد شروع ہو گیا تو مثلین کا اعتبار شروع ہو گیا ہے۔ امام مالک ظہر و عصر کے درمیان اشتراک کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضور کو حضرت جبرئیل نے پہلے دن ایک مثل میں عصر کی نماز پڑھائی اور اگلے دن اسی وقت میں آپ نے ظہر کی نماز ادا کی اس سے معلوم ہوا کہ وہ وقت مشترک ہے۔ امام شافعی نے جواب دیا کہ اول دن عصر کی نماز مثل میں پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ مثل کے قریب عصر کی نماز شروع کی اور ظہر کو اسی وقت میں پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ اسی مثل کے شروع میں جب ظہر کی نماز سے فارغ ہوئے ابو سعید کے نزدیک عصر کی نماز کا آخری وقت مثلین ہے اور اسکے بعد وقت مہمل ہے وہ لوگ استدلال کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل نے دوسرے دن عصر کی نماز مثلین میں پڑھائی تھی اور اگر اسکے بعد بھی جواز ہوتا تو وہ ضرور بیان کرتے۔ جمہور کہتے ہیں کہ غروب شمس آخری وقت ہے کیونکہ اکثر روایات میں مالم تغب الشمس کی قید ہے نیز حضرت ابوہریرہ کی حدیث من ادرک رکعۃ قبل غروب الشمس فقد ادرک العصر بھی اس سے معروف ہے بہرحال امام مالک کیلئے ناسخ ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ حضور اشتباک نجوم تک وقت نماز مغرب پڑھتے تھے علاوہ ازیں سے علامہ عینی نے نقل کیا کہ ان کی یہ روایت بالکل اور من گھڑت ہے۔ طاؤس اور وہب بن منبہ وغیرہ نے استدلال کیا ابو بصرہ غفاری کی حدیث سے جو مسلم میں ہے اسکے چند الفاظ یہ ہیں کہ ولا صلوۃ بعدها حتی یطلع الشاهد والشاهد النجم یعنی مغرب کی نماز شاہد کے نکلنے کے وقت ہوگی اور شاہد ستارہ مراد ہے۔ امام طحاوی نے جواب دیا ہے کہ تفسیر نجم حضور کی جانب سے نہیں بلکہ راوی نے اپنی جانب سے کی ہے لہٰذا حجت کے قابل اعتبار نہیں ورنہ شاہد سے لیل مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ لیل ظاہر ہو جس وقت آپ نے مغرب کی نماز پڑھی۔ امام شافعی اور ایسے ہی امام مالک کا ایک قول آخری وقت مغرب میں بمقدار حین العشاء نماز کا وقت باقی رہتا ہے وہ استدلال کرتے ہیں ابن عباس کی مروی حدیث سے کہ مغرب کی نماز حضرت جبرئیل نے ایک ہی وقت میں ادا کی اس سے معلوم ہوا کہ اسکے علاوہ اور کوئی وقت نہیں تھا۔ ہماری دلیل ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے جس میں ہے کہ غیبوبت شفق نماز کا وقت ہے ابو سعید کے نزدیک آخری وقت عشاء نصف لیل اور ثلث لیل ہے۔ وہ استدلال کرتے ہیں عبداللہ بن عمر کی حدیث سے جس میں نصف لیل تک کا ذکر ہے اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے ثلث کا ذکر ہے۔ جمہور ان دونوں حدیثوں کا جواب دیتے ہیں کہ یہ وقت مستحبہ پر محمول ہے۔ حضرت عمر اور عمر بن عبدالعزیز امام مالک کے نزدیک ثلث لیل تک ہے اور عبداللہ بن مبارک۔ ابو ثور۔ اسحٰق بن راہویہ کا قول ہے کہ نصف لیل۔ امام شافعی اور امام احمد سے بھی یہی دونوں قول نقل کئے گئے ہیں۔ ابو سعید نے فجر کا آخری وقت اسفار تک مقرر کیا ہے مگر اسکے پاس کوئی دلیل نہیں۔ جمہور کے نزدیک طلوع شمس تک وقت باقی رہتا ہے اور اسفار میں نماز ادا کرنے میں کوئی خرابی نہیں کیونکہ حضور نے بار بار اسفار کرنے کا حکم دیا ہے نیز

ابن عمر کی حدیث سے استدلال کافی ہے من ادرک رکعۃ الفجر قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الفجر یعنی
معلوم ہوگیا کہ طلوع شمس تک وقت ہے ۔

59/6 الفصل الاول :- اس باب کی تمام احادیث کا خلاصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے بیان کر دیا گیا التشریح النواۃ
جس حدیث میں قابل توضیح شئے ہو وہ کے ان پر حاشیہ لکھا جا چکا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں حدیث کا الاول
کا التکرار ہی بغرض احتیاط کے لکھدیا جاچکا

59/6 عن عبداللہ بن عمرو :- اس حدیث میں جو جملہ بین قرنی الشیطان وارد ہوا اسکے علماء نے 581
دو معنی بیان کئے اول تو یہ کہ اسکے حقیقی معنی مراد ہیں یعنی جب سورج نکلتا ہے تو شیطان اسکے سامنے
کھڑا ہوجاتا ہے اور اسکے دو سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا نظر آتا ہے اور وہ ایسا اسلئے
کرتا ہے کہ دیکھنے والا جو لوگ سورج کی پوجا کرتے ہیں وہ میری عبادت کر رہے ہیں۔ دوسرا اسکی معنی
بعض علماء نے مجازی مراد لئے کہ یہ کنایہ ہے اسکے دو لشکروں سے جنمیں ایک صبح کو طلوع کے ساتھ
نکلتا ہے اور ایک شام سے کہ صبح نکلا تو لوگوں کی گمراہی میں سعی کرتا ہے تو سورج ان دونوں لشکروں
کے درمیان نکلتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ کنایہ ہے گمراہی سے یعنی قرن کہتے ہیں طاقت کو تو وہ
اپنی اسی طاقت لوگوں کو ہر اعتبار سے گمراہی میں لگاتا ہے ۔

59/10 عن بریدۃ :- اس حدیث میں کہا گیا جملہ وارد ہوا فقال الرجل انا اس لفظ انا کی 582
ترکیب میں تین احتمال ہیں (۱) مبتدا ہو اور لفظ سائل محذوف ہو ای السائل انا (۲) یہ کہ خبر محذوف
ہو ای انا السائل (۳) یہ مبتدا ہو اور خبر انا فاعلم محذوفا ہے ملا علی قاری نے اس قول کو راجح قرار دیا ہے
آگے جب کہ آپ نے دو دن وقتا صلوتکم بین ما رأیتم اسپر اعتراض ہوا کہ اس سے سمجھ میں آیا کہ نماز کا
ادا کرنا ما رأیتم کے درمیان میں ہی ہے اور انکی طرفین اوقات صلوات نہیں حالانکہ وہ بھی اوقات
ہیں اسکا جواب یہ ہے کہ طرفین کو آپ نے بیان فعلی کے ذریعہ بتادیا اور درمیان کا وقت کو بیان قولی
کے ذریعہ بتادیا جو اصل میں ما رأیتم سے وقت مستحب کو بیان فرمایا ۔

59/16 الفصل الثانی عن ابن عباس :- اس حدیث سے شافعیہ نے استدلال کیا اس جملہ سے کہ مفترض 583
کی نماز خلف المتنفل جائز ہے جیسا کہ اس حدیث میں حضرت جبرئیل متنفل اور امام تھے کیونکہ حضرت
ملک مکلف نہیں۔ جواب کا مظہر اثوبہ الاول ملا علی فرماتے ہیں کہ جب حضرت جبرئیل کو اللہ تعالی نے
حکم دیا کہ حضور کو نماز پڑھاؤ تو اب ان پر بھی نماز فرض ہوگئی اور وہ مکلف ہوگئے اور اس جواب
کی تقویت اس حدیث سے ہوتی ہے جسمیں حضرت جبرئیل کا یہ قول بھی موجود ہے بہذا امرت
جواب ۲ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ جبریل حقیقۃ امام نہیں تھے بلکہ معلم کی حیثیت سے بتلایا نماز پڑھا رہے تھے

583 59/16 جواب ۳ حضرت جبرئیل علیہ السلام خود بیان میں مشغول تھے کیونکہ فرض نماز سکھانا ہوگی جبکہ تفصیل معلوم ہو جاتی اور ابو مسعود کو تفصیل کا علم نہیں تھا بعد میں ہوا۔ جواب ۴ حضور نے بعد میں نماز کا اعادہ فرمایا اگر اسکی سند بھی میں واقف نہ ہو سکا۔ حضرت جبرئیل نے حضور کو نماز اسطرح پڑھائی کہ آگے جبرئیل تھے ان کے پیچھے حضور اور آپ کے پیچھے صحابہ کرام۔ اس سے بعض حنابلہ نے استدلال کیا کہ اقتداء بالمقتدی جائز ہے اس کے دو جواب ہیں۔ جواب ۱ امامت جبرئیل حقیقۃ نہیں تھی جواب ۲ حضور کی حیثیت مکبر کی تھی جیسا کہ اکثر امام کے پیچھے مکبر کی حیثیت اور مجمع میں ہوتا ہے لہذا اب استدلال ختم ہے۔

59/17 **عند البیت** بعض روایات میں عند باب البیت واقع ہوا ہے دونوں صحیح ہیں اور اس بیت سے بیت اللہ (کعبہ) مراد ہے بعض کے نزدیک اپنے گھر کیونکہ توجیہ کی لیکن اصح یہ ہے کہ اپنا مقصود تھا۔ **فصلی بی الظہر** ظہر کو ظہر اسلئے کہتے ہیں کہ یہ وقت ظہیرہ (دوپہر) میں پڑھی جاتی ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ یہ اول صلوٰۃ ظہر تھی یعنی ہے۔ اب یہ نماز لیلۃ المعراج میں جب فرض ہوئی تو اسکے بعد سب سے پہلی نماز ظہر کی ہے لہذا وہ سب سے پہلے پڑھائی جانی تھی اور یہاں حدیث میں ظہر سے ابتداء معلوم ہوتی ہے اسکا جواب ۱ یہ کہ اب صبح کیونکہ سوئے ہوئے تھے حضرت جبرئیل نے اٹھانا مناسب نہیں سمجھا جواب ۲ لوگوں کا سونے کا وقت تھا اور تمام لوگوں کو سکھانا اور بتلانا مقصود تھا اور اس وقت لوگ سوئے اور حیران ہماری کیفیت سے اچھی طرح نہ سمجھ سکتے جبکہ ظہر کے وقت سے وہ لوگوں کا جمع ہونے کا وقت ہے۔

59/21 **هذا وقت الانبیاء** حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے علاوہ کسی اور میں یہ جملہ واقع نہیں ہوا۔ مشار الیہ اوقات خمسہ ہیں یعنی انبیاء پر مجموعی طور پانچوں نمازیں فرض تھیں لیکن کسی پر کوئی کسی پر کوئی اور کسی پر کوئی باقی اوقات خمسہ مجموعی طور پر تمام انبیاء پر (۱) قاضی ابو بکر ابن العربی فرماتے ہیں کہ مشار الیہ وقت موسع ہے جو محدود دو طرفین ہے (۲) مشار الیہ اسفار بالفجر ہے۔

584 59/21 **الفصل الثالث عن ابن شہاب** ۔ اس حدیث میں لفظ اعلم وارد ہوا ہے یہ یا تو علم سے امر ہے یا معلوم سے۔ تیسری صورت یہ کہ صیغہ متکلم ہے اول صورت میں مطلب ہوگا کہ اسطرح سمجھ لو کہ جبرئیل نے ہی حضور کی امامت کرائی ہے۔ دوسری صورت میں مطلب ہوگا کہ سند کیا تو بیان کرو اے عروہ! انہوں نے پھر سند کیسے تو بیان کیا۔ تیسری صورت میں مطلب ہوگا میں بھی جانتا ہوں اے عروہ! اور وہ یہ سمجھے کہ غصہ ہو رہے ہیں میں اپنی طرف سے بیان کر رہا ہوں اسلئے سند بیان کر دی تاکہ معلوم ہو جائے کہ میں اپنی طرف سے بیان نہیں کر رہا ہوں۔ یہ حدیث دوسرے طرق میں و صحیحین میں ایسے ہی مجمل واقع ہے لیکن ابو داؤد میں تفصیل کیساتھ ہے لیکن اسکا ایک راوی اسامہ بن زید لیثی ضعیف ہے۔ حضرت عمر کی حدیث قابل تشریح نہیں۔ تیسری حدیث

59/21 حضرت ابن مسعودؓ کی ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گرمی میں نماز کو موخر فرماتے تھے اس وقت تک جبکہ آدمی کا سایہ تین قدم سے لیکر پانچ قدم تک ہو جائے اور سردی میں جبکہ پانچ قدم تک ہو جائے کیونکہ سردی میں ہر شئی کا سایہ پہلے سے ہی بڑا ہوا ہوتا ہے۔ علامہ ابو سلیمان خطابی فرماتے ہیں کہ حضور کا یہ فعل مکہ و مدینہ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ یہ اقلیم ثانی میں واقع ہے اور اقلیم ثانی میں سورج سر کے اوپر اور ایک برابر رہتا ہے۔ اور ابراد گرمی میں ان شہروں میں جب ہوتا ہے جبکہ سایہ تین قدم سے لیکر پانچ قدم تک ہو جائے یہی وہ وقت ہے جس ابراد کی تعلیم [illegible]

باب تعجیل الصلوٰۃ

60/4 علامہ بغوی اور حضرت مؤلف علیہ الرحمہ دونوں شافعی المسلک ہیں اور شوافع کے نزدیک تمام نمازوں کا اول وقت میں پڑھنا افضل ہے اسلئے مستقل باب باندھا۔

فجر :۔ یہ قبل میں معلوم ہو چکا ہے کہ طلوع شمس تک جس وقت میں بھی ادا کیجائیگی ادا ہوگی سوائے ابو سعید اصطخری کے ان کے نزدیک اسفار میں اگر پڑھے ادا نہ ہوگی البتہ وقت مستحب میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرات حنفیہ حضرت عبداللہ بن مسعود۔ سفیان۔ علی ابراہیم نخعی وغیرہ کے نزدیک اسفار افضل ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک غلس کے اندر پڑھنا افضل ہے۔ امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر لوگ جمع ہو جائیں تو غلس میں ورنہ پھر اسفار میں افضل ہے۔ امام طحاوی کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ غلس کے اندر ابتدا کرے اور اسفار میں انتہا کرے جیسا کہ بعض صحابہ کے عمل سے ثابت ہے۔ یہ چاروں مذاہب وقت استحباب کے اندر ہے۔

ظہر :۔ جمہور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سردی میں تعجیل اور گرمی میں ابراد کرے تو یعنی تاخیر کرے تو ادا کیجائیگی۔ امام شافعی کی ایک روایت تعجیل کی ہے اور دوسری روایت ائمہ ثلاثہ کے موافق ہے ابراد کب تک ہوگی مگر چار شرائط کے ساتھ مشروط ہے (۱) شدت گرمی ہو (۲) جماعت کے ساتھ مساجد میں ادا کیجائیگی (۳) دور دراز سے لوگ آئیں (۴) بلاد حارّہ ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ امام ترمذی نے باوجود شافعی ہونے کے اسکی تردید کر دی ہے جیسا کہ آئندہ تنبیہ کیجائیگی

عصر :۔ جمہور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تعجیل کیجائے اور امام صاحب کے نزدیک اتنی تاخیر کیجائے تو ادا کی جائیگی کہ سورج میں صفرۃ داخل ہو جانے یہی مذہب ہے ابو قلابہ اور ابن مسعود کا

مغرب :۔ سب ائمہ کے نزدیک تعجیل اور ہمارے زمانہ میں حنابلہ اور حنفیہ کے نزدیک تاخیر افضل ہے

عشاء :۔ امام شافعی کا ایک قول ہے کہ تعجیل کرے لیکن قول منصور و مشہور یہ ہے کہ تاخیر کرے۔ اب تاخیر کے اندر دو قول ہیں (۱) ثلث لیل (۲) نصف لیل۔ جمہور ائمہ ثلاثہ بھی دونوں

قول ہیں۔ تاہم نمازوں کے وقت استحباب میں یہ اقوال ہوگئے اب استدلالات سنئے!
تغلیس والے حضرت عائشہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لیصلی الصبح فتنصرف النساء متلفعات بمروطهن الخ جس کا مطلب یہ ہے کہ اسی وقت میں آپ
صبح کی نماز پڑھتے جب عورتیں پوشیدہ تو تاریکی کی وجہ سے کوئی انکو دیکھ نہیں سکتا تھا۔
حنفیہ کا استدلال بہت سی احادیث سے ہے خاکسار چند احادیث سنئے:- (۱) سنن اربع
صحیح ابن حبان۔ مسند احمد وغیرہ رافع ابن خدیج کی روایت ہے کہ اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر
دوسرے الفاظ میں ہے۔ اصبحوا بالصبح فانہ اعظم للاجر اور تیسرے الفاظ اس سے بھی صریح ہیں
کلما اسفرتم بالفجر فانہ اعظم للاجر۔ ان الفاظ کا قرار دینا کا جواب تغلیس والے یہ دیتے ہیں کہ
اسفار سے مراد یہ ہے کہ فجر کا اتنا اسفار کر لو کہ شک نہ رہے اور وضوح ہو جائے۔ ہمارے فقہاء اب
یہ کہتے ہیں کہ حضور نے اعظم فرمایا جو اسم تفضیل ہے اور وہ چاہتا ہے مفضل اور مفضل علیہ کو اور
وہ دونوں نفس فضیلت میں برابر ہوتے ہیں۔ لہذا یہاں اسفار تو مفضل اور اپنے قول کے مطابق
شبہ فجر سے پہلے پہلے وقت مفضل علیہ ہوگا تو لازم آئیگا شبہ فجر سے پہلے پہلے وقت میں بھی فضیلت کا
ملنا حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ لہذا اسفار سے شبہ فجر مراد لینا صحیح نہیں ہے۔ (۲) اسکو حضرت امام محمد
کتاب الآثار میں رافع بن خدیج کی ایک اور روایت نقل کی ہے کہ حضور نے حضرت بلال سے فرمایا کہ یا بلال نور
بالفجر حتی یبصر القوم مواقع نبلهم یعنی لوگ اپنے تیر پھینکنے کے نشانات کو دیکھ لیں اور ظاہر
ہے کہ فوراً شبہ فجر کے بعد ایسا نہیں ہو سکتا۔ صرف اسفار کے وقت میں ایسا ہو سکتا ہے
جس وقت اندھیرا ختم ہو جائے۔ (۳) امام طحاوی نے حضرت جابر کی روایت نقل فرمائی ہے
کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یؤخر الفجر کاسمہا اور فجر کے معنی خوب اتضاح و تبین کے ہیں
(۴) صحیحین میں ہے ما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ لغیر وقتہا الا بجمع جمع فیها۔
اب اس حدیث میں غیر وقتہا سے یا تو غلس مراد ہے یا قبل صبح شبہ فجر مراد ہے۔ ثانی تو
مراد نہیں ہو سکتا تو معلوم ہوا کہ غلس مراد ہے۔ باقی تمام عمر اسفار میں پڑھی ہے
حافظ فرماتے ہیں کہ اشد غلس مراد ہے۔ علامہ کشمیری فرماتے ہیں کہ یہ تاویل صحیح نہیں ہے
کیونکہ شوافع کے نزدیک شبہ فجر کے فوراً بعد نماز پڑھنا افضل ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہمارا
مذہب زیادہ راجح ہے کیونکہ ہماری تمام روایات قولیہ اور شوافع کی تمام روایات فعلیہ
ہیں اور قول و فعل جب جمع ہوں تو قول راجح ہوتا ہے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ غلس
کی روایات ہمارے مخالف نہیں کیونکہ حضور کا غلس کے اندر نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ

ابتداء غلس کے اندر کرنا ہے اور انتہاء اسفار میں ہوتی تھی۔ اس کے متعلق علامہ کشمیری فرماتے ہیں کہ ا
میں نے امام محمد کی کتاب الحجۃ کو دیکھا تو میں یہ سمجھا کہ یہ ابو حنیفہ کا مسلک ہے لیکن امام محمد کی دوسری
کتاب دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ابو حنیفہ کا مسلک نہیں بلکہ خود امام طحاوی کا اپنا مسلک ہے۔ جس کی وجہ یہ بیان کرتا
ہیں کہ کسی سفر کا قصہ ہوگا کہ اول اپنے غلس کے اندر نماز پڑھی۔ امام طحاوی نے ابراہیم نخعی سے
نقل کیا کہ صحابہ کا کسی پر اتفاق نہیں ہوا جتنا اسفار پر ہے۔ ہمارے بعض اصحاب فرماتے ہیں کہ اوقات
کا اختلاف عذر پر مبنی ہے کبھی آپ نے غلس کے اندر اور کبھی اسفار کے اندر پڑھی چنانچہ [illegible] ابو الاصبح
نے حضرت ابن عمر سے سوال کیا کہ آپ تو خوب اندھیرے میں نماز پڑھتے اور کبھی خوب روشنی میں
اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے فرمایا دونوں مستحب ہیں۔ یہ روایت مسند احمد میں ہے۔ ابو نعیم نے
حلیۃ الاولیاء میں امام بغوی نے شرح السنہ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ جب آنحضور نے حضرت معاذ کو
حاکم بنا کر بھیجا تو فرمایا سردی میں غلس کے اندر اور گرمی میں اسفار کے اندر نماز پڑھنا۔
علامہ کشمیری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کے اندر ایک راوی سیف ہے جس کو حضرات
نے ترک کیا ضعیف ہے لیکن اس حدیث کو خود ان دو راویوں نے نقل کیا ہے

تفصیل دونوں کی جو حضرت عائشہ کی حدیث سے استدلال کیا تھا ما یعرفن من الغلس یعنی نماز کے بعد
عورتیں گھر کو جاتیں اور غلس (تاریکی) کی وجہ سے پہچانی نہ جاتیں۔ اس کا جواب حضرت گنگوہی نے دیا
ما یعرفن من الغلس کا مطلب ہے الا فی المسجد لیکن اس جواب پر شیخ الہند راضی نہیں ہیں
وہ فرماتے ہیں کہ دراصل مستحب وقت تو غلس ہے لیکن عوارض کی وجہ سے اسفار افضل ہو گیا۔ حضرت
شاہ صاحب جواب دیتے ہیں کہ ابن ماجہ میں غلس سے پہلے لفظ یعنی زیادہ ہے جس سے معلوم ہوا
من الغلس راوی کی تفسیر ہے اور یہ قرینہ ہے کیونکہ جب حضور فجر کی نماز میں ساٹھ سے لیکر سو
تک آیات تلاوت فرمایا کرتے تھے اور ایسی تلاوت فرمانا بھی اظہر من الشمس ہے کہ کیسا ہوگا تو ایسی
صورت میں صفوف بھی پر ہونا محال ہے کہ عورتیں اندھیرے اندھیرے واپس آ جاتیں یقیناً اسفار
کا وقت نماز ہی کے اندر ہو جاتا تھا۔ ایک جواب اس حدیث میں ما یعرفن کا یہ دیا گیا کہ انہوں نے
چادریں وغیرہ اوڑھ رکھی تھیں اس وجہ سے معروف نہیں ہوتی تھی کہ کون ہے۔ وقت استحباب میں
اقوال مختلفہ کا استدلالات کا بیان تھا۔ ظہر میں جمہور کے نزدیک ابراد افضل ہے اس کی بھی
مختلف دلیلیں ہیں۔ ایک تو حضرت ابو ہریرہ کی حدیث اسی باب میں ہے اذا اشتد الحر فابردوا
صحیح بخاری میں حضرت ابو ذر غفاری کی ایک روایت ہے کہ آپ کسی سفر میں تھے مؤذن نے اذان دینا
ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا ابرد۔ اس نے دوبارہ ارادہ کیا تو پھر ابرد فرمایا حتیٰ کہ ہم

60/4

شیر میں پڑھتے پھر آپ نے ابرد فرمایا اور اسکے بعد اذان دیکھی اس سے معلوم ہوا کہ ابراد فرض ہونے سے امام
ترمذی کا اور امام شافعی پر بیان اثر اور کہ ابراد دینا کہ ابوذر کی حدیث سے امام شافعی کا جو یہ قول کیا گیا
کہ ابراد جب جائز ہے جبکہ لوگ دور دور سے جمع ہوں ٹھیک اسکی تردید ہو گئی کیونکہ یہ سفر کا واقعہ ہے تو
یقیناً سب جمع ہوں گے لہذا انکی نسبت کا یہ قول من کلیہ غلط ہے حافظ عسقلانی ارشاد فرماتے ہیں
ہیں اسمیں جب گرمی ہوتی ہے تو لوگ مشغول ہو جاتے ہیں لہذا اسی وقت میں چلنا پھرنا
پایا گیا اور یہی امام شافعی کی شرط کا مقابلہ ہے۔ ملحوظ رہے کہ احناف حنفیہ کا علاوہ جو دوسرے
ائمہ تعجیل کے قائل ہیں وہ اسبابا کی حدیث میں روایات سے استدلال کرتے ہیں مثلاً حضرت
انس کی حدیث کان یصلی العصر والشمس مرتفعة الخ اور حدیث میں روایات ہیں حنفیہ کے جواب کا
یہ احادیث ہمارے خلاف نہیں ہیں ہمارے نزدیک بھی تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ سورج میں اصفرار ہو مثلاً
اور سورج کے اندر تغیر کا اتفاق ہے تعجیل ہوگی لہذا اسبابا کی روایات مستدل ہیں اور عشاء
میں بھی ائمہ ایک کا دونوں میں ہے (۱) نصف لیل (۲) ثلث لیل اور ہر ایک کی دلیل اس سے پہلے باب میں گذر چکی

587 الفصل الاول:۔ عن سیار بن سلامة الخ عن محمد بن عمرو بن الخ 60/4

یصلی المکتوبة اس حدیث میں پانچ نمازوں کا ذکر ہے اس سے شافعیہ نے استدلال کیا کہ وتر واجب
نہیں ہے۔ کیونکہ موجود یہاں ہیں جو لوگ انہوں نے فرائض کا سوال کیا تھا اسلئے پانچ فرائض کو
بیان کر دیا اور وتر واجب ہے اور واجب اور فرض میں فرق ہے جو لوگ وتر عشاء کے تابع میں
داخل ہے اسلئے دونوں عشاء میں آگئے حین ترحض الشمس حضور نماز پڑھتے کو حکم کی حسین
عرفتا سورج ڈھل گیا۔ یہاں اعتراض ہوا اس حدیث میں اور گذشتہ حدیث میں ابوذر کی
آیا ہے کہ اذا اشتد الحر فابردوا الخ اس سے ابراد کا ثبوت ہے اور اس حدیث سے سمجھ میں آتا
فوراً ڈھلنے کے بعد پڑھی دونوں میں جمع کی چند صورتیں ہیں (۱) اس حدیث سے جو ابراد معلوم ہوا
اس کا حکم بعد میں ہوا اور اس حکم سے پہلے کا واقعہ ہوگا کہ آپ سورج ڈھلنے کے بعد نماز پڑھی
(۲) یہ بیان جواز کی حدیث سردیوں پر محمول ہے (۳) حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ سورج ڈھلتے ہی آپ نے
بیان جواز کیلئے نماز پڑھی ہے والشمس حیة یعنی سورج کی روشنی اور دھوپ کی گرمی باقی تھی
العتمة حضور کے زمانے سے پہلے عشاء کے وقت کو لوگ عتمہ کہتے تھے حضور نے اس سے منع فرما دیا تو لوگوں نے
اسکو چھوڑ دیا اور عشاء کا لفظ بولنے لگے لیکن اعراب نہ سمجھتا تھا یہ لوگ لفظ عشاء کو نہ سمجھ سکیں
اسلئے آپ نے لفظ عتمہ کی تعبیر کردی۔ اب اشکال ہوا کہ جب حضور نے منع فرما دیا تو انہوں نے کیوں تعبیر کی
اسکا جواب یہ ہے کہ حضور نے بھی اس لفظ کا بولنا مصلحتاً کیونکہ منع نہ کیا ہے اور صحابی نے بھی مصلحتہً کیا

وکراهة النوم قبلها علماء نے بیان فرمایا اگر اسکو اعتماد ہو اپنے اوپر کہ وہ جاگ جائیگا اور نماز نہیں 60/7
چھوٹے گی تو اسکے لئے سونا جائز ہے ایک حدیث سے وارد ہوئے ہیں اگر آدمی دینی امور میں
اور علمی گفتگو کرے تو جائز ہے نیز بیوی سے بات کرنے کی بھی گنجائش ہے حضور سے اکثر اوقات میں
ثابت ہے اور دینی مصلحت کیلئے عشاء کے بعد گفتگو کی ہے — دوسری حدیث میں وارد ہوا کہ اخروا
الصبح لغلس امام طحاوی فرماتے ہیں اسکا مطلب کہ غلس میں نماز کی ابتداء کرو اور
ہمارے نزدیک یہ محمول ہے بعض اوقات پر محمول ہے

589 وعن انس قال كنا اذا صلينا خلف النبي صلى الله عليه وسلم بالظهائر الخ 60/11
سجدنا على ثيابنا ہمارے نزدیک عمامہ کے پیچ پر سجدہ کرنا جائز ہے اور اس حدیث سے اور ایک دوسری
روایت سے ہمارا استدلال ہے جس میں وارد ہوا کہ حضور نے عمامہ کے پیچ پر سجدہ فرمایا شافعیہ
کہتے ہیں کہ وہ حدیث ضعیف ہے ہم کہتے ہیں کہ اسکے شواہد کافی ہیں اگر انکو جمع کیا جائے
تو معلوم ہوگا کہ اسکی اصل موجود ہے — اس حدیث کے متعلق شافعیہ کہتے ہیں کہ ثیاب منفصلہ
پر محمول ہے ہم کہتے ہیں کہ ظاہر سمجھ میں آتا ہے کہ اس سے ثیاب منفصلہ مراد نہیں کیونکہ وہ
زمانہ تنگی وسعت کا نہیں تھا کہ لوگ ایک کپڑا اوڑھیں اور ایک کو بچھا کر نماز پڑھیں

590
591
592
593 عن ابي هريرة اذا الخ عن انس قال الخ وعنه قال تلك صلوة المنافق الخ 60/12-18
یہ حدیث ہمارا مستدل ہے وفي رواية للبخاري کہ اس سے مراد ظہر ہے مقصود قبلہ ابردوا بالصلوة میں نماز
سے نماز ظہر مراد ہے فان شدة الحر من فيح جهنم اس پر اعتراض وارد ہوا کہ گرمی کا
تعلق تو سورج سے ہے پھر جہنم سے کیوں تعلق بیان کیا گیا اسکا جواب علامہ کشمیری نے دیا کہ اعتراض
کرنیوالے یا تو قدماء فلاسفہ ہیں یا جدید یورپین اگر قدماء ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اس سورج کا
عنصر اجرام اثیریہ ہوتے ہیں اور اجرام اثیریہ میں تمہاری تحقیق کے مطابق نہ گرمی ہوتی
ہے اور نہ سردی لہذا معلوم ہوا کہ سورج میں نہ گرمی ہے اور نہ سردی لہذا گرمی کا تعلق سورج
سے نہیں ہوسکتا۔ ان کو ماننا پڑا کہ مستقل قبلہ شعاع کی حرکت کیوجہ سے سورج میں گرمی پیدا
ہوجاتی ہے اسکا جواب بھی علامہ نے دیا کہ حرکت تو کیفیت ہے اور ساکن حرکت نہیں ہوتی
لہذا شعاع میں بھی حرکت نہیں ہے۔ اور اگر جدید یورپین معترض ہیں تو ان کا جواب یہ ہوگا کہ
اللہ تعالیٰ نے دو قسم کا اسباب پیدا کئے ہیں ایک سبب ظاہری اور ایک سبب باطنی تو گرمی
کا سبب ظاہری سورج اور سبب حقیقی و باطنی وہ ہے جسکو جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
شبہ دیا واشتکت النار اگر اسکے حقیقی معنی مراد ہیں تو اللہ کا رسول زیادہ جانتا ہے اور اگر 13

590 591 592 593 60/13

جمازی کا معنی مراد لیں تو اشکال یہ ہے جو نتیجہ مرتب ہوتا ہے یعنی تکلیف کا دور کرنا وہ مراد ہے کہ اس کی گرمی کو ختم کر دیا گیا یا کم کیا جائے اور اس مجاز سے کنایہ ہے شدۃ گرمی کیطرف - اب اعتراض وارد ہوگا کہ جب گرمی سردی کا تعلق جہنم سے ہے تو پھر تمام دنیا کا اثر سردی گرمی میں مساوات ہونا چاہئے حالانکہ کہیں سردی کم ہے کہیں زیادہ ۔ کہیں بالکل گرمی ہوتی ہے کسی جگہ بالکل سردی تمام سال رہتی ہے حتی کہ ایک جگہ اسی موسم میں سردی اور دوسری جگہ اسی موسم پر گرمی ہوتی ہے اسکی کیا وجہ ہے اسکا جواب - مقابلہ ہم سمجھنے کیلئے چند موثر بتاتے ہیں اور انکے اثر اسکا نتیجہ نکل پہونچنے کیلئے چند موانع کا ارتفاع ضروری ہے تو گرمی اور سردی کا تعلق جہنم سے ہے اور وہاں سے وہ دنیا میں پیدا کی ہوتی ہے لیکن چند موانع انکو اسے پہنچنے آجاتا ہے جیسے دوسرے جگہ سے وہ باقی کیا رہتی ہے اگر کسی زمین میں رکاوٹ سے تو وہاں گرمی کم ہوگی اور اگر موانع مانع نہیں ہوگی اور جہاں موجود ہوتی ہے وہاں گرمی زیادہ ہوگی - اور جس جگہ ایسا وقتا میں سردی اور دوسری جگہ اسی وقت میں گرمی ہوتی ہے اسکا جواب علامہ کشمیری نے دیا کہ جہنم کے چند منہ ہیں تو ایک منہ سے وہ سانس ادھر کیطرف لیتی ہے تو اس طرف سردی ہو جاتی ہے اور جس طرف وہ سانس نکالتی ہے اس طرف گرمی ہو جاتی ہے - دوسری حدیث حضرت انس کی جمع اوقات میں فیذهب الذاهب اس سے حضرت انس مراد ہیں کیونکہ انکی اور محلوں میں جن کا رجع الی اهلہ واقع ہوا ہے - دوسری حدیث بھی انس کی ہے فنقر اربعا اب اشکال ہوا کہ چار رکعات میں تو زیادہ وقت لگتا ہوتا ہیں پھر نقر تعبیر کیا جا رہا ہے؟ جواب جونکہ دونوں رکعتوں کا درمیان وہ قعدہ نہیں کیا کرتا تھا اسلئے قریب ان دونوں رکعتوں کو ایک شمار کیا جواب ملا علی قاری کا دوسرا جواب یہ دیا کہ اسوقت نماز دو رکعتا ہی فرض تھی لیکن یہ جواب غلط ہے کیونکہ حضرت عائشہ کی حدیث سے معلوم ہوا کہ ہجرت کے بعد سے چار کیطرف زیادتی ہو گئی تھی حضر میں جواب تیسرا جواب ملا علی قاری نے دیا کہ یہ سفر کا واقعہ ہے

594 60/19

عن ابن عمر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذی یفوتہ صلوۃ العصر الخ الذی تفوتہ صلوۃ العصر فوت صلوۃ کے معنی میں اختلاف ہے - حضرت نافع فرماتے ہیں کہ اس سے اسناد حضرت عبداللہ بن عمر نے جب یہ حدیث بیان فرمائی تو میں نے پوچھا کہ اس سے کیا مراد ہے فرمایا غروب شمس ہو جانا ۔ یہ فرمایا اور یہی معنی مراد ہے حافظ فرماتے ہیں کہ یہ مطلب صحیح نہیں بلکہ اول مطلب کو زیادہ صحیح ہے لہذا اسی مطلب کا اعتبار ہے لیکن حضرت امام ابوداود سجستانی نے اپنی کتاب میں امام اوزاعی سے نقل فرمایا کہ فوت ہونے سے مراد یہ ہے کہ سورج میں زردی داخل

60/19

ہو جاتے۔ حافظ فرماتے ہیں کہ یہ کلام خود امام اوزاعی کا مدرج ہے۔ مہلب ابن ابی صفرہ شارح ابو داؤد فرماتے ہیں کہ فوت سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص جماعت کو ترک کر دے اہوں نے فرمایا ہے کہ یہ بیان نکلتا ہو جو نافع سے منقول ہے کہ ابن عمر صلوۃ عصر کی تخصیص کیا کرتے تھے مگر نماز مغرب کا وقت نکل گیا تو وہ فوت ہو گئی۔ حافظ فرماتے ہیں کہ اس کا الزام تو مہلب کے مطلب پر بھی ہو سکتا ہے اور جماعت نماز عصر کی تخصیص بعد نماز کے جماعت ہے۔ مہلب ابن ابی صفرہ فرماتے ہیں کہ حضور نے نماز عصر کی تخصیص اس وجہ سے فرمائی کہ اس وقت ملائکہ جمع ہوتے ہیں اور مشکل یہ ہے ابن منیر فرماتے ہیں کہ فجر کے وقت بھی تو ملائکہ کا اجتماع ہوتا ہے لہذا اس علت کی بنا پر تو فجر کا بھی ذکر ہونا چاہئے تھا صحیح یہ ہے کہ اللہ جس چیز کو چاہے جس نماز کو چاہے فضیلت کے ساتھ خاص کر دیا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا محمل نسیان ہے چنانچہ انہوں نے ایک باب منعقد کیا باب من نسی صلوۃ العصر۔ اور اس میں یہ بات آ ... یہ وعید صرف نماز عصر کے ساتھ خاص ہے یا اور نمازوں میں بھی یہ وعید ہے۔ حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ تخصیص فی السوال کی وجہ سے حضور نے عصر کا ذکر فرمایا یعنی سائل نے صرف عصر کے متعلق دریافت کیا تھا اسلئے حضور نے صرف عصر کو ذکر کیا ورنہ اور نمازیں بھی اسی وعید کے تحت لاحق ہیں۔ امام نووی نے اعتراض کیا کہ جب عصر کی خصوصیت وارد ہوئی تو اور نمازوں کو بلا خصوصیت کیوں ملحق کرتے ہو ایک شئی کو لاحق دوسری شئی کے تب کیا جاتا ہے جب دونوں علت میں مشترک ہوں اور یہاں علت کا پتہ نہیں کہ کیا علت ہے لہذا لاحق نہیں کر سکتے لیکن مسند احمد میں ایک روایت ہے جس میں صرف صلوۃ مکتوبہ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں اس سے معلوم ہوا ابن عبد البر کا قول صحیح ہے کہ عصر کے ساتھ مختص نہیں ہے ایسے ہی نوفل بن معاویہ کی حدیث ہے جس سے اور بھی ابن عبد البر کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آگے جو کہ اس میں تفسیر اس مطلق نماز کی عصر کی نماز کے ساتھ واقع ہوئی ہے لہذا اس سے اطلاق پر استدلال صحیح نہیں ہے لیکن حافظ فرماتے ہیں کہ وہ تفسیر تو کسی راوی کی جانب سے ہے اصل حدیث کے الفاظ یہ ہیں ان صلوۃ من الصلوات اور اس سے عموم سمجھ میں آتا ہے

60/20

فکانما وتر اھلہ ومالہ یہ منصوب اور مرفوع دونوں طرح ہے حافظ عینی نے فرمایا اول مشہور ہے اور وتر متعدی بدو مفعول ہوتا ہے اور جو لوگ یہ مجہول ہے لہذا قاعدہ نحویہ کے مطابق اس کے اندر ضمیر نائب فاعل ہوگی اور اہلہ مفعول ثانی ہوگا۔ اور وتر اصیب کے معنی میں ہوگا۔ اور جو لوگ اسکو مرفوع کہتے ہیں وہ وتر کو نقص کے معنی میں لیتے ہیں اور اسکا فاعل

594 یا تو ضمیر ہوگی جو الذی کی تفوته کیطرف راجع ہوگی اس صورت اہلہ ومالہ منصوب ہوگا اور اگر ضمیر فاعل نہیں بنایا اہلہ ومالہ فاعل ہے تو ایسی صورت میں مرفوع ہوگا - علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ منصوب ہونے کی صورت میں سلب کے معنی میں ہوگا اور نائب فاعل ضمیر ہوگی اور مفعول ثانی اہلہ و 60/20

595 596 597 عن بریدة قال الخ عن رافع بن خدیج قال کنا الخ عن عائشة قالت کانوا الخ 60/20,21,22

فقد حبط عمله اس سے استدلال کیا خوارج نے اس معنی پر کہ انسان خارج از ایمان ہوجاتا ہے نیز حنابلہ نے استدلال کیا کہ تارک صلوۃ کافر ہے - اس حدیث پر اعتراض وارد ہوا کہ اس حدیث کا منطوق اور آیت کریمہ کا مفہوم میں تعارض ہے آیت کریمہ یہ ہے ومن یکفر بالایمان فقد حبط عمله یعنی جو شخص ایمان سے انکار کرے تو اس کے اعمال باطل ہوجاتے ہیں اور اس کا مفہوم ہوا کہ اگر ایمان ہو تو عمل کا حبط نہیں ہوتا اور حدیث کا منطوق ہے کہ نماز عصر کو ترک کردے تو عمل کا حبط ہوجاتا ہے حالانکہ اس میں ایمان باقی رہتا ہے پھر بھی حبط ہوجاتا ہے اس بارے میں محدثین کرام نے مختلف معانی ومطالب بیان فرمائے۔ مطلب ۱ من ترک جاحدا فرضیته فقد حبط عمله یعنی جو شخص نماز عصر کو ترک کرے اس حال میں کہ وہ انکار کرنے والا ہو نماز کی فرضیت کا تو اس صورت میں وہ اپنے جحود کی وجہ سے کافر ہوگیا اور ایمان ختم ہوگیا - اب حدیث اور آیت میں کوئی تعارض نہیں رہا اور چونکہ جاحد پر محمول ہوگئی لہذا خوارج اور حنابلہ بھی اس سے استدلال نہیں کرسکتے - مطلب ۲ فرضیت کا تو وہ معترف ہے لیکن کرنے والوں کیساتھ وہ استخفاف اور استہزاء کرتا ہے تو چونکہ دین کی ادنی شئی کیساتھ استخفاف بھی کفر ہے لہذا وہ بھی کافر ہے - مطلب ۳ تشدید اور توبیخ پر مبنی ہے حقیقۃ حبط مراد نہیں ہے - مطلب ۴ حبط عمله کا مطلب قریب ہے کہ اس کا عمل حبط کر دیا جائے مطلب ۵ حبط عمل سے نقصان عمل مراد ہے مطلب ۶ بطلان نفع مراد ہے یعنی اگرچہ فرائض ادا ہوجاتے ہیں لیکن اس کا نفع باطل ہوجاتا ہے - دوسری حدیث حضرت رافع بن خدیج کی ہے جس سے مقصود مصنف کا یہ ہے کہ مغرب کے اندر تعجیل ہے - تیسری حدیث حضرت عائشہ کی ہے جس کے متعلق مصنف نے فرمایا متفق علیہ لیکن ملا علی قاری اور دیگر شراح نے فرمایا یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ

598 599 عنہا قالت کان الخ عن قتادة عن انس ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ 60/23,24,26

ما یعرفن من الغلس معرفت کے دو معنی ہیں (۱) انکے اوصاف نہیں پہچانے جاتے تھے یعنی یہ معلوم ہوتا تھا کہ مذکر ہیں یا مؤنث ہیں اس مطلب کو داودی نے بیان کیا (۲) انکے اعیان نہیں پہچانے جاتے تھے یعنی یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ خدیجہ ہیں عائشہ ہیں یا زینب ہیں لیکن امام

598 599 نووی نے اس مسئلہ کی تضعیف کی ہے یہ بات تو دن میں بھی معلوم نہیں ہو سکتی جب گرد و غبار 60 23,24,26
اور ابر ہوتا ہو۔ یہ کون سی صورت ہے۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام نووی کا اس قول میں
تفرد ہے کیونکہ دن اور رات کی تاریکی میں فرق ہوتا ہے دن میں اس کی چال ڈھال فن اور جسم
رصدگاہ کے ذریعہ معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ دوسری حدیث حضرت قتادہ کی ہے جس سے معلوم ہوا
کہ سحری اور نماز کا درمیان حضور پچاس آیت کے بقدر توقف فرما کر نماز پڑھتے تھے۔
حافظ تورپشتی فرماتے ہیں کہ امام مسلمین کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ پچاس آیت کے بقدر توقف کرکے
نماز پڑھیں کیونکہ حضور کو اللہ تعالیٰ نے ہر شئی کے حقائق کا علم عطا فرمایا تھا تو حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم وقت کا مبدأ اور منتہا پر واقف تھے اور ہمکو علم نہیں۔ ابن الملک فرماتے ہیں کہ حاذق
بالوقت کیلئے ایسا کرنا جائز ہے۔ ملا علی قاری نے اس قول کو رد کر دیا اور فرماتے ہیں کہ
حاذق اور ماہر فی علم النجوم سے بھی خطا کا صدور ہو سکتا ہے۔

600 عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف انت اذا کانت علیک الخ 60 27
اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضور نے پوچھا تھا جب امراء لوگ نماز میں تاخیر کرنے لگیں گے تو
تم کیا کرو گے۔ ابوذر نے عرض کیا کہ جس چیز کا آپ حکم دیں گے تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنی نماز کو وقت
میں ادا کر لیا کرو۔ اور پھر اگر ان کو پاؤ تو اعادہ کر لو اور تمہارا یہ اعادہ نفل ہو گا۔ اذا
کانت علیک۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ حضور کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھا کیونکہ خلفاء 27
بنو امیہ میں ایسا ہوا ہے اول وقت میں ادا نہ کرتے تھے اور اس کی جانب سے ہے
اور تاخیر کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مطلق وقت ادا سے تاخیر کیا جائے اور غیر وقت میں پڑھیں
دوسرا یہ کہ وقت مستحب میں نہ پڑھیں اب دونوں صورتوں میں احتمال ہو گا کہ وقت مستحب سے
تاخیر کی صورت میں اعادہ یہاں پائی گئی جو کہ یہ کہ وقت استحباب سے جو اصل اور صحیح مراد
ہو گا تو وہ ختم ہو جاتی ہے۔ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے جیسا آدمی نماز پڑھ لے تو اعادہ
کا کیا حکم ہے آدمی دو حال سے خالی نہیں یا تو جماعت ہے تو وہ نماز پڑھ چکا یا تنہا نماز
پڑھی اگر جماعت ہے تو پھر گھر آیا اور دوسری جگہ جماعت کو دیکھ ہو رہی تو امام شافعی اور امام مالک کے
نزدیک اعادہ مستحب نہیں۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک اعادہ مستحب ہے کیونکہ حضور نے اس
حدیث پاک میں ابوذر کو مطلقاً نماز کے اعادہ کا حکم دیا خواہ وہ تنہا پڑھیں یا جماعت سے تو
ہمارا موقف جو اوپر ہے کہ آپ نے یہاں پر حکم فضیلت جماعت یا الاخبار کی کلام کا ظلم کے دفعیہ کا
لئے فرمایا ہے۔ اور اگر وہ جماعت سے تو نماز میں پڑھا اور تنہا پڑھ کر آیا ہے تو ائمہ اربعہ کا

نزدیک اعادہ مستحب ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ کن کن نمازوں کا اعادہ فرمایا ہے۔ راجح اظہر پانچ مذاہب ہیں (۱) امام حنفیہ کے نزدیک فجر عصر مغرب کا اعادہ نہیں اور باقی کا اعادہ ہے۔ (۲) امام احمد امام شافعی کے نزدیک تمام نمازوں کا اعادہ فرمایا ہے (۳) امام مالک کے نزدیک مغرب کا اعادہ نہیں باقی سب کا ہے (۴) امام اوزاعی کے نزدیک فجر اور مغرب کا اعادہ نہیں (۵) امام ابو ثور کے نزدیک فجر اور عصر کے علاوہ کا اعادہ ہے۔ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ مغرب کا بھی اعادہ اور امام کا سلام پھیرنے کے بعد چوتھی رکعت ملائے تاکہ وہ شفع ہو جائے یہی مذہب ہے امام شافعی اور امام احمد کا اور حسن بصری اور امام ابو یوسف کی یہ بھی روایت ہے کہ چوتھی رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے گا۔ یہ مذاہب مع دلائل مستدل ملاحظہ ہوں :۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک تمام نمازوں کا اعادہ فرمایا ہے اور دلیل میں پیش کرتے ہیں یزید بن اسود کی حدیث جو مشکوٰۃ ص ۱۰۳ پر آرہی ہے جس میں ہے کہ آپ نے صبح کی نماز پڑھائی اور دو آدمی ایک کونے میں بیٹھے رہے نماز کے بعد آپ نے دریافت کیا کہ نماز کیوں نہیں پڑھی انہوں نے کہا کہ ہم پڑھ چکے تو آپ نے فرمایا کہ امام کے ساتھ اعادہ کرتے تو حضور نے صبح کی نماز کا اعادہ کو فرمایا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں دوسرا مقتدی بیان نہ فرمایا کہ ظہر کا ذکر ہے لہٰذا اس احتمال کی وجہ سے استدلال ختم۔ دوسرا جواب یہ کہ جن روایات سے بعد الفجر والعصر نماز پڑھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے اس سے تعارض ہے اور جب محرم اور مبیح میں تعارض ہو جائے تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے لہٰذا روایات منع کو ترجیح ہوگی نیز دارقطنی میں حضرت ابن عمر کی ایک حدیث وارد ہوئی ہے کہ اذا صلیتما فی رحلکما ثم ادرکتما مع الناس فصلیا الا الفجر والمغرب۔ اس حدیث کے ایک راوی سہیل بن ابی صالح ہیں اگرچہ وہ متکلم فیہ ہیں لیکن ثقہ ہیں اور اس حدیث میں فجر اور مغرب کا استثناء ہے۔

[illegible]

ایک مسئلہ یہ کہ جب اس نماز کا اعادہ کر لیا تو کونسی نماز فریضہ اور کونسی نفل شمار ہوگی اس میں اقوال

قول اول :۔ امام حنفیہ کا قول واحد امام شافعی کا قول جدید امام احمد کا مذہب یہ کہ اول نماز فریضہ اور ثانی نفل ہوگی۔ قول دوم :۔ امام شافعی کا ایک قول یہ کہ الفریضۃ اکملہما۔ قول ثالث امام مالک سے نقل کیا گیا کہ الفرض احدہما لا علی التعیین الامر الی اللہ تبارک و تعالیٰ۔ قول رابع فرض ثانیہ ہے بشرطیکہ اول نماز منفرداً پڑھی ہو یہ قول امام اوزاعی کا ہے۔ قول خامس :۔ ثانیہ فرض اور اول نفل ہے بعض سلف کا قول ہے۔ قول سادس دونوں فرض ہیں یہ امام شافعی کی ایک روایت ہے۔ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اول نماز نفل اور ثانی فرض ہے وہ استدلال کرتے ہیں یزید بن عامر کی حدیث سے حضور نے فرمایا کہ وان کنت قد صلیت تکن لک نافلۃ وہذہ مکتوبۃ تو حضور نے جو نماز پڑھ لی اسکو نافلہ قرار دیا اور جو قوم کے ساتھ پڑھیگا یہ میں اسکو مکتوبہ اور فرض قرار دیا ہے

600 ہمارے ہاں نص جو ان کا یہ جملہ یہ حدیث ضعیف ہے جو ان کا یہ جواز کا مصداق وہ نماز ہے جو قضا پڑھکر ادا کی ہو 60/27
تو ہونا چاہیئے کو نقل کیا ہے ان کی دلیل یہ حقیقی دراصل حدیث ابوذر ہے نیز حدیث ابن مسعود کی حدیث جو
ترمذی ۔ انکی وہ بھی مستدل ہے ۔ عقلی دلیل یہ کہ جیسا انسان خلاف شرع کرے اپنے رب کی تعمیل میں
مشغول ہوگا تو سب سے پہلے جو تعمیل ہوگی وہ فرض ہوگا اور بعد میں نافلہ ہوگا ۔

ایک مسئلہ یہ باقی رہا کہ جب نماز کا اعادہ کریگا تو کیا نیت کریگا تو اس بارے میں علماء کے چار قول ہیں
(۱) فرض کی نیت کریگا یہ شافعیہ کا قول ہے (۲) نفل کی نیت کریگا حنفیہ کا قول ہے اور یہی ایک
قول حنابلہ کا ہے انکا اصل قول یہ ہے کہ مطلق صلاۃ کی نیت کرے لیکن قاضی نے تحریر کیا ہے یا دونوں
نافلہ صحیح (۳) اکمال کی نیت ہوگی (۴) تفویض کی نیت کریگا ۔

601
602
عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ وعنہ قال اذا ادرک احدکم 61/1,3
اس حدیث سے متعلق یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر ایک رکعت پڑھ لی تو فریضہ ساقط ہو جائیگا امام
نووی فرماتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ اس حدیث کا ظاہر مطلب مراد نہیں ۔ ابن الملک فرماتے ہیں کہ
اس حدیث میں تاویل ہوگی ۔ الکوکب الدری کہتے ہیں اس حدیث کا محمل لیکن تاویل ادراک وقت ہے
یعنی نماز کی اگر ایک رکعت کو پالیا تو گویا نماز کے وقت کو پالیا ۔ لیکن جن روایات میں فجر و عصر
کی نماز کے بعد نماز پڑھنے کو منع فرمایا گیا وہ اس کی معارض ہیں کیونکہ بعد الفجر اور بعد العصر نماز
پڑھنا اسپر بھی صادق آتا ہے ۔ حنفیہ نے دفع تعارض السقوط پر کیا ہے یہ حدیث صورت نفل
کا عتبہ پر محمول ہے یعنی اگر ایک رکعت پالیتے تو فضیلت نماز کا حصول ہو جائیگا اگرچہ وہ
نماز نہو اور تاکید استحباب سے ہوتی ہے ۔ بعض علماء نے امام مالک سے اور ابن تیمیہ نقل کیا ہے جسمیں
فقد ادرک العصر وقتہا ۔ اب اشکال ہوتا ہے کہ ایک رکعت کی قید کیوں ہے ؟ جواب
علامہ عینی نے بعض شافعیہ سے نقل کیا ہے کہ مقصود یہ ہے کہ بعض نماز کو پالے خواہ ایک رکعت ہو
یا کم زیادہ ۔ دوسرا یہ کہ عصر و فجر کی کیا تخصیص ہے ؟ علامہ بدر عینی فرماتے ہیں یہ دونوں نمازیں
واقع ہوئی ہیں اسلئے خصوصیت سے بیان کردیا ۔ حضرت شیخ الحدیث فرماتے ہیں کہ اعادہ ہے تو ہو
پر ان دونوں کی قید سے یہ مفید فرمادیا کیونکہ بعض روایات مطلق ہیں آگے چل کر فرماتے ہیں
کہ اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ قید احترازی ہیں تو جواب یہ کہ ان اوقات میں نماز منہی عنہ ہے
تو کوئی شخص یہ وہم کرے کہ اگر کوئی مسبوق ایک رکعت عصر یا فجر پالے تو وہ بعد میں جیسا پڑھنا
رہ گیا تو اسپر بعد العصر صادق آتا ہے یعنی وہ منہی عنہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس وہم کو دفع
کرنے کیلئے فرمادیا من ادرک رکعۃ فقد ادرک الخ ۔ بعض نے کہا کہ اس حدیث کا محمل وہ ہے

601
602
61/1,3
نابالغ بچہ ہے جو بالغ ہوا ۔ یا کوئی کافر مسلمان ہوا ۔ یا کوئی حائضہ یا نفساء اگر حیض و نفاس میں تھا انقطاع ہوا ۔ تو اگر یہ لوگ ایک رکعت کے بقدر بھی نماز کا وقت پالیں تو ان پر اسکی قضاء ہے اور وہ نماز ان پر واجب ہے یہ تاویل امام طحاوی کی ہے اسپر حافظ ابن حجر نے اعتراض کیا بعض روایات میں فلیتم صلوتہ اور بعض میں فلیضف الیہ اخری وارد ہوا ہے کہ اس تاویل اور محمل کی صورت میں ان قیود کا فائدہ معلوم نہیں ہوتا ۔ اسکا جواب دیا فلیتم والی روایت کا تو مطلب اس تاویل کی بنا پر یہ ہوگا ۔ وہ بچہ نابالغ جب وہ اس وقت میں بالغ ہوا تو وہ اسکو تمام کرے علی وجہ الکمال یعنی اسی وقت کی وہ بھی نماز ادا کرے اسکے بعد یہ بھی ادا کرے ۔ اور فلیضف الیہ اخری والی حدیث کا جواب ۔ یہ کہ یہ روایت بالمعنی ہے کذا قال علی القاری ـــ شیخ قعنبی نے استدلال کیا فلیتم سے کہ اگر ایک رکعت کا وقت پا لیا تو جو رکعات باقی رہگئی ہیں انکو بھی پورا کرے یہ مذہب ائمہ ثلثہ کا ہے ۔ حنفیہ نے جواب دیا جس حدیث سے انہوں نے استدلال کیا اس سے جواز معلوم ہوا اور بعض روایات سے منع معلوم ہوا اور ایسی صورت میں قیاس کیطرف رجوع ہوگا اور قیاس سے یہ معلوم ہوا کہ اس اعتبار سے عصر کی نماز جائز ہے اور فجر کی نماز کا اعادہ کرنا جائز نہیں کیونکہ اسباب صلوٰۃ اوقات ہیں اور تمام وقت کو اگر سبب قرار دیں تو وجوب کب ہوگا اس سبب کا گذرنے کے بعد نماز پڑھی جائے کیونکہ سبب کا پہلے سبب آتا ہے اور یہ کسی نے کہا بھی جائز نہیں کہ نماز تو وقت گذرنے کے بعد پڑھی جائے نیز وقت کے جزء منفصل کو بھی سبب نہیں بنا سکتے کیونکہ سبب اور مسبب میں اتصال لازم آئیگا لہذا وقت کا جزء متصل بہ صلوٰۃ کا سبب ہوگا لہذا عصر کے اندر اگر آخیر وقت میں نماز ادا کیجائیگی اس وقت کا جزء متصل نماز کا سبب ہوگا اور وہ وقت مکروہ ہے تو سبب کے اندر کراہت آگئی لہذا نماز اگر اس وقت میں پڑھ لیجائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اسکا ادا کرنا واجب تھا بخلاف فجر کے وہاں آخیر وقت بھی مکروہ نہیں کیونکہ اسکے تمام اجزاء صحیح ہیں تو سبب کامل ہے اگر اب نماز وقت مکروہ میں پڑھی جائیگی تو وہ جائز نہ ہوگی کیونکہ سبب کامل ہے اور مسبب ادا کیوجہ سے ناقص ہے ۔ دوسری حدیث بھی حضرت ابوہریرہ کی ہے جو مترجم نے تشریح نہیں کی ہے —

603
61/5
عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من نسی صلوٰۃ او نام عنھا ،، من نسی امام مالک امام شافعی امام احمد اسحٰق بن راہویہ ۔ ابراہیم نخعی کی رائے ہے کہ اگر کوئی سو جائے یا بھول جائے اور نماز پڑھی ہی نہیں تو جب بھی اسکو نماز یاد آ جائے اسکو اسیوقت پڑھ لے خواہ وہ وقت مکروہ ہو یا غیر مکروہ ہو ۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر اوقات مکروہہ ہیں تو نماز نہیں

603

61/5

ہوگی۔ ائمہ ثلاثہ اس حدیث کے عموم سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ نے مطلقاً اذا ذکرها فرمادیا۔
امام صاحب فرماتے ہیں کہ اصل اور اہم تو یہ حدیث معمول ہے وہ یہ کہ حضرت انس فرماتے ہیں ہم لوگ ایک دفعہ
سفر میں حضور کے ساتھ تھے ہم کو نیند آگئی اور آپ نے ایک مقام پر پڑاؤ کیا اور فرمایا ہماری
نماز فجر کا خیال رکھنا حضرت بلال نے فرمایا اچھا میں کروں گا چنانچہ حضرت بلال مشرق کی طرف منہ کر کے جس طرف
سورج نکلنے والا تھا ٹیک لگا کر بیٹھ گئے لیکن حضرت بلال کو نیند آگئی اور جب نماز
کا وقت ختم ہو گیا تو سب سے پہلے حضور کی آنکھ کھلی حضرت بلال کو جگایا اور پھر فرمایا کہ چلو یہاں شیطان کا
اثر ہے جب سورج سفید ہو گیا تھا اور اس وادی سے نکل کر نماز ادا فرمائی تو دیکھو حضور نے یہاں
فوراً نماز نہیں پڑھی بلکہ وہاں سے چلنے کا حکم دیا حالانکہ حضور کو نماز یاد آگئی تھی۔ شافعیہ کا اعتراض
یہ ہے کہ یہاں تو آپ نے یاد آنے کے بعد بھی نماز نہ پڑھنے کی علت بیان فرمادی کہ شیطان کا اثر ہے
اس لیے فوراً نہیں پڑھی ہم کہتے ہیں کہ حضور نے جو اوقات مکروہہ میں نماز نہ پڑھنے کو کہا اس کی وجہ
بھی یہی ہے کہ ان اوقات کا ہونا بھی شیطان کی وجہ سے ہوتا ہے چنانچہ طلوع کے اندر جس
دوسری حدیث میں ان تینوں اوقات میں نماز سے منع کیا وہاں بھی علت بیان کی گئی ہے —

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ قضاء عامد پر ہے یا ناسی پر؟ جمہور کہتے ہیں کہ دونوں پر ہے۔ داؤد ظاہری
ابن حزم ظاہری۔ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ قضا صرف ناسی پر ہے عامد پر نہیں کیونکہ عامد گنہگار
ہے اور قضاء سے رفع اثم نہیں ہوگا لہٰذا جب اس قضاء پر کوئی فائدہ مرتب نہ ہوا تو اس
کا کیا فائدہ۔ علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ جمہور کے پاس کوئی دلیل نہیں سوائے اس دلیل کے کہ
فدین الله احق بالقضاء۔ حضرت الاستاذ فرماتے ہیں کہ یہ کہنا کہ عامد پر قضاء واجب
نہیں یہ غلط ہے کیونکہ گناہ کا ہونا اور وجوب قضاء دونوں الگ الگ چیزیں ہیں قضاء
کرنے سے بری ہوگا اور گناہ کی معافی توبہ سے ہوگی نیز من علیہ الحق حق سے جب بری ہوگا
جب ادا کرے۔ اور ادا یا قضاء سے ذمہ داری ختم ہو جائے اور ان تینوں میں سے ایک اگر کوئی بھی
موجود نہیں لہٰذا قضاء ضروری ہے اور معافی توبہ سے ہوگی۔ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ فوائت
میں ترتیب ہے یا نہیں؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ترتیب واجب ہے اور امام شافعی
کے نزدیک ترتیب واجب نہیں ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ترتیب کا سقوط نسیان، کثرت فوائت
ضیق وقت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ امام شافعی کا استدلال یہ ہے کہ اسی حدیث سے کیونکہ اذا
ذکرها سے کوئی ترتیب معلوم نہیں ہوتی۔ اور ائمہ ثلاثہ کا استدلال حضرت ابن مسعود کی حدیث
سے کہ آپ کی چار نمازیں غزوۂ خندق میں قضا ہو گئی تھیں تو آپ نے انکو علی الترتیب

603 ادا فرمایا۔ ایک مسئلہ یہ کہ اگر وقت میں تنگی ہو تو وقتیہ نماز پڑھے یا فائتہ پڑھے؟ امام حسن اور امام شافعی کا قول ہے کہ وقتیہ کو پڑھے۔ امام مالک کے نزدیک فائتہ کو پڑھے۔ اور مشائخ مالکیہ فرماتے ہیں کہ احناف رح وقتیہ اور فائتہ کے درمیان۔ 61/5

604 عن ابی قتادۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس فی النوم تفریط الخ یعنی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ سونے اور بھولنے کی صورت میں گناہ نہیں ہوگا اور انما التفریط فی الیقظۃ کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی بیدار ہو اور پھر بھی نماز میں کوتاہی کرے۔ دوسرے یہ کہ کام ایسا تو یا شام تک مشغول رہے اور صبح کی نماز سے ذرا پہلے سو جائے اور نماز کو ضائع کر دے یہ صورت بھی یقظہ میں داخل ہے۔ اقم الصلوۃ لذکری اس کے علماء مفسرین نے مختلف معنی بیان فرمائے ہیں۔ اول قائم کرو نماز کو میرے یاد کرنے کے لئے یعنی مجھکو یاد کرو (۲) نماز کو قائم کرو تاکہ میں یاد کروں تمکو اس لئے کہ میں یاد رکھا ہوں (۳) نماز کو قائم کرو میرے یاد دلانے کی وجہ سے یعنی میں نے یاد دلایا اس لئے تمہارا ذمہ حق ہے (۴) علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب بیان کرنا چاہئے جو مضمون حدیث کے مناسب ہو وہ یہ کہ نماز کو قائم کرو میرے یاد کرنے کے وقت میں لام توقیت کا ہے۔ یعنی جس وقت یاد آئے اسی وقت میں نماز پڑھو۔ 7

604 الفصل الثانی۔ عن علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ عن ابن عمر الوقت الاول الخ 9 الصلوۃ اذا انت۔ یہ آنیان سے مشتق ہے اور اکثر نسخوں میں اسی طرح واقع ہوا لیکن علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ آنت بالنون ہے حانت کے معنی میں حین سے مشتق ہے یعنی جب نماز کا حین (وقت) آجائے۔ والجنازۃ اذا حضرت۔ شوافع نے اس کے عموم سے استدلال فرمایا کہ اگر اوقات مکروہہ میں آجائے تو اسی وقت ادا کرنا چاہئے اور اسی طرح قضا جائز ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو حضور جنازہ اوقات مکروہہ میں ہوگا یا اس سے پہلے۔ اگر اوقات مکروہہ میں جنازہ کا حضور ہوا تو چونکہ حضور ہی سبب ہے اور سبب ناقص ہے لہذا نماز بھی اگر ناقص ہو تو کوئی نقصان نہیں۔ اور اگر حضور اوقات غیر مکروہہ میں ہوا تو چونکہ سبب کامل ہے لہذا وقت مکروہہ میں ادا نہ کیا جائیگا۔ نیز اس حدیث کے عموم سے اگرچہ اوقات مکروہہ میں بھی جواز معلوم ہوتا ہے لیکن جن احادیث سے منع معلوم ہوا وہ محرم ہیں لہذا وہ راجح ہونگی ان احادیث پر جو مبیح ہیں۔ الجنازۃ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بالکسر اسم ہے نعش مع جسد میت کو کہتے ہیں اور بالفتح میت کو کہتے ہیں اور بعض نے اس کا عکس کہا ہے الایم اسکے معنی غیر شادی 10 شدہ کے ہیں خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ سے اچھی روایت ناکفات الخ

604 61/10 دیا ہے کہ ترمذی کی روایت ٹھیک یہ روایت حسن ہے چنانچہ علامہ سخاوی نے حافظ عراقی کا یہ قول نقل کیا ہے انکی سند کو حسن قرار دیا ہے لیکن حافظ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ دوسری حدیث ابن عمر کی ہے جس میں روایت میں یہ زیادتی ہے والاوسط رحمۃ اللہ۔ اس حدیث سے امام شافعی نے استدلال کیا ہے اول وقت نماز پڑھنا افضل ہے۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اس روایت میں یعقوب کا تفرد ہے اور ابن عمر کی حدیث دارقطنی میں ہے ایسے ہی حضرت عائشہ کی حدیث بالکل اسی طرح اور ابا کا غیر معروف ہونا علم ہوا اور یہ روایات اگرچہ ضعیف ہیں لیکن اگر سب کو جمع کیا جائے تو حسن درجہ میں پہنچ جاتی ہیں۔ دوسرا جواب امام شافعی کے استدلال کا یہ ہے کہ والوقت الآخر عفو اللہ میں عفو کے معنی فضل کے ہیں تو اب ہمارا استدلال تام ہو جائیگا اور وقت آخر میں بھی فضیلت ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ وقت آخر سے مراد وقت غیر مستحب ہے یعنی وقت غیر مستحب میں نماز نہ پڑھنی چاہئے لیکن اگر کوئی پڑھ لے تو معافی ہو سکتی ہے یہ جواب حضرت گنگوہی نے دیا چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے اس کا راوی عبداللہ بن عمر العمری ہے اور وہ ضعیف ہیں

606 61/10 عن ام فروۃ قالت سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا عن عائشۃ قالت ما صلی الخ ام فروہ دو ہیں ایک حضرت ابوبکر کی بہن اور دوسری قبیلہ انصار سے متعلق ہیں۔ اب انکے اختلاف ہے کہ یہاں کونسی مراد ہیں۔ قاضی ابوبکر بن العربی مالکی اور ابن عبدالبر کا ارشاد یہ ہے کہ اس سے حضرت ابوبکر کی ہمشیرہ مراد ہیں۔ حافظ فرماتے ہیں کہ یہ انصاریہ ہیں کیونکہ قاسم بن غنام اس حدیث کے راوی ہیں اور ام فروہ انکی دادی ہیں یا نانی ہیں تو محققین کے نزدیک راوی یہی ہیں اور یہ قاسم انصار میں سے ہیں اس حدیث سے امام شافعی نے استدلال کیا ہے کہ نماز اول وقت میں پڑھنی چاہئے ہم کہتے ہیں کہ لوقتها میں وقت سے وقت مستحب مراد ہے۔

61/13 دوسری حدیث حضرت عائشہ کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ دو مرتبہ بھی حضور نے نماز آخر وقت میں نہیں کی حالانکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دو مرتبہ آخر وقت میں پڑھی ہے ایک مرتبہ حضرت جبرئیل نے دونوں دن آخر میں پڑھائی اور دوسری مرتبہ جبکہ ایک سائل نے اوقات نماز کے متعلق سوال کیا تو آپ نے ان آخیر سے پڑھائی ہوا اب اس حدیث کا جواب حضرت مولانا نے دیا کہ حضرت عائشہ نے نہیں پایا ان دونوں وقتوں کو۔ حضرت گنگوہی نے جواب دیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اختیار سے نماز نہیں پڑھی جو آپ نے پڑھی دو مرتبہ بغیر اختیار سے پڑھی تھی البتہ ایک مرتبہ پڑھی ہے اور وہ اسی دن جبکہ اس سائل نے سوال کیا تھا۔ جبرئیل کے ساتھ تعلیم دینی سے تعلیما بیان کرنی مقصود ہے لیکن واضح رہے کہ جو روایات بالا کے خلاف ہیں سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ اس روایت میں مرتین محفوظ ہے۔ دارقطنی کی روایت میں الا مرتین واقع ہوا ۔۔ ۱۲

61/14 عن ابی ایوب لا یزال امتی الخ، عن ابی ہریرۃ قال لولا الخ، عن معاذ اعتموا بھذہ الصلوۃ الخ 609
اس حدیث سے مغرب کی تعجیل معلوم ہوئی چنانچہ تمام کا اجماع ہے کہ مغرب میں تعجیل ہوگی او قال علی
الفطرۃ مفوضہ سے یا تو وہ سنۃ قائمہ مستمرہ مراد ہے جس پر انبیاء کرام قائم رہے ہیں یا اس سے
فطرۃ و استعداد مراد ہے۔ اس حدیث سے شیعہ کے مذہب کی تردید ہوگئی وہ بقیہ میں اشتباک
12 نجوم کیوقت نماز مغرب پڑھتے ہیں۔ دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ کی ہے جو قابل توضیح و تشریح ہے
17 تیسری حدیث حضرت معاذ کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ صلوۃ عتمہ (عشاء) امت محمدیہ کی خصوصیات
میں سے ہے حالانکہ باب المواقیت کی فصل ثانی کی پہلی حدیث ابن عباس کی ہے اسکے اندر ہے
حضرت جبریل نے حضور سے فرمایا ہذا وقت الانبیاء من قبلک اس سے معلوم ہوا کہ ما قبل کے انبیاء پر
بھی یہ پانچوں نمازیں فرض تھیں اور یہی اوقات انکے لئے بھی تھے۔ اس تعارض کی مختلف توجیہ
کی گئی ہے جواب ۱ یہ حدیث مفصل ہے اور ابن عباس کی حدیث مجمل ہے لہذا اسکا بیان واضح
ہے لہذا اکثر کا اعتبار کرکے پانچوں نمازوں کا تعلق وقت الانبیاء کہدیا گیا جواب ۲ چونکہ امت
محمدیہ کے ہر ہر فرد کو یہ نماز عطا کی گئی ہے اور انبیاء ما قبل کی امتوں کو یہ نمازیں نہیں دی گئیں صرف انبیاء
کو یہ فضیلت ملی ہے اسلئے امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہوگئی جواب ۳ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب
فرماتے ہیں کہ ابن عباس کی حدیث راجح ہے اور حضرت معاذ کی حدیث کے الفاظ مختلف و مضطرب
ہوتے رہتے ہیں تمام اسکے دو العصیان و اقدرا۔ بعضہم میں مثلہ لا یصلون غیر اہل المدینۃ تو معلوم ہوا
کہ اس حدیث کے اندر راوی کا تصرف ہے

61/19 عن النعمان بن بشیر قال انا اعلم الخ، عن رافع بن خدیج قال قال 613
الآخرۃ یہ شبہ اسلئے ہوتا ہے کہ مغرب کی نماز کو بھی عشاء اولیٰ کہا گیا لثالثۃ کے متعلق ابن حجر مکی
فرماتے ہیں کہ سقوط قمر ہلال واضح ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ سقوط کا متعلق ہے اور اسکا
محذوف ہے کیونکہ ایک رات میں لیلۃ الثالثۃ واقع ہوا ہے۔ مولانا سہارنپوری فرماتے ہیں کہ
قمر کی صفت ہے۔ ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ اس سے شوافع استدلال کرتے ہیں کہ صلوۃ عشاء میں
تعجیل افضل ہے کیونکہ تیسری رات میں چاند شفق احمر کے بعد غروب ہو جاتا ہے اور فوراً اسی وقت
سے شوافع کے یہاں نماز کا وقت ہو جاتا ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ غلط ہے کہ
تیسری رات میں شفق احمر کے فوراً بعد غروب ہوتا ہے بلکہ ایسا دوسری رات میں ہوتا ہے تیسری
رات میں تو تقریباً شفق کے ایک گھنٹہ بعد وقت ہوتا ہے اور چاند غروب ہوتا ہے۔ دوسری حدیث
61/20 رافع بن خدیج کی ہے اور یہ حنفیہ کی دلیل ہے شوافع کہتے ہیں کہ اسفار بالفجر سے تیقن الفجر مراد 612

612 ہم نے بھی کہا کہ اگر اس سے یقین ہو اور اس کا جاننا تو وقت شروع ہونے کا یقین ہو جائے پہلے بھی اگر نماز ادا کی جائے 61/20
تو فضیلت سے خالی نہیں [illegible] اور مالکیہ۔ شافعیہ کے نزدیک اسفار منسوخ ہے اور
حضرت ابو مسعود انصاری [illegible] کیا اور بتایا ہے وہ [illegible] ختم تھا۔ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ ابو مسعود
کی حدیث کا ایک راوی ہے جس کا نام اسامہ بن زید ہے وہ ضعیف ہیں۔ علاوہ [illegible] میں اس
اس حدیث میں غلس کا لفظ آیا ہے اور اس سے غلس شدید مراد ہے۔

615 الفصل الثالث:- عن رافع بن خديج قال كنا نصلي العصر مع ا ا 61/23
اس سے شافعیہ استدلال کیا کہ عصر میں تعجیل ہونی چاہئے کیونکہ تقسیم اور پھر کھانا کھانا اس کے بعد
کافی وقت صرف ہوتا ہے اور [illegible] کافی وقت کو محقق ابن ہمام
[illegible] ہو جاتے تھے۔

519
520
521
522
عن ام سلمة قالت كان رسول الله ا ا عن قبيصة بن وقاص يكون عليكم امراء 62/5-10
اس حدیث کا آخری حصہ حنفیہ کے موافق اور اول مخالف نہیں کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ ابر والے دن پر محمول ہے
اور ہمارے نزدیک بھی ابر والے دن تعجیل ہے اور ابر کے دن ہی مراد ہے۔ دوسری روایت حضرت قبیصہ بن وقاص
کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ امراء جور کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے لیکن امام مالک کی ایک روایت
پر ایسا جائز نہیں ہے۔

523 عن عبيد الله انه دخل على عثمان وهو محصور فقال انك امام عامة 62/11
امام فتنہ [illegible] فتنہ میں فتنہ وقت کی صفت ہے امام کی صفت نہیں اور
مطلب [illegible] فتنہ ہوتا ہے [illegible] امام نماز پڑھا رہا ہے اس صورت میں امام فتنہ کا کوئی مصداق نہیں ہوگا
امام [illegible] فتنہ امام کی صفت ہے اور اس کے مصداق میں اختلاف ہے۔ حافظ ابن عبد ال
نے نقل کیا ہے امام فتنہ کا عبد الرحمن بن عدیس ہوتا ہے۔ حافظ ابن الجوزی نے بھی اسی کا قول نقل
کیا ہے اور آگے چل کر فرمایا ہے کہ کنانہ بن بشیر نے بھی [illegible] ہے۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں
سیف بن عمر کی کتاب الفتوح میں اس روایت کو نقل کیا ہے اور [illegible] امام فتنہ کا
کنانہ بن بشیر کا نام ہے۔ بہرحال سائل کا سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم کو دوسرا آدمی نماز پڑھا رہا ہے
اور آپ پر لوگوں کی [illegible] ہم [illegible] پیچھے نماز
پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ آپ نے جواب دیا فاذا احسن الناس فاحسن معهم اس جواب کا 13
ظاہر کا مطلب [illegible] اچھی چیز ہے جس کا
لوگ [illegible] پڑھتے ہیں اور جب لوگ [illegible] پڑھنے کو ترک [illegible]

623 بعض علماء ابن المنیر مالکی نے فرمایا کہ اپنی نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی لیکن آپ نے جواب میں علاوہ بالجمع و نحوہا 62/13
اور اجازت دی اور مسنون ہے یہاں دوسری صلوٰۃ نفلی صلوٰۃ ہے جس کا نام سبحہ ہے اور ان کے پیچھے نماز جائز ہے کیونکہ فاسق
کے پیچھے نماز جائز ہوتی ہے۔ حافظ فرماتے ہیں کہ ابن المنیر نے صحابہ جن سے ان کے پیچھے نماز پڑھنا خلف الفاسق

باب فضائل الصلوٰۃ
62/14

624 الفصل الاول:- عن عمارۃ بن رویبۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لن یلج النار اس سے معلوم ہوا کہ اگر نماز عصر اور فجر کو آدمی ادا کرے تو جہنم میں نہ جائیگا چاہے وہ اگر
پانچوں نمازیں نہ پڑھے اور بقیہ فرائض کو ادا نہ کرے تو بھی جہنم کا دخول نہیں ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ آدمی
دو حال سے خالی نہیں یا تو سارے فرائض پر مداومت کرنے والا ہے یا نہیں۔ اگر کرنے والا ہے تو لن یلج سے دخول
اولی مراد ہے اور اگر مداومت نہیں کرتا تو مطلقاً دخول ابدی کی نفی ہوگی۔ حدیث باب میں ان دو کی
تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ فجر کا وقت سونے کا اور عصر کا وقت عام طور سے کاروبار اور تجارت کا وقت ہے
جو شخص ان دو نمازوں پر پابندی کرے گا تو وہ اور نمازوں پر بھی مداومت کرے گا۔

625 عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی البردین دخل الجنۃ 62/15
دخل جنت کی توجیہ وہی ہے جو ماقبل میں گزری۔ البردین حافظ عسقلانی اور جمہور کے نزدیک اس سے فجر و عصر
مراد ہے۔ حافظ بزار فرماتے ہیں کہ حضور نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب دو ہی نمازیں فرض ہوئی تھیں اور
اس صورت میں من صلی میں من الذی کے معنی میں ہوگا۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ من شرطیہ ہے
اور دخل الجنۃ اس پر جزا ہے۔

626 عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتعاقبون فیکم 62/16
یتعاقبون صرف کی کتابوں میں معلوم ہو چکا کہ اگر فاعل مفرد ہو اور اسم ظاہر ہو تو فعل ہمیشہ
مفرد لایا جائیگا اور یہاں یتعاقبون کا فاعل اسم ظاہر لفظوں میں ہے پھر یتعاقب کہنا چاہئے تھا
جواب یہ ہے کہ حضور کا کلام بنو الحارث کی لغت پر ہے ان کے نزدیک یہ جائز ہے چنانچہ ان کا محاورہ ہے
اکلونی البراغیث۔ جواب۲ یتعاقبون کا فاعل نہیں بلکہ ضمیر فاعل سے بدل واقع ہے۔ جواب۳ ملائکۃ
باللیل یتعاقبون کا فاعل نہیں ہے بلکہ جملہ مستانفہ ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے سوال ہوا کہ من
یتعاقب الخ تو آپ نے جواب دیا ملائکۃ باللیل الخ۔ ابو حیان کہتے ہیں کہ آخری دو جواب غلط ہیں
کیونکہ ایک روایت میں مسند بزار کے اندر واقع ہوا ان للہ ملائکۃ یتعاقبون فیکم ملائکۃ باللیل
وملائکۃ بالنہار الخ اور اس صورت میں ملائکۃ نہ بدل ہوگا اور نہ سوال کا جواب۔ فیکم اس سے
مصلین یا مطلق مومنین مراد ہے۔ ملائکۃ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس سے حفظہ مراد ہیں۔

626 ابن حزم نے اس تردد کو کلام کیا اور ابو العباس قرطبی نے فرمایا اس سے حفظہ مراد نہیں کیونکہ حفظہ 62/16
کبھی جدا نہیں ہوتے حالانکہ اس حدیث میں ان ملائکہ کا تعاقب کا ذکر ہے حافظ کا بھی یہی رجحان ہے
یجتمعون سے پہلے تو یتعاقبون کہا اور اب یجتمعون کہہ رہے ہیں جواب ۱ علامہ قسطلانی نے فرمایا ہے کہ
ہو سکتا ہے تعاقب میں الفجر کا ہو سکتا ہے اور ایک میں غیر الفجر یعنی تعاقب مطلق مراد ہے اور العصر
میں اجتماع ہو سکتا ہے جواب ۲ یہی علامہ قسطلانی کا جواب ہے کہ تعاقب کو غیر جماعت میں اور
اجتماع کو نماز کی جماعت میں مراد ہے ثم یعرج الذین باتوا فیکم اس سے ملائکہ کی دو قسمیں 17
ہیں ایک وہ جنہوں نے رات گزاری اور ایک وہ جنہوں نے دن گزارا تو حدیث میں ذکر الذین باتوا
کا ہے اور الذین ظلوا کا ذکر نہیں ہے اس کے مختلف جوابات ہیں جواب ۱ احد القسمین کو ذکر کر دیا
اب یہ سوال ہوا اس کا عکس کر دیتے یعنی الذین باتوا کی بجائے الذین ظلوا کا ذکر کر دیتے اس کا
جواب یہ ہے کہ جیسا النووی نے لکھا رات آرام کا وقت ہے مشغول ہونا دن کا وقت تو اللیل اولی مشغول
اور کثیر اسی لیے وقت رات کا تذکرہ فرما دیا۔ جواب ۲ باتوا سے مراد ظلوا ہے جو عام ہے
جیسا کہ نسائی کی روایت میں الذین ظلوا واضح ہو رہا ہے۔ بعض علماء نے تفصیل بیان فرمائی
ملائکہ کا نزول عصر کے وقت ہوتا ہے اور عروج فجر کے وقت ہوتا ہے اور ایک صورت حال یہ ہوگی
یعنی عصر کے وقت کچھ فرشتے آتے ہیں اور وہ تمام رات گزارتے ہیں پھر صبح کو نئے فرشتے
نازل ہوتے ہیں اور وہ ٹھہر جاتے ہیں اور رات والے آسمان پر چلے جاتے ہیں پھر شام کو عصر
کے وقت فرشتے نازل ہوتے ہیں اور صبح والے فرشتے اب تو مگر تمام رات یہاں ہی مشغول رہتے
ہیں اور صبح کو وہ فرشتے چلے جاتے ہیں جو صبح آئے تھے اور عصر کا وقت والے دن بھر
زمین پر رہتے ہیں اور پھر شام کو عصر کے وقت اور آتے ہیں اور صبح تک رہتے ہیں
اور صبح کو پہلے دن کے عصر والے چلے جاتے ہیں اور اس طرح معلوم ہو رہا ہے تو خلاصہ یہ ہوا
اس کیفیت کا تو عروج الذین باتوا کا ہوتا ہے یہاں اب یہ اشکال الذین ظلوا کا عروج کا
ذکر نہیں یہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ الذین ظلوا الذین باتوا میں داخل ہو جاتے ہیں لیکن صحیح یہ
ہے جو ابو العباس نے اس کو راجح قرار دیا فرمایا صبح و شام آتے جاتے ہیں اور سوال ہوتا ہے
کیف ترکتم عبادی سوال کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے 18
627 عن جندب القسری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی صلوٰۃ الصبح 62/19
حضرت جندب بن عبد اللہ بن ابی سفیان بجلی علقی ہے بجلہ اور بجیلہ ایک قبیلہ ہے
اور علقی اپنے اجداد میں سے کسی کی طرف منسوب ہیں۔ علقہ اور دونوں بھائی تھے ہوا

627 جو علقی ہوگا وہ قمری نہیں ہو سکتا اور جو قمری ہوگا وہ علقی نہیں ہو سکتا حالانکہ انکو قمری کہہ دیا 62/19
باوجودیکہ علقی ہیں۔ رہا جواب قاضی عیاض نے علائی کا اس سے نقل کیا ہے کہ ان دونوں حضرات میں
میں مصاہرت کا تعلق ہوگا یعنی دونوں ایک حکم میں ہوگئے اور ایک کا دوسرے پر اطلاق ہو سکتا
تھا جو کہ علقہ قمری پڑوس میں رہتے ہوں گے تو پڑوس میں ہونے کی وجہ سے دونوں کو ایک قرار دیدیا
من ذمۃ بنیتی من یا تو تعلیلیہ ہے اور اجل کے معنی میں ہے یا بیانیہ ہے اور شئ کا بیان ہے اور 60/20
بیان مقدم اور مبین موخر ہوگیا چنانچہ مسلم میں الشئ من ذمتہ واقع ہے۔ ملا علی قاری نے
عہد توڑنے کی تفسیر کی ہے انکار شرع کر دینا لیکن یہ مطلب صحیح نہیں ہے بلکہ دوسری روایات میں اسکی
تفسیر خود موجود ہے چنانچہ ابن ماجہ میں حضرت ابوبکر صدیق کی ایک روایت ہے جسکے اندر ہے
فلا تخفروا اللہ فی عہدہ فمن قتلہ فیکبہ اللہ تعالیٰ علی وجہہ فی نار جہنم او کما قال علیہ السلام
یعنی جو شخص صبح کی نماز پڑھے پس وہ اللہ کے ذمہ سے اور تم عہد شکنی نہ کرو اللہ کے ذمہ کے
سے جو پس جو شخص قتل کرے تو اللہ اسکو جہنم میں ڈالے گا۔ غرضکہ عہد شکنی کی تفسیر یہ ہے کہ
اسکو قتل کر دیا یا اور کسی قسم کی ناحق تکلیف پہنچائی جائے۔

628 عن ابی ہریرۃ لو یعلم الناس الخ وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱/ 62/21
ما فی النداء سے مراد اذان ہے علامہ عینی فرماتے ہیں اذان خاص اور اعلان عام ہے
الصف الاول اس سے مراد یا تو مکبر ہے یعنی مسجد میں سویرے آجانا یا اس سے وہ صف مراد ہے
جو امام کے متصل ہو علامہ قرطبی نے اسی مطلب کی تصحیح فرمائی ہے۔ اب اسکے اندر اختلاف
ہے کہ صف اول سے کونسی صف مراد ہے؟ جب حضرت علی کا قتل محراب میں ہوا تو بنو امیہ کے
لوگوں نے ایک چبوترہ سا حجرہ امام اور چند لوگوں کیلئے بنا دیا تھا تو ابو اللیث سمرقندی فرماتے
ہیں کہ اس سے وہ صف مراد ہے جو اس حجرہ کے متصل ہو بعض لوگوں نے کہا کہ حجرہ کے اندر
جو چند لوگوں کے لئے صف ہوتی ہے وہ مراد ہے لاستہموا اس سے مراد قرعہ اندازی ہے 62/22
چنانچہ امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے باب الاستہام فی الاذان ۔۔ یا اس سے مراد قتال
اور تیر اندازی ہے اور دونوں کی تائید اسکا موجود ہیں۔ ان لیستہموا علیہ ضمیر کا مرجع
یا تو مذکور من النداء والصف الاول ہے (۲) ابن عبد البر فرماتے ہیں اسکا مرجع صف اول ہے
کیونکہ وہ اقرب المذکور ہے لیکن امام بخاری نے ابن عبد البر کے قول کا عکس سمجھا اور اذان
کو مرجع قرار دیا اور اسی پر باب باندھا باب الاستہام فی الاذان۔ التہجیر لغتا 22
جلدی سے جانا معنی ذہاب فی الہاجرہ کے ہیں اس سے مراد یا تو ظہر غیر ایام جمعہ میں اور جمعہ ایام جمعہ میں

۱۱ع -

628 (۲) علامہ سیوطی نے تنویر الحوالک میں خلیل بن احمد نحوی سے نقل کیا ہے کہ اس سے جمعہ کی نماز مراد ہے 62/22
لیکن حافظ عسقلانی نے خلیل نحوی ہی سے ظہر کا قول نقل کیا ہے (۳) علامہ باجی نے صبح بیان کیا ہے
اس سے تکبیر مراد ہے اسی کو علامہ عینی علامہ نووی حافظ ابن عبدالبر نے اختیار فرمایا اور
یہ حدیث حدیث الابراد کے خلاف نہیں کیونکہ وہ احادیث خاص ہیں یا یہ حدیث عموم حکم پر
محمول ہے مافی العتمۃ والصبح ان دونوں نمازوں کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ منافقین ان دونوں کو
زیادہ گراں بار کرتے تھے۔ دوسری حدیث اس مضمون پر مشتمل ہے۔

630
631 عن عثمان من صلی العشاء فی جماعۃ الخ عن ابن عمر لا یغلبنکم الاعراب الخ 62/24
اس حدیث سے سمجھ میں آیا کہ صبح کی نماز کا ثواب زیادہ ہے اس مطلب کو ابن خزیمہ نے نقل
کیا مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ابوداؤد اور ترمذی کا مطالعہ نہیں فرمایا جس میں اس مطلب کا
عکس موجود ہے جس سے معلوم ہوا فکانما صلی اللیل کلہ کا مطلب یہ ہے کہ عشاء اور صبح 24
دونوں کی نماز کا ثواب ایسا ہے گویا تمام رات نماز پڑھی ہے۔ دوسری حدیث حضرت ابن عمر کی ہے
حلاب الابل اہل عرب کا دستور تھا کہ وہ دودھ بالکل اخیر رات میں نکالتے تھے تا کہ کوئی فقیر
سوال نہ کرے اور اس وقت کو وہ عتمہ کہتے تھے۔ مصنف عبدالرزاق نے اس حدیث میں دو جزوں
کو ذکر کیا اول نہی عن المغرب دوم نہی عن العشاء اور دونوں جزوں کو ابن عمر سے نقل کرنا
مسلم کیونکہ مغرب کا ملا دیا حالانکہ مغرب کے سلسلہ میں نہی عبداللہ بن مغفل سے منقول ہے اور
بخاری ہی میں ہے۔ حدیث باب میں مغرب کو عشاء کہیں قرار نہیں دیا گیا البتہ بعض احادیث سے
عشاء کو عتمہ کہنے کا ثبوت ہے چنانچہ امام بخاری نے دونوں پر باب باندھا ہے اول باب من کرہ
ان یقال صلوۃ المغرب العشاء۔ دوم باب من رای العشاء والعتمۃ۔ عشاء کو عتمہ کہنے میں
اختلاف ہے ابن عمر مکروہ سمجھتے تھے امام مالک امام شافعی سے مکروہ نقل کیا گیا ہے
جمہور کی رائے ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے اور جن روایات میں عتمہ کہنا منقول ہے وہ نہی تعلیماً کے لئے ہے

633 عن علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یوم الخندق حبسونا عن الخ 62/27
غزوہ خندق کو غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں۔ کفار نے کئی دن تک مسلمانوں کا محاصرہ کیا
اور مسلمانوں نے بہت مشقت اور تکالیف ان دنوں میں اٹھائی اس اثناء میں آپ کی نماز بھی
قضا ہو گئی لیکن ابن مسعود کی روایت ترمذی میں اور حضرت جابر کی روایت مسند احمد میں
ہے جس میں ہے کہ آپ کی چار نمازیں قضا ہو گئیں۔ اب ان دونوں کو جمع کرنا اور ان میں
جمع کی ایک صورت یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ ایک دن والی روایت صحیحین کی روایت ہے وہ ایک دن کی

633

62/27

ترمذی اور مسند بزار کی روایت ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ فوت صلوٰۃ کا واقعہ متعدد بار پیش آیا کسی راوی نے کسی واقعہ کو لے لیا اور کسی نے دوسرے واقعہ کو بیان کیا۔ اس جمع کو امام نووی نے اور ابن سید الناس نے بیان کیا۔ صلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ العصر وسطیٰ وسط سے

63/1

ماخوذ ہے جس کے معنی متوسط کے ہیں اور افضل کے معنی میں بھی آتا ہے چنانچہ ابن العربی مالکی فرماتے ہیں کہ ایمان وسطی سے افضل مراد ہے۔ صلوٰۃ وسطیٰ کے مصداق میں علماء کے ۲۰ قول ہیں (۱) اس سے صلوٰۃ الفجر مراد ہے یہ قول ہے ابو امامہ۔ انس بن مالک۔ جابر بن زید۔ مجاہد۔ امام مالک امام شافعی کا (۲) صلوٰۃ ظہر مراد ہے یہ قول ہے زید بن ثابت۔ اسامہ بن زید۔ حضرت عائشہ۔ امام صاحب کا (۳) اس سے صلوٰۃ العصر مراد ہے یہ قول ہے سمرہ بن جندب۔ ابو ہریرہ۔ ابو ایوب۔ علی۔ ابن مسعود۔ حضرت عائشہ۔ ام سلمہ حضرت حفصہ کا۔ امام صاحب کا صحیح مذہب امام احمد کا صحیح مذہب اور یہی ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہی اصح الاقوال ہے علامہ ماوردی نے اکثر سے اسی مذہب کو نقل کیا ہے فرماتے ہیں کہ امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہونا چاہئے مالکیہ میں ابن العربی۔ ابن عطیہ۔ ابن حبیب کا یہی مذہب ہے مختصر یہ کہ تمام ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کا مجمع علیہ اور مختار قول یہی ہے (۴) صلوٰۃ المغرب اس کا مصداق ہے یہی قول ہے حضرت ابن عباس اور قبیصہ بن ذویب کا (۵) امام ابوالحسن واحدی مفسر کے نزدیک اس سے صلوٰۃ العشاء مراد ہے (۶) ساری نمازیں مراد ہیں۔ حضرت ابن عمر۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔ (۷) وتر کی نماز مراد ہے یہ قول حافظ علم الدین سخاوی کا ہے۔ حافظ فرماتے ہیں کہ قاضی تقی الدین نے اسی کو راجح کہا (۸) علامہ ابہری فرماتے ہیں کہ اس سے مغرب و عشاء مراد ہے (۹) فجر اور عشاء دونوں مراد ہیں (۱۰) فجر و عصر مراد ہے (۱۱) عید الفطر کی نماز مراد ہے (۱۲) عید الاضحیٰ کی نماز مراد ہے (۱۳) جمعہ کی نماز مراد ہے (۱۴) چاشت کی نماز مراد ہے (۱۵) جمعہ کے دن جمعہ کی اور اس کے علاوہ دنوں میں ظہر کی نماز مراد ہے (۱۶) جماعت کی نماز مراد ہے (۱۷) توقف کیا جائیگا (۱۸) صلوٰۃ اللیل مراد ہے (۱۹) احدی الصلوات الخمس مراد ہے (۲۰) صلوٰۃ الخوف۔ اب کچھ استدلالات سنئے جو لوگ فجر کی نماز کو مصداق قرار دیتے ہیں وہ چند وجوہ سے استدلال کرتے ہیں (۱) یہ دو جہری اور دوسری نمازوں کے درمیان ہے (۲) سفر میں نماز فجر کے اندر تخفیف نہیں ہوتی (۳) اللہ فرماتے ہیں حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ وقوموا للہ قانتین اور قنوت صبح کی نماز میں ہوتی ہے مگر یہ بات شافعیہ کے مسلک پر صحیح ہے۔ ظہر والے کہتے ہیں کہ مسند احمد میں ابوداؤد طیالسی کی ایک روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم گرمی میں ظہر کی نماز پڑھتے تھے اور آپکے پیچھے صرف دو تین صف ہوتی تھی اسپر یہ نازل ہوئی۔ عصر والے کہتے ہیں کہ سمرہ بن جندب کی روایت ترمذی میں ہے

633 ایسے ہی ابو حاتم نے اسنوی کی اور بعض کو ابن جریر طبری نے نقل کیا ہے ایسے ہی حضرت ابوہریرہ کی 63/1
روایت اور خود حفص والی حضرت علی کی اور روایت ان سب سے معلوم ہوا صلوۃ الوسطی سے صلوۃ العصر
مراد ہے۔ حولی کے اندر ذکر کیا روایت ہے کہ ام سلمہ نے اپنے غلام سے کہا کہ جب تم اس آیت پر پہنچو تو
آگاہ کرنا اور پھر انہوں نے اس جگہ صلوۃ العصر لکھوایا۔ جو لوگ غیر صلوۃ عصر کا قائل ہیں وہ جواب دیتے
ہیں کہ انہوں نے وصلوۃ العصر واو سے لکھوایا تھا اور عطف مغایرت کو چاہتا ہے۔ شوکانی اس کا جواب دیتے
ہیں کہ یہ بھی دوسرا اور دو چیزوں کے درمیان ہے نیز اس میں شوکانی کے اندر تحقیق نہیں ہوئی۔ عشاء
والے کہتے ہیں کہ یہ منافق پر نہایت دشوار تھی اس لئے اسکو تاکید کے طور پر ذکر فرمایا ہے اسکے علاوہ
اسکے مصداق اور بہت سے اقوال اور اسکے دلائل ہیں فتح الباری ہ محلی عینی

634 **الفصل الثانی :- عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان قرآن الفجر** 63/1,2
ان قرآن الفجر قرآن بمعنی القراءۃ کے ہے ابھی فصل اول کی دوسری حدیث کے تحت جو حضرت ابوہریرہ کی
حدیث گزری اور اسکے اندر ملائکہ لیل و نہار کا ذکر ہے اور صلوۃ فجر و عصر کا ذکر ہے متعلق اس حدیث سے
استدلال کیا ہے بعض لوگوں نے کہ وسطی عصر کا ذکر صحیح نہیں ہے لیکن حافظ نے اسکی تغلیط کر دی
بقیہ احادیث قابل تشریح نہیں۔

باب الاذان

63/10
ما قبل میں اوقات کا تذکرہ تھا لیکن ان اوقات کا علم لوگوں کو اذان کے ذریعہ ہوتا ہے اب یہاں سے
اسکو بیان فرماتے ہیں۔ اذان کا لغوی معنی اعلام کا ہیں اور اصطلاح میں کہتے ہیں ہو الاعلام
مخصوص بالفاظ مخصوصۃ فی اوقات مخصوصۃ۔ اذان کب شروع ہوئی اسکے اندر روایات
مختلف ہیں بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت سے پہلے اور بعض سے معلوم ہوا کہ ہجرت کے بعد شروع ہوئی
طبرانی نے ابن عمر سے ایک روایت نقل کی کہ جب آپکو معراج کرائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے اذان کی وحی
فرمائی۔ حضرت انس کی ایک روایت ہے کہ حضرت جبرئیل نے آپکو اذان سکھائی دوسری روایت حضرت انس
کی مسند بزار میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپکو اذان سکھانے کا ارادہ کیا تو آپکو معراج کرائی ان تین روایات
سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت سے پہلے اذان شروع ہوئی ہے لیکن پہلی روایت میں طلحہ بن زید
متروک ہے اور دوسری روایت میں بعض رواۃ مجہول ہیں اور تیسری روایت میں زیاد بن المنذر
ابو الجارود عبدی متروک ہے لہذا ان سے استدلال صحیح نہیں ہے بلکہ ہجرت کے بعد ہی اذان شروع
ہوئی ہے۔ اب اختلاف ہے کہ کونسے سن میں ہوئی اسکے اندر دو قول ہیں اول سنہ ۱ھ دوم ۲ھ حافظ
نے اول قول کو ارجح قرار دیا ہے۔ کیفیۃ شروعیت اذان کیا تھی ؟ جیسا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جب نو مسلموں نے اذان کے الفاظ تلاش کرنا شروع کئے۔ اور پھر نماز کے وقت کسی کو بلایا جاتا۔ حضرت عمر نے فرمایا ایک آدمی کو بھیجا کرو۔ اور وہ لوگوں سے کہا کرے الصلوٰۃ جامعۃ۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آگ جلا دیا کریں تاکہ علامت ہو جائے۔ آپ نے فرمایا یہ مجوس ہیں۔ بعض نے کہا ناقوس بجایا کریں۔ آپ نے فرمایا یہ نصاریٰ کا۔ بعض نے بوق کا مشورہ دیا آپ نے فرمایا یہ یہود کا طریقہ۔ آپ نے تمام ان آراء کو ختم کر دیا۔ آپ بالکل غمگین ہوئے اور اسکی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن زید کو بھی غم ہوا رات میں نیند آگئی اور خواب میں انکو اذان کا طریقہ حضرت جبرئیل نے آکر سکھایا۔ انہوں نے اپنا خواب حضور کو سنایا اور پھر بلال کو حضور علیہ السلام نے اذان دینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ انکی آواز بلند ہے اور اقامت کے لئے فرمایا حضرت عبد اللہ کہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ گیارہ صحابہ نے یہ خواب دیکھا۔ علامہ جیلی نے لکھا ہے کہ سترہ آدمیوں نے خواب دیکھا۔ امام غزالی نے دس صحابہ سے نقل کیا بہر حال خواب کے ذریعہ اذان کی مشروعیت ہوئی ہے اب اعتراض ہوا کہ جو چیز خواب سے ثابت ہوئی اسکی حجیت کیا کیونکہ خواب کو حجت مانا ہی نہیں ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ جبرئیل نے معراج میں اسی وقت آپکو اذان دی اور کلمہ سکھلا دی تھی۔ لیکن چند دن کیلئے موقوف کر دی تھی اور جب حضرت عبد اللہ نے خواب دیکھ لیا تب آپنے اپنی وحی کا حکم سنا دیا جیسا کہ مراسیل ابو داؤد اور مصنف عبد الرزاق میں عبید ابن عمیر کی روایت اور جیسا کہ جب انہوں نے انکا خواب سنا تو فرمایا قد سبقک الوحی۔ حضرت عمر نے خواب سنکر آپ نے اجتہاد سے مشروع فرمائی۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ آپکے لئے اجتہاد جائز ہے یا نہیں۔ ایک قول یہ کہ جائز ہے۔ دوسرا قول یہ کہ جائز نہیں۔ اور تیسرا قول یہ کہ امور حربیہ کے اندر جائز ہے انکے علاوہ میں نہیں۔ چوتھا قول یہ کہ توقف کیا جائے گا۔ اذان کا حکم یہ ہے کہ داؤد ظاہری۔ امام اوزاعی۔ ابن المنذر۔ عطاء۔ مجاہد ان تمام کے نزدیک اذان واجب ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے۔ داؤد ظاہری کے نزدیک صرف صلوٰۃ کیلئے شرط ہے اور بعض کے شرط نہیں۔ امام مالک سے بھی وجوب کا قول معلوم ہوتا ہے اور امام محمد سے بھی اسی قول کو نقل کیا ہے محقق ابن ہمام کا رجحان بھی وجوب کی طرف ہے۔ امام شافعی اور حنابلہ کے نزدیک فرض کفایہ ہے۔ تمام کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ امام احمد اور امام شافعی سے یہی قول نقل کیا ہے۔ حنابلہ کے بعض علماء و حنفیہ ظاہری کی عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ بعض نے امام مالک سے بھی سنیت کا قول نقل کیا ہے اور اکثر حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک سنت ہے اور بعض نے امام مالک سے یہی قول کیا ہے۔

حنابلہ کی اکثر روایات اور شافعیہ کا ایک قول یہ کہ فرض کفایہ ہے۔ داؤد ظاہری کے نزدیک واجب ہے عطاء مجاہد بھی کہتے ہیں کہ اگر اذان نہیں کہی گئی تو اعادہ واجب ہے یہی قول امام اوزاعی کا ہے دوسری روایت امام اوزاعی سے یہ کہ وقت کے اندر اعادہ ہوگا۔ محقق ابن قدامہ نے مغنی کے اندر لکھا ہے کہ دونوں قول

مجموعہ ہو گیا ہیں ۔ کلمات اذان کتنے ہیں امام شافعی کے نزدیک انیس ہیں اور امام مالک کے نزدیک سترہ ہیں امام محمد اور امام احمد کے نزدیک پندرہ کلمات ہیں ۔ امام ابو یوسف کا ایک قول ہے کہ تیرہ ہیں ۔ امام شافعی کے نزدیک ترجیع کی وجہ سے دو کلمات زائد ہیں اور امام مالک کے یہاں اگرچہ ترجیع کے کلمات ہیں لیکن تکبیر ابتدائیہ دو دفعہ ہے چار دفعہ کے قائل نہیں ۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ترجیع نہیں تو تکبیر کے بھی دو کلمات حذف ہیں باقی ائمہ کے نزدیک ترجیع کے کلمات نہیں اور تکبیر کے چار کلمات ہیں ۔ اب رہا یہ امر اختلافی کہ اذان میں ترجیع ہے یا نہیں ۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ترجیع نہیں ۔ شافعیہ مالکیہ کے نزدیک ترجیع ہے اور وہ استدلال کرتے ہیں ابو محذورہ کی روایت سے کیونکہ اسکے اندر ترجیع موجود ہے ۔ حنفیہ کا استدلال ہے کہ عبد اللہ بن زید کے خواب میں فرشتہ نازل من السماء کی اذان میں ترجیع نہیں تھی اور نہ خود حضرت عبد اللہ کی روایت میں ترجیع کا ذکر ہے ۔ ایسے ہی حضرت بلال ہمیشہ آپ کے موذن رہے اور کبھی ترجیع کا ثبوت نہیں ۔ ابو محذورہ کی روایت طبرانی میں ہے اسمیں بھی ترجیع کا ذکر نہیں ۔ محقق ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ابو محذورہ کی روایات میں اضطراب ہے پھر حضرت بلال تو ہمیشہ موذن رہے انکی اذان بطریق تواتر چلی اور انکی اذان میں ترجیع کا ثبوت نہیں ۔ عبد ضعیف کی رائے میں کہ محقق ابن ہمام کا یہ قول انکی حدیثوں میں اضطراب ہے صحیح نہیں کیونکہ طبرانی کی وہ حدیث جسمیں ترجیع کا ذکر نہیں اسکی وجہ سے اضطراب کا قول کیا وہ روایت بعینہ اسی سند سے جو سنن بیہقی میں ہے اور اسمیں ترجیع کا ذکر ہے لیکن روایات ہمارے مذہب پر بھی نہیں آتیں کیونکہ اسکا منشاء اور ہے ۔ چنانچہ علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ فتح مکہ میں ابو محذورہ کو ترجیع کی تعلیم اسلئے کی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے تشریف لائے اور حضرت بلال اذان دیتے رہے تو اسمیں کبھی ترجیع نہیں کی تو اس سے معلوم ہوا کہ ترجیع ہمیشہ نہ تھی ورنہ آخر تک ترجیع رہتی ۔ اب رہا ابو محذورہ کی ترجیع والی روایت کا جواب سو یہ کہ جب حضور حنین تشریف لے گئے اور واپس آتے ہوئے ان لڑکوں نے نقل اتاری اذان کی تو حضور نے سب کو بلوایا اور سب سے اذان دلوائی انمیں ابو محذورہ بھی تھے چونکہ احسن الصوت تھے جب انہوں نے اذان دی شہادتین کا تلفظ آہستہ کیا کیونکہ جب شہادتین پر پہنچے تو غصہ ہوا کیونکہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے آہستہ سے کہا تو آپ نے فرمایا ارجع وامدد صوتک یعنی دوبارہ ان کلمات کو کہو لیکن یہ تو حقیقۃً ترجیع مقصود نہ تھی ۔ دوسرا جواب ابن الجوزی کا ہے کہ ابو محذورہ نو مسلم تھے ایمان کا رسوخ قلب میں نہیں ہوا تھا تو رسوخ کیلئے ترجیع کا حکم دیا تھا ۔ تیسرا جواب شاہ صاحب نے دیا کہ ترجیع کا حکم تعلیم کیلئے تھا ۔ امام طحاوی اور حافظ ابن حجر کا اعتراض ہے کہ یہ جوابات صحیح نہیں کیونکہ ابو محذورہ کی ایک روایت ہے جسمیں کہ

انہوں نے حضور سے عرض کیا کہ علمنی سنة الاذان یعنی مجھے اذان کا طریقہ سکھلا دیجئے تو حضور نے اذان کا
طریقہ بیان کیا ترجیع داخل ہے۔ رہا وہ جواب جو علامہ شوق نیموی نے دیا ہے حافظ کا اور زیلعی کا اس
ذریعہ سے اعتراض کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ حدیث ضعیف ہے اس کا راوی حارث ابن عبید اور
اس کا شیخ محمد بن عبدالملک دونوں ضعیف ہیں۔ حارث کے متعلق ابن حبان فرماتے ہیں کہ
منفرد ہے۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ یہ لیس بقوی۔ بعض نے کہا لا یحتج به۔ غرضیکہ وہ ضعفا
میں داخل ہیں اس کا شیخ محمد بن عبدالملک کے متعلق تو کسی نے کہا کہ ضعیف ہے۔ دوسرا جواب
یہ ہے حضور کا یہ کہنا یہ روایت تعلیم کی ہے۔ یہ تو ترجیع کے متعلق تھا۔ دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ
تکبیر شروع میں دو ہیں یا چار ہیں۔ مالکیہ کے نزدیک دو مرتبہ ہیں وہ استدلال کرتے ہیں
مسلم شریف کی روایت سے جو ابو محذورہ سے منقول ہے اس کے اندر کلمات تکبیر مثنی مثنی ہیں
رہا جواب یہ کہ مسلم شریف کے بعض نسخوں کے اندر اسی روایت میں چار چار مرتبہ بھی منقول ہے
اس سے قطع نظر تو ابو عوانہ کی روایت میں بھی اور سنن میں ابو محذورہ کی حدیث میں بھی چار
چار مرتبہ ہے۔ کلمات اذان کی طرح کلمات تکبیر میں بھی اختلاف ہے۔ امام شافعی کے یہاں گیارہ
کلمات ہیں امام شافعی کا قول جدید امام احمد کا مذہب گیارہ ہیں۔ امام مالک کے نزدیک دس اور
امام شافعی کا قول قدیم ہے کہ دس کلمات ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک کلمات اقامت مثنی مثنی ہیں سوائے تکبیر
اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں افراد ہیں البتہ قد قامت الصلوة مشروع ہے اور حنابلہ کے یہاں دو مرتبہ ہے اور
مالکیہ کے نزدیک وہ بھی ایک مرتبہ ہے۔ ائمہ ثلاثہ حضرت انس کی روایت سے استدلال کرتے ہیں اور
اس کے اندر ایتار کا حکم ہے۔ حنابلہ شافعیہ کہتے ہیں کہ اس حکم سے الا الاقامة کا استثناء ہے لہذا وہ
اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ الا الاقامة حضور کا قول نہیں بلکہ وہ حدیث کا ایک راوی
ایوب سختیانی کا قول ہے۔ حنفیہ کی دلیل ملک نازل من السماء کی روایت میں اقامت کو مکرر آئی
ہیں اور ابو محذورہ کی روایت میں تو سبع عشرة کی تصریح وارد ہوئی ہے ایسے ہی طحاوی شریف
میں بسند صحیح اسود بن یزید سے مروی ہے کہ حضرت بلال مثنی مثنی اقامت کہتے تھے اسی طرح بہت سے
صحابہ نے حضرت بلال کی اقامت کو مثنی مثنی نقل کیا ہے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ حدیث انس کا جواب
جس سے شافعیہ استدلال کرتے ہیں یہ دیا گیا کہ ان یشفع الاذان و ان یوتر الاقامة یہ دونوں صیغہ
مجہول ہیں اور یہ جزئیہ کا حکم میں ہوتا ہے اور حضور نے آپ کا خاص قسم کے متعلق فرمایا اور وہ یہ
حضور کے ایک مؤذن حضرت ابن ام مکتوم بھی تھے تو ان یشفع الاذان کا تعلق حضرت ابن ام مکتوم
سے اور حضرت بلال اذان سحر سے پہلے دیا کرتے تھے بعد فجر کے اور ان یوتر الاقامة کا تعلق حضرت دونوں

641 642 رکھا تھا۔ بہر حال ایک عمدہ شہادت ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ اول من اذن بلال و اول من اقام عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ۔ حضور کے ایک موذن سعد قرظ ہیں دوسرے ابو محذورہ تیسرے عبد اللہ بن ام مکتوم ہیں یہاں تک پورے باب کا خلاصہ مختصر بیان کیا گیا اب حسب دستور حدیثوں پر کسی قدر کلام کیا جاتا ہے کسی جگہ نہیں 63/11,12

الفصل الاول:- عن انس قال ذکروا النار ۔۔۔ الخ عن ابی محذورة قال القی

اس حدیث پاک میں نار کا اور ناقوس کا ذکر ہے اور یہ یہود و نصاریٰ کا شعار ہے ناقوس میں معلوم ہوتا یہود کا ہے بوق اور نصاریٰ کا ہے ناقوس اور مجوس کا شعار ہوتی ہے اس تقابل کا تقاضہ یہ کہ یہ تو ہے بہ خیال یہود کا مجوس کا تذکرہ ہونا چاہئے علامہ کرمانی نے اس کا جواب دیا کہ ممکن ہے یہود کا نے بوق یہود کا بھی ہو کر ہو لیکن راوی نے روایت میں راوی نے اختصار کر دیا۔ دوسری حدیث ابو محذورہ کی ہے جس میں اذان کے کلمات ترجیع کو ذکر کیا گیا ہے علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اس اذان میں عقیدہ کے تمام مسائل آگئے کیونکہ اللہ اکبر سے اللہ کی صفات کو ثابت کیا اور شہادتین سے توحید و رسالت کا اثبات کیا پھر نماز میں فلاح کا ذکر ہے اور حقیقی فلاح آخرت کی فلاح ہے تو اس اعتبار سے آخرت اور معاد کا بھی ذکر آگیا۔ حضرت ابو محذورہ کا نام اوس بن معیر ہے

643 644 645 646 الفصل الثانی:- عن بلال قال لی ۔۔۔ الخ عن جابر اذا اذنت فترسل ۔۔۔ الخ 63/16–25

لا تثوبن تثویب کے معنی لغت میں العود بعد الخروج ہے۔ اصطلاح میں اور تین معنی میں مستعمل ہے (۱) اقامت (۲) الصلوۃ خیر من النوم (۳) حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح کو دوبارہ کہنا۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں فجر کا وقت ... اور سونے کا ہوتا ہے یہاں سے فجر میں تثویب ہوگی۔ بعض دوسرے علماء کہتے ہیں کہ تمام نمازوں میں تثویب ہے۔ حدیث میں ہے کہ تثویب کو ملا لیا۔ جیسے الصلوۃ خیر من النوم نماز فجر کی علاوہ میں ہوتا ہو۔ دوسری حدیث حضرت جابر کی ہے جس سے ترسیل فی الاذان والا حدار کا فی الاقامۃ کا ثبوت ہوا۔ جمہور کے نزدیک ترسیل اذان میں اور احدار اقامت میں مستحب ہے دوسری بات حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ اذان اور اقامت کے درمیان توقف ہونا چاہئے بعض کے نزدیک دو رکعت کے بقدر اور بعض کے نزدیک چار رکعت کے بقدر فاصلہ ہونا چاہئے۔ البتہ مغرب میں استثناء ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ایک سکتہ کے بقدر جس کی مقدار تین آیات کے بقدر ہے ہونا چاہئے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ ایک جلسہ کے بقدر فاصلہ ہونا چاہئے جیسا کہ خطبہ کے درمیان جلسہ ہوتا ہے ولا تقوموا حتی ترونی حضور صحابہ کرام کی عادت تھی کہ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے تو حضور نے فرما دیا کہ مجھے دیکھنے سے پہلے کھڑے مت ہوا کرو۔ اس سے اور بھی مقصود ہے کہ نماز [illegible] کیا مقصد یہ ہے کہ کھڑے ہونا افضل ہے [illegible] کے نزدیک [illegible] شرح [illegible] میں۔ شافعیہ و حنابلہ کا

کے نزدیک اقامت کے آخر میں اور حنفیہ میں امام زفر کے نزدیک حی علی الفلاح پر اور دوسرے حنفیہ کے نزدیک حی علی الفلاح پر کھڑا ہو جائے۔

648 عن زیاد بن الحارث الصدائی قال امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ 64/2

اقامت موذن ہی یا کوئی دوسرا بھی کہہ سکتا ہے؟ امام شافعی امام احمد کے نزدیک موذن اور اقامت کہنے والا ایک ہونا چاہئے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ دوسرا کے کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ حنفیہ بھی مالکیہ کے ساتھ ہیں لیکن یہ شرط ہے تو وہ بہتر دوسرا کا اقامت کہنے سے موذن کو تکلیف ہو۔ حنفیہ اور مالکیہ کا مستدلال عبداللہ بن زید کی روایت ہے کہ اذان تو حضور نے حضرت بلال سے کہلوائی اور اقامت کا حکم کیا روایت کی بنا پر حضرت عبداللہ بن زید کو دیا۔

649 الفصل الثالث :- عن ابن عمر قال کان المسلمون حین قدموا المدینۃ الخ 64/4

اس حدیث باب میں جو اذان کا نقشہ کو بیان کیا گیا اولا تبعثون میں واو عاطفہ ہے اور عطف ہے اتقولون کے نزدیک وہ لا تبعثون یا بلال قم اس سے علماء نے استدلال کیا کہ اذان کو کھڑا ہو کر دینا چاہئے ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ قیام مستحب ہے۔ امام ابو ثور جو امام شافعی کے شاگرد ہیں ان کے نزدیک واجب ہے۔ ابوالفرج مالکی کا بھی یہی قول ہے۔ روایت کہ فناد بالصلوۃ میں نداء سے مراد ہے قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں کہ نداء سے اذان مخصوص مراد نہیں۔ ابن العربی کے نزدیک اذان شرعی مراد لینا بعید نہیں ہے۔ اگرچہ ابن العربی فرماتے ہیں کہ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا تعجب ہے ترمذی نے اس حدیث کو حسن کیسے قرار دیا جبکہ اذان کی مشروعیت خواب سے ہوئی نہ کہ مشورہ سے اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مشورہ سے اذان کی ابتداء ہوئی۔ پھر یہ حدیث حسن صحیح کیسے ہے۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ پہلے تو حدیث کا انکار نہ کر کے نداء کا تعدد ثابت کو خود تعیین کر دیا اور پھر اس حدیث پر اشکال کرنا کہ جو لوگ اذان شرعی پر محمول کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب یہ مشورہ ہوا تو حضور کو علم بالوحی ہوا اس کے بعد عبداللہ بن زید نے خواب دیکھا اور آ کر بیان کیا پھر حضرت عمر نے فرمایا کہ اولا تبعثون الخ تو حضور نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ فناد بالصلوۃ لیکن یہ مطلب بیان کرنا ہی لازم آتا کہ اس مشورہ والی مجلس میں حضرت عمر نے اولا تبعثون نہیں فرمایا بلکہ یہ قول ان کا دوسری مجلس کا ہے جو خواب کے بعد ہوئی تھی حالانکہ حضرت عمر نے خواب کا جو مجلس ہوئی اس کا ذکر نہیں کیا بلکہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اذان کی آواز انہوں نے سنی تب اپنی چادر کھینچتے ہوئے آئے۔ بہرحال اس بارے کی تفصیل سے یہ معلوم ہو گیا کہ اذان شرعی نداء کا تعدد نہیں ہے۔

۱۲

650 651 عن عبد اللہ بن زید قال لما امر الخ عن ابی بکرۃ قال خرجت مع النبی الخ 64/7-15
پہلے معلوم ہو چکا کہ حضورؐ نے ناقوس۔ نار۔ بوق الاہتمام رد کیا اور مکروہ سمجھا اور اس حدیث سے سمجھ میں
آیا کہ حضورؐ نے ناقوس کا حکم دیا جو بظاہر یہ ہے کہ حضورؐ کے سامنے یہ تینوں چیزیں پیش ہوئیں تو حضورؐ نے اپنی
عادت شریفہ کے مطابق جو ان میں سے اقرب ہی تھی اسکو اختیار کیا اور وہ ناقوس ہے جو نصاریٰ کا
بیان ہو چکا ہے رجل سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں یا کوئی ملک من الملائکۃ مراد ہے
الی آخرہ وکذا الاقامۃ یہ عبارت بعض ناسخوں نے اپنی طرف سے بڑھائی ہے ورنہ دوسری روایات میں پورا
اذان واقامت کا ذکر ہے البتہ روایت میں اقامت افراداً ذکر کی گئی ہے اور اس سے استدلال کیا
کہ اقامت کے کلمات ایک ایک ہیں مگر ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ رواۃ نے اذان کا اختصار
کر کے ایک ایک کلمہ کو ذکر کیا ہے چنانچہ دوسری روایات میں اسی طرح مثنیٰ مثنیٰ ہے خاص
اندی صوتاً کے تین معنی بیان کئے گئے ہیں (۱) ارفع صوتاً (۲) احسن صوتاً اس سے علماء نے
استدلال کیا کہ مؤذن اچھی آواز والا ہونا چاہئے (۳) اقعد فی المد والاطالۃ والا اس کا علم
یہ توجیہ حافظ ابن حجرؒ کی ہے کہ حضورؐ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا اور حضرت عبد اللہ کو نہیں
اسکی وجہ حضور علیہ السلام کا علم ہے کہ عبد اللہ بن زید بعض تھے اور ان کا صوت زیادہ تھی اب
اشکال ہوتا ہے جب اتنے کبار صحابہ موجود تھے تو خواب حضرت عبد اللہ کو کیوں نظر آیا اس سے
بڑے صحابہ موجود تھے ؟ جواب یہ ہے کہ حضورؐ کو اس مجلس میں غم ہوا تھا تو انکو بھی آپ کے
غم کو دیکھ کر شدید غم ہوا تو ان پر اللہ کی رحمت متوجہ ہوئی۔ حضرت بلالؓ کا اذان دینے
کی تخصیص کی وجہ حضرت شیخ مدظلہ نے یہ بیان فرمائی کہ جب بلال مسلمان ہوئے تو امیہ اپنا
سخت عذاب کرتا تھا مگر وہ اس کے وجود میں احد احد کہا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا صلہ انکو
عطا فرمایا۔ دوسری حدیث حضرت ابو بکرہ کی ہے جو ما قبل کے مضمون پر مشتمل ہے ان کا نام
نفیع بن الحارث ثقفی ہے اور انکو ابی بکرہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آپ طائف کے شہر پناہ کو لٹک کر آئے
تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ طائف میں تشریف لے گئے تو کچھ لوگ شہر پناہ اندر
مسلمان ہو گئے تھے تو انہیں سے بعضوں نے لوگوں سے شہر پناہ کی دیوار پر چرخی کے ذریعہ نکلے
تھے انہیں میں یہ بھی تھے ایسا مرتبہ عربی میں بکرہ چرخی کو کہتے ہیں جس پر یہ لٹک کر نکلے تھے

652 عن مالک بلغہ ان المؤذن جاء عمر یؤذنہ لصلوٰۃ الصبح فوجدہ الخ 64/16
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ الصلوٰۃ خیر من النوم حضرت عمرؓ کے حکم سے اذان میں داخل کیا گیا
حالانکہ دوسری حدیث میں وارد ہے کہ حضورؐ نے حکم دیا تھا بلالؓ کو الصلوٰۃ خیر من النوم کی اذان

652 64/16 میں بھی الصلوۃ خیر من النوم تھا لہذا اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ ش۔ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مؤذن اذان اور اقامت کے درمیان الصلوۃ خیر من النوم پکارتا تھا تو آپ نے فرمایا اذان کے اندر کہو۔ حافظ ابن عبد البر علامہ باجی حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسکو صبح کی اذان کے ساتھ مخصوص کرو یعنی بین الاذان والاقامۃ مت کہو تیسرا جواب یہ ہے کہ صبح کی اذان میں کہو اور کسی اذان میں مت کہو ۔۱۲

باب فضل الاذان و اجابۃ المؤذن

64/20 اطول الناس اعناقا کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے (۱) نضر بن شمیل اسکو عرق کی دراز کہتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگوں کی گردنیں پیاس کی وجہ سے جھکی ہوئی ہوں گی لیکن ان لوگوں کو پیاس نہیں لگے گی (۲) اعناق عنق کی جمع ہے جس کے معنی جماعت کے ہیں تو مطلب یہ ہے کہ انکے متبعین زیادہ ہونگے (۳) عنق سے مراد اعمال ہیں یعنی ان کے اعمال بہت زیادہ ہوں گے (۴) اکثر الناس نورا (۵) قیامت کے دن لوگوں کا سر غم یعنی شرمندگی کی وجہ سے جھکا ہوا ہوگا لیکن انکو شرمندگی نہ ہوگی (۶) قیامت کے دن ان کا سر اونچا ہوگا اور خوشی میں ہوں گے (۷) قرب الٰہی کی طرف اشارہ مقصود ہے (۸) یہ اعناق بکسر الالف ہے جو اسراع کے معنی میں ہے یعنی تیز دوڑ کر چلے جائیں گے۔ (۹) عنق سے سید مراد ہے یعنی سردار ہونگے۔ یہ باب کی پہلی حدیث کا خلاصہ ہے۔

655 64/21 عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا نودی للصلوۃ ادبر الشیطان میں شیطان سے ابلیس مراد ہے اور ممکن ہے کہ کوئی دوسرا ہو۔ ولہ ضراط بعض لوگ اسکو حقیقت پر محمول کرتے ہیں اور بعض مجاز پر۔ جو لوگ اسکے حقیقی معنی مراد لیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ چونکہ شیاطین ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں اور یہ اسکے تقاضے میں سے ہے لہذا یہ حقیقت پر محمول ہے اور جو لوگ مجاز کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ استہزاء کرتا ہے۔ اگر حقیقت پر حمل کیا جائے تو ایک سوال ہوگا کہ فرار کیوں ہوتا ہے؟ اسکے چند جوابات ہیں۔ جواب۱ اذان کے اندر اللہ تعالیٰ کی توحید و کبریائی اور صفات کا ذکر اعلان ہوتا ہے جواب۲ جان بوجھکر استہزاء کیلئے ایسا کرتا ہے جواب۳ ریح خارج کرتا ہے تاکہ کان کے اندر آواز نہ جائے جواب۴ اذان سننے والا قیامت کے دن مؤذن کیلئے شہادت دیگا تو وہ شہادت سے بچنے کیلئے ایسا کرتا ہے کہ اذان نہ سنے۔ فاذا قضی النداء: قضی معروف اور مجہول دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے

655 سو دوسری صورت میں نماز کا ارشاد کا عمل ہو گا جو نماز سے کچھ میں آیا حتی اذا ثوب سے بالاتفاق 64/21
تمام علماء نے ذکر کیا اقامت مراد ہے لیکن بعض ائمہ نے امام قتادہ کی طرف اس قول کو منسوب کر دیا اور
اس سے تثویب بین الاذان والاقامۃ مراد ہے۔ حضرت شیخ نے اوجز میں ان لوگوں کی تضعیف
کی ہے۔ اب یہاں پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ شیطان اذان و اقامت سے تو بھاگ جاتا ہے
لیکن قرآن پڑھنے پر حالانکہ وہ بھی نہیں بھاگتا؟ علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ اذان میں
اللہ کی صفات اور حمد ہیں تو اس کو ڈر ہوتا ہے نیز اس میں ریاکاری نہیں ہوتی بخلاف
قراءۃ قرآن کے اس کے اندر ریاکاری وغیرہ ممکن ہے۔ حتی یظل الرجل
یظل میں دو روایتیں ہیں ایک کاف کے ساتھ تو اس صورت میں یصیر کے معنی میں ہو گا اور ایک ضاد
کے ساتھ جس کے معنی بھول جانے کے ہیں جیسا کہ قرآن میں آتا ہے ان تضل احداھما الخ ۔۔ ۱۲

656 عن ابی سعید الخدری لا یسمع الخ عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال 64/24
مدی صوتہ معنی غایت اور منتہی کے ہیں۔ الا شہد لہ اس سے شہادۃ بلسان المقال مراد ہے
اور بعض نے کہا لسان الحال مراد ہے۔ اب سوال پیدا ہوا کہ اللہ تو عالم الغیب ہے وہ
شہادۃ کیوں دلوا رہا ہے؟ جواب یہ ہے کہ علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ تاکہ مشہود کے اقوال
کو تمام لوگ جان لیں۔ جواب علامہ زین الدین ابن المنیر فرماتے ہیں کہ احکام آخرت کو احکام
دنیا کے موافق عمل میں لانے کے لئے ایسا ہے۔ ولا شیء علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اس سے فرشتے
مراد ہیں ان پر اشکال کیا گیا کہ ملائکہ تو جنات کے اندر آ گئے ہیں۔ اسکے اجتناء استشعار
میں دونوں برابر ہیں یعنی جنات کو غائب اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ نظر نہیں آتے اسی طرح
ملائکہ بھی نظر نہیں آتے۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ بعض ملائکہ تو ایسے ہیں کہ وہ
دوسرے ملائکہ کو بھی نظر نہیں آتے (۲) جانور اور جمادات مراد ہیں (۳) حافظ عسقلانی
فرماتے ہیں کہ اس کے اندر ایسا داخل ہیں جماد و شجر اور اس کا غیر بھی۔ دوسری حدیث حضرت
عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی ہے اس سے استدلال کیا ابن حبیب مالکی اور طحاوی اور
حنفیہ کی ایک جماعت نے کہ اذان کا جواب واجب ہے کیونکہ حضور نے فقولوا مثل ما یقول
فرمایا اور امر وجوب کیلئے آتا ہے لیکن دوسری جماعت حنفیہ کی کہتی ہے کہ اذان کا جواب
مستحب ہے اور یہی مذہب ائمہ ثلاثہ کا ہے۔ یہ لوگ حضرت انس کی حدیث سے استدلال کرتے
ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یغیر اذا طلع الفجر الخ فرمکث اس حدیث میں
حضور نے اذان کا جواب نہیں دیا۔ حافظ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں

656 کیونکہ احتمال ہے کہ راوی نے جواب کو نقل نہ کیا ہو۔ دوسرا اشکال یہ بھی کر دیا کہ یہ حدیث محض تکبیر جواب 64/24
اذان کے سب کلمے کی جو دلیل ہے، جواب کی نوعیت کیا ہوگی؟ اس کے اندر مختلف اقوال ہیں (۱) جیسا کہ بعینہ وہی
الفاظ کہے جو مؤذن نے کہے۔ یہ ایک قول ہے حنابلہ شافعیہ اور بعض حنفیہ کا (۲) حیعلتین کے علاوہ کے اندر
موافقت مؤذن کی ہے اور حیعلتین میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھے۔ دراصل جواب کے مسئلہ میں روایات
مختلف ہیں۔ دو روایات مجمل کے اندر مثل ما یقولون واقع ہوا اور روایات مفصلہ کے اندر لاحول ولا قوۃ
حیعلتین کا جواب واقع ہوا لیکن بعض مجمل روایات میں بھی لاحول وارد ہوا ہے تو ان تمام کے موافق
(۳) حصکفی نے یہ ذکر کیا ہے کہ جمع کرے یعنی لاحول اور حی علی الصلوۃ الخ پڑھے (۴) ابن المنذر روایات میں
کہ یہ اختلاف المباح کا قبیل سے ہے جو چاہے کہے (۵) حنفیہ کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ
حی علی الصلوۃ کا جواب میں لاحول ولا قوۃ کہے حی علی الفلاح کا جواب میں ما شاء اللہ کان و
ما لم یشاء لم یکن کہے۔ مولانا عبد الحی صاحب نے اس کی تردید کر دی کہ یہ ثابت نہیں لیکن حافظ ابن حجر
نے نقل کیا ہے بنایہ میں ہے اور حضرت عثمان غنی رض سے مروی ہے۔ ایک یہ بھی اشکال ہوا کہ حدیث میں
ہے کہ درود کی خصوصیت کیوں کی جبکہ ہر حسنہ کا اجر عشر حسنات ملتا ہے کما قال اللہ من جاء بالحسنۃ
فلہ عشر امثالہا؛ جواب۱ اللہ تعالیٰ کا دس مرتبہ درود بھیجنا ان دس حسنات کے علاوہ ہوگا۔ جواب۲
اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا مرتبہ درود بھیجنا بھی زمین و آسمان کے برابر کیا ہو سکتا ہے جیسا کہ دس مرتبہ ایک سے
عشر امثال کی کیا حیثیت؟ ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ حافظ ذہبی نے یہیں کا وسیلہ سے مراد لیا تو اجیبوا 27
علی المؤذن یا اجیبوا علی الامر ہے۔ اشکال ہوا جب اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے وعدہ کر لیا ہے اور
وعدہ میں اللہ تعالیٰ خلاف نہیں کرتا تو وارجوا ان اکون انا ھو کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ جواب۱ یہ کہ 65/1
آپ نے تواضعاً یہ فرمایا۔ جواب۲ آپ نے لوگوں کے محاورہ کے مطابق کلام فرمایا کیونکہ عام طور سے آدمی سیدھا
کچھ نہیں کہتا بلکہ کہتا ہے کہ امید تو ہے۔ جواب۳ حافظ نے فتح الباری میں توجیہ کی کہ اللہ ورسولہ کے
کلام میں معلل اور ترجی وغیرہ یقینی کیلئے ہوتے ہیں۔ حلت علیہ الشفاعۃ اس کا مطلب یہ ہے کہ حلت 1
علیہ الشفاعۃ یعنی تمام امت کو شفاعت ملتی رہے گی اور اس سے شفاعت خاصہ مراد ہے ورنہ
شفاعت عامہ تو عام مومنین کو شامل ہے ان شاء اللہ الرحمن۔

658 عن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال المؤذن اللہ اکبر فقال الخ 65/2
اس حدیث پاک میں جواب اذان کا ذکر ہے۔ علامہ شوق نیموی نے اس سے استدلال کیا کہ اذان میں ترجیع
نہیں کیونکہ حضور ﷺ نے اس حدیث میں ترجیع کا ذکر نہیں فرمایا اور اس حدیث کے اندر اذان اور اس کے جواب
کو فرداً فرداً روایت کے اختصار کی وجہ سے ذکر فرمایا۔ یا یہ کہا جائے کہ تشطیر یعنی بعض کلمات کا

658 قرار دیا ہے۔ اب لا حول ولا قوۃ الا باللہ کی تفسیر بعض نے یہ کی ہے لا حول ولا قوۃ علی الطاعۃ الا 65/2
بتوفیق اللہ نعم اور بعض نے کہا لا حیلۃ عن الخروج من المکروہ ولا قوۃ علی الطاعۃ الا بتوفیق
دخل الجنۃ اس دخول سے بعض کے نزدیک دخول اولی مراد ہے کیونکہ نفس دخول میں تو تمام مومنین 5
شریک ہیں تعیین درست بعض علماء نے کہا دخول اولی مراد ہے بشرطیکہ ان لا یمنع مانع منہ۔ بعض
صوفیاء فرماتے ہیں کہ جنت دو ہیں ایک جنۃ الذکر اور ایک جنت حقیقی تو یہاں دخول جنۃ الذکر
میں ہوگا۔ دوسری حدیث حضرت جابر کی ہے الدعوۃ اس سے اذان مراد ہے لان الانسان یدعی
بہا الی الصلوۃ التامۃ کیونکہ تمام اذان میں اللہ کا ذکر ہے اور ذکر اللہ ہی کو حقیقی تمام کہا جا سکتا ہے
(۲) تامہ سے مراد لا ینسخ ہے چونکہ اذان قیامت کے دن تک جاری رہیگی اور منسوخ نہیں ہوگی۔
(۳) یہ تمام ہے اجابت کے واجب ہونے میں القائمۃ اس سے مراد ہمیشہ کہ اسکو کوئی ملت دین منسوخ
نہیں کرسکتا بلکہ ہمیشہ قائم رہیگی۔ یہ اس وقت ہے جبکہ اسکو فاعل کا صیغہ پڑھا جائے اور اگر
مفعول کے معنی میں لیا جائے تو اسکا مطلب ہوگا وہ نماز جو قائم ہونے والی ہے مقاما محمودا
اسکے مصداق میں اختلاف ہے (۱) مقام شفاعت مراد ہے یہی اکثر کا قول ہے (۲) اجلاس علی العرش
مراد ہے (۳) اجلاس علی الکرسی (۴) جنت کے دروازے کا حلقہ کو پکڑنا (۵) اس سے مراد وہ جھنڈا
ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جائیگا اور اسکے نیچے انبیاء کرام ہونگے اس جھنڈے کا نام
لواء الحمد ہے۔ یہاں پر ایک سوال ہوگا کہ وسیلہ تو حضور کیلئے موعود ہے تو پھر سوال کرنیکی کیا ضرورت ہے
جواب تواضعاً آپ نے فرمایا جواب کہ وسیلہ پہلے سے متعین نہیں تو سوال کیا اور یہ تعیین الی المقصود ہے
حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ وسیلہ جب دعا سے متعین ہوگیا۔ جواب جو شخص کہ
یہ سوال کرے گا تو اسکے لئے شفاعت حلال ہوگی تو شفاعت کا حلال ہونا نتیجہ ہے اس سوال کا ہے۔

660 عن انس قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یغیر اذا طلع الفجر وکان الخ 65/8
اس حدیث کا مطلب یہ کہ جب کسی مقام پر حضور تشریف لیجاتے تو وہاں اگر اذان کی آواز سنتے تو
یہ سمجھ لیتے یہاں مسلمان ہیں جہاد اور غارتگری سے رک جاتے ورنہ وہاں پر غارتگری اور [illegible]
والاغارۃ اس سے علماء نے استدلال کیا کہ دعوۃ الی الاسلام ضروری نہیں لیکن مجموعی طور پر کیا مستحب ہے 9
امام احمد امام شافعی امام مالک ابو ثور۔ اسحق بن راہویہ وغیرہ کے نزدیک اگر خبر دینے
سے پہلے جہاد اور قتال جائز نہیں ہے نیز اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ جنود کیلئے
بھی اذان مستحب ہے۔

662

65/13

عن عبد اللہ بن مغفل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین کل اذانین
اذانین سے باب مجاز اذان و اقامت مراد ہے۔ اور اقامت کو اس کے اندر داخل کیا گیا (۱) تغلیباً (۲)
اقامت بھی اذان ہے کیونکہ ایک اعلام بدخول الوقت ہے اور ایک اعلام بحضور الوقت اداء کو اذان
اور اقامت کو کہا جاتا ہے۔ مقصود اس حدیث کا یہ کہ ہر اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت
کے بقدر فاصلہ ہونا چاہئے صلوٰۃ یہ مطلق ہے جو نماز کے فرد کامل اور ہر ایک کا اور وہ دو رکعت ہے
لیکن علماء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا ضروری ہے
حنفیہ سے تین قول مروی ہیں (۱) دو رکعت کے بقدر (۲) چار رکعت کے بقدر (۳) دس آیات کے بقدر
لیکن یہ اقوال اذان مغرب کے علاوہ میں ہیں۔ اور اذان مغرب اور اقامت کے درمیان میں بھی علماء
کا اختلاف ہے۔ امام صاحب کے نزدیک فصل بقدر سکوت۔ صاحبین کے نزدیک بجلسہ خفیفہ۔ امام
شافعی کے نزدیک بقعدہ او سکوت دونوں طرح۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ یہی مذہب امام مالک
امام احمد سے بھی منقول ہے۔ ایک مذہب امام نووی نے امام احمد اور امام مالک کا یہ نقل کیا کہ دونوں کے درمیان
فصل نہیں ہوگا۔ امام احمد کا مذہب علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں نقل کیا ہے دو رکعت کے بقدر
فاصلہ ہونا چاہئے۔ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ مغرب میں تعجیل ہونی چاہئے چنانچہ یہی حدیث مسند بزار میں
حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ اس میں مغرب کا استثناء ہے لیکن اس حدیث کو علامہ ابن الجوزی
نے موضوعات میں شمار کیا اور کہا کہ حیان ایک راوی ہے جس کو عمرو بن فلاس نے اس کی تکذیب کیا
کی ہے لیکن علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ حیان دو ہیں فلاس نے جس کی تکذیب کی وہ دوسرا ہے
اور حدیث میں جو مذکور ہیں ان کی تکذیب نہیں کی ہے۔ اب اس کے اندر بھی اختلاف ہے کہ اذان مغرب
اور اقامت کے درمیان دو رکعت کا کیا حکم ہے؟ امام احمد اسحق بن ابراہیم اور ظاہریہ کے
نزدیک مستحب ہے۔ امام صاحب امام مالک امام شافعی نے انکار کیا اور مستحب وغیرہ کچھ نہیں ہے
شافعیہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں نیز حضرت انس بن مالک کی روایت بخاری میں ہے اور اس کے
اندر رکعتین کا پڑھنا وارد ہوا ہے۔ محقق ابن ہمام کی رائے ہے کہ مشروع ہیں لیکن اس کو مکروہ بھی
نہیں کہتے۔ حضرت مولانا فضل احمد صاحب کے نزدیک یہ مکروہ ہے اور مستدلات کو جواب یہ ہے کہ اس میں ا
وہ رکعتین کو جو اذان سے مخصوص کر گیا بالکہ اذان کے آگے اور اول ہو تو یہ جواب اذان کا
ترک لازم آئیگا حالانکہ وہ ایک قول کی بنا پر واجب ہے تو ترک واجب لازم اور اگر بعد
میں پڑھیں تو تاخیر مغرب لازم آئیگی اور وہ بھی مکروہ ہے تو جس شئی سے ترک واجب
یا کراہت لازم آئے تو وہ خود مکروہ ہے ۔ ۱۲

663 الفصل الثانی: عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ الخ عن ابن عباس من اذن سبع الخ 64/14
الامام ضامن اس کے معنی میں مختلف مطلب بیان کئے ہیں۔ مطلب ۱ امام مقتدیوں کی قراءۃ کا ضامن ہے
مطلب ۲ امام ابوبکر بن العربی مالکی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام نگہبان ہے۔ مطلب ۳ امام عدد
رکعات کا محافظ ہے۔ ان دونوں مطلبوں کو ابن العربی نقل کرکے ضعیف فرماتے ہیں ۴ ضمان کا معنی
لغت میں التزام اور رعایت کے ہیں۔ اگر یہاں التزام کے معنی ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ امام پر لازم ہے کہ
مقتدیوں کی نماز دونوں کی اصلاح کو لہذا اس کو چاہئے کہ وہ شرائط صلوۃ وغیرہ میں احتیاط کرے
اور اگر رعایت کے معنی لئے جائیں تو یہ مستدل بنا ہوگا کہ اقتداء المفترض بالمتنفل جائز نہیں
کیونکہ رعایت اس میں ہے کہ وہ شئی اس کی ہو جو اس کا ضامن ہوگی لہذا متنفل مفترض کی نماز دونوں
غیر مناسب ہے ایک کی نماز دوسرے میں نہیں سما سکتی۔ یہ حنفیہ کا مذہب ہے اور شافعیہ کے
نزدیک جائز ہے۔ **والمؤذن مؤتمن** اس کے معنی بھی مختلف بیان کئے گئے ہیں (۱) اوقات کا امین ہے 65/15
یعنی وقت پر اذان پڑھی جائے (۲) اذان چونکہ بلندی پر چڑھ کر دی جاتی ہے لہذا لوگوں کا حرم کا
امین ہے۔ ایک مسئلہ یہ ہے کہ اذان افضل ہے یا امامت افضل ہے (۱) حنفیہ کا مشہور قول
اور شافعیہ و حنابلہ کا ایک قول یہ ہے کہ امامت افضل ہے (۲) اذان افضل ہے یہ بھی حنفیہ شافعیہ
حنابلہ تینوں کا قول ہے (۳) دونوں برابر ہیں یہ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک ہے (۴) ابو علی
طبری شافعی ابو اسحاق مروزی بن [illegible] شافعی کے نزدیک اگر امامت پر قادر ہے تو امامت افضل ورنہ
اذان افضل ہے۔ شاہ صاحب نے ایک تفصیل بیان کی وہ یہ کہ وہ شخص یا تو دونوں پر قادر ہے
یا نہیں۔ اگر دونوں پر قادر ہے تو امامت افضل اور اگر دونوں پر قادر نہیں تو جس پر قادر ہے
وہی افضل ہے۔ اور اگر کوئی ایسا شخص ہے کہ اس کے نزدیک دونوں برابر ہیں تو اس کے اندر
تھوڑا سا اختلاف ہے۔ جو لوگ اذان کی افضلیت کے قائل ہیں وہ استدلال کرتے ہیں
ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ الخ سے اور ایسے ہی حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس سے مؤذن
مراد ہیں نیز باب فضل الاذان کی تمام احادیث ان لوگوں کا مستدل ہیں۔ اور
جو لوگ امامت کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر امامت فرمائی
اگر اذان افضل ہوتی تو حضور افضل کو چھوڑ کر مفضول کو کیوں اختیار فرماتے نیز اللہ تعالیٰ نے حضور
کیلئے امامت کو اختیار فرمایا اور یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے لئے غیر افضل کو نہیں
اختیار کرتے۔ اسی طرح خلفاء اربعہ نے ہمیشہ امامت فرمائی ہے۔ شاہ صاحب نے اس استدلال کا
یہ جواب دیا۔ حضور نے ~~ہمیشہ امامت فرمائی ہے~~ اور صحابہ کرام کو اوقات وغیرہ کا کمال ملکہ تھی۔

663 امام رافعی نے جواب دیا کہ فرصت نہیں ملتی تھی نیز ان لوگوں کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ 65/15
موذن خلیفہ ہے بلال کا اور امام خلیفہ ہے حضور کا اور یقینا حضور کا نائب ان کی نیابت کرنے والا
حضرت بلال کے نائب سے بہت افضل ہوگا۔ تیسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ حضرت عمر فرماتے تھے کہ اگر خلافت
کی مشغولی نہ ہوتی تو میں اذان دیتا حالانکہ آپ امام تھے تو اگر امامت افضل ہوتی تو اس افضل سے محروم
ہو کر مفضول کی تمنا کیوں کرتے؟ محقق ابن ہمام نے جواب دیا کہ ان کے قول اذان دیتا کا
مطلب یہ ہے کہ مع الامامت یعنی اگر خلافت کی مشغولی نہ ہوتی تو میں اذان اور امامت کرتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ
یہاں اذان سے مخصوص اذان مراد ہے اور وہ جمعہ کی ہے۔ اب ایک مسئلہ یہ ہے کہ اذان
اور امامت میں جمع کرے یعنی ایک آدمی موذن اور امام دونوں ہو سکتا ہے؟ حنفیہ
کے نزدیک دونوں میں جمع افضل کیا گیا مستحب ہے بعض شافعیہ کی رائے ہے کہ مکروہ ہے
لیکن امام نووی نے شافعیہ سے نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک بھی جمع مستحب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ
سے امام اور موذن ہونا دونوں ثابت ہے۔ ایک مسئلہ یہ کہ اذان و امامت میں کون
افضل ہے؟ امام نووی نے ترجیح دی کہ اذان افضل ہے۔ دوسری حدیث حضرت ابن عباس
کی ہے جو مقام شمار وغیرہ ہیں البتہ مصنف نے ابو داؤد کی طرف اس حدیث کی نسبت کر دی یہ
غلط ہے ابو داؤد میں یہ حدیث موجود نہیں ہے

665
666
667
668
عن عقبۃ بن عامرؓ - عن ابن عمرؓ قال - عن ابی ہریرۃؓ - عن عثمان بن ابی 65/17,20,22,25
یعجب تعجب کہتے ہیں اس کیفیت کو جو ادراک کے ادراک سے حاصل ہو اور یہ کیفیت
انفعالی تاثر ہے اور تاثر حادث کا خاصہ ہے اس سے لازم آیا کہ اللہ میں بھی حادث ہیں
(نعوذ باللہ منہ) لہذا یہاں تعجب سے رضاء الٰہی مراد ہوگی۔ علامہ ابن الاثیر جزری فرماتے ہیں
کہ اس سے تعظیم الشان اور رضا مراد ہے کیونکہ تعجب شئ کی عظمت اور وقعت پر ہوتا ہے
دوسری حدیث میں وارد ہوا علی لسان المسلم۵ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ تو اس کو خشک کر 20
ذعیر وکباب تو تشبیہ دی گئی ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ تشبیہ پر محمول کرنے کی کیا ضرورت
حقیقی معنی مراد ہیں کہ اس کو خشک کا ذعیر بنائیں گے۔ تیسری حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی ہے
یغفر لہ مدی صوتہ ولیشہد لہ اس سے یا تو مبالغہ فی المغفرۃ مراد ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ 23
جہاں تک آواز پہنچے گی وہاں تک مغفرت کر دی جائیگی یعنی (۱) اگر یہ مان لیا جائے کہ اس کے
صغیرہ گناہ اتنے ہیں کہ وہ اس پوری فضا کو بھر دیں جہاں جہاں تک آواز پہنچی ہے
تو وہ تمام گناہ معاف ہو جائیں گے (۲) اگر اس جگہ پر کہیں کوئی گناہ صغیرہ کیا تو وہ معاف

665
666
667
668

65/23

(۳) جس تمام اور فضا تک اسکی آواز جا پہنچتی ہو تو اسکے اندر اللہ کی جتنی چیزیں ہوں گی وہ سب اسکے لئے مغفرت طلب کریں گی اور ان تمام معانی کا مقصود یہ نکلا جیسا کہ معلوم ہوتا ہے اتنی دور آواز پہنچانی چاہئے اور خوب بلند آواز سے اذان دینی چاہئے۔ چوتھی حدیث حضرت عثمان کی ہے کہ انہوں نے امام ہونے کی حضور سے درخواست کی آپ نے ان کو نصیحت کی اور مؤذن ایسا مقرر کرنی چاہئے جو اذان پر تنخواہ نہ لے اور وہ اپنے اندر ضعیف کا لحاظ رکھے اور مقتدیوں سے ادا اور مؤذن ایسا ہو گا تو اسکے لئے وہ خوش وقت رہنا جائز ہے واقتد باضعفھم یعنی اگر کوئی کمزور ہو تو اس کا لحاظ کرنا چاہئے پس حکم کمزور آدمی کا 26 خیال رکھنا چاہئے لا یاخذ علی اذانہ اجرا علماء کا اسبات پر اتفاق ہے کہ اگر ایک آدمی بغیر اجرت 26 کے مؤذن رہنا چاہتا ہے اور دوسرا اجرت مانگتا ہے تو بغیر اجرت والے کو رکھا جائیگا لیکن اگر بغیر اجرت والا کوئی نہ ملے تو امام حسن کا ساتھ دیا ہے یہی امام احمد کا ظاہر مذہب ہے امام اوزاعی ابن المنذر بعد امام شافعی کا ایک قول ہے کہ اجرت جائز نہیں ہے۔ امام مالک کے نزدیک جائز ہے اور یہی وجہ امام شافعی اور امام احمد کا بھی ہے اور اس زمانہ میں ہمارا نزدیک بھی اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ اب سستی اور کاہلی اور دینی امور سے بے پروائی کا زمانہ ہے۔ جو لوگ جواز کے قائل ہیں وہ اس حدیث کو استحباب پر محمول کرتے ہیں۔

669
670
671
672

65/27 66/2,4,5

عن ام سلمۃ قالت الخ[1] عن ابی امامۃ الخ[2] عن انس قال الخ[3] عن سہل بن سعد الخ[4]

اقبال لیلک۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ ہذا کا مشار الیہ حاضر فی الذہن ہے اور وہ اقبال لیلک ہے علامہ علی قاری فرماتے ہیں کہ علامہ علی الحذف ہے اور مشار الیہ اذان ہے ای ہذا اوان اذان اقبال الخ۔ دوسری حدیث میں ہے فلما ان قال لا شریک لہ کا مقول محذوف ہے فعل ہوتا ہے بعد بیان ان سے جو کہ مقصد یہ ہے اور وہ فعل کو بھی مصدر بنا دیتا ہے علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اسکا مقول محذوف ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں لا شریک لہ نہیں بلکہ قولہ ہے اقبال کا ظرف ہے جیسے فلما ان جاء البشیر القاہ۔ تیسری حدیث حضرت انس کی ہے دعاء اذان واقامت کے درمیان رد نہیں ہوتی۔ مابین الاذان والاقامۃ کا دو مطلب ہیں (۱) اذان کی ابتداء سے اقامت کی ابتدا تک جتنا وقت ہوتا ہے وہ مراد ہے اور اس سے اقامت کا اختتام (۲) اذان کی انتہا سے اقامت کی ابتدا تک جتنے اوقات درمیان میں ہیں وہ مراد ہیں خصوصاً ظہر کی اذان دے کر لوگ تو ذکر ان کے پیچھے اقامت جیسا ختم ہوگی نہیں بلکہ دوسرے تو بہ بار دو گھنٹہ دو منٹ دعا کی اجابت کا وقت ہے۔ چوتھی حدیث حضرت سہل کی ہے (۱) اذان کے وقت اور (۲) لڑائی کے وقت اور ایک روایت میں ہے بارش ہونے کے وقت اگر کوئی دعا کرے تو رد نہیں ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ اذان میں تو اللہ کا ذکر ہوتا ہے اور اللہ کی توجہ ہوتی ہے اور جہاد میں وہ بھی جان قربان کرنے کے لئے تیار رہتا ہے تو بس اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے اب بارش میں بھی اسی طرح رحمت خداوندی کا نزول ہے۔

674 66

674 675 676 677 الفصل الثالث ــ عن جابر قال سمعت ١٢ عن علقمة بن وقاص ١٢ عن ابی ھریرۃ ـ عن عائشۃ ١١ 9,10,13,15

قال الراوی: یہ حضرت جابر کے شاگرد ہیں اور ان کا نام ابو سفیان طلحہ بن نافع مکی ہے انہوں نے مسافت کی مقدار ۳۶ میل شمار کی لیکن مسند ابی عوانہ مسند احمد اور مصنف ابن ابی شیبہ میں تیس کا ذکر ہے۔ دوسری حدیث حضرت علقمہ کی ہے جس کے اندر حضرت معاویہ کا اذان کا جواب کا ذکر ہے انہوں نے حیعلتین کا جواب لاحول کے ساتھ دیا لیکن حافظ ابن عبد البر سے علامہ عینی نے نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہ کی حدیث میں اضطراب ہے کسی جگہ تو ہے کہ انہوں نے شہادتین کا جواب انا انا کے ساتھ دیا اور کسی جگہ ہے کہ قال کا جواب دیا اور حیعلتین کا لاحول کے ساتھ جواب دیا لیکن زیادہ جواب یہ ہے کہ اضطراب نہیں ہے بلکہ راوی کا اختصار ہے ممکن ہے کہ وانا وانا والے جواب میں انہوں نے لاحول بھی پڑھی ہو اسی طرح قال میں بھی لاحول پڑھی ہو مگر راوی نے ذکر نہ کیا ہو العلی العظیم علامہ عینی فرماتے ہیں یہ زیادتی غریب ہے لیکن مسند احمد میں یہ زیادتی موجود ہے البتہ سنن نسائی میں یہ زیادتی نہیں تھی۔ تیسری حدیث حضرت ابوہریرہ کی ہے کہ اذان کا جواب یقینی دل سے دینے والا جنت میں داخل ہوگا کیونکہ اذان میں توحید و رسالت کا ذکر ہے اور جو یقینی دل سے کہہ گیا تو وہ یقینا داخل ہوگا خواہ دخول اولی ہو یا ثانوی ہو۔ چوتھی حدیث حضرت عائشہ کی ہے جس میں ہے قال وانا وانا یعنی حضور جب مؤذن سے اذان میں شہادتین سنتے تو فرماتے میں بھی شہادت دیتا ہوں میں بھی شہادت دیتا ہوں اس سے معلوم ہوا کہ حضور بھی مکلف تھے اپنی رسالت کی شہادت دینے پر جو مکلف ہیں۔ اب یہ کہ آپ شہادت کیسے دیتے تھے ظاہر یہ ہے کہ آپ کہتے ہوں گے اشھد ان محمدا رسول اللہ اور ہو سکتا ہے کہ اشھد انی رسول اللہ کہتے ہوں۔ [illegible] بھی انا انا کہنا کہ یہ [illegible] ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ آخر والا آپ کے خصائص میں سے ہے۔ حضرت [illegible] فرماتے ہیں کہ حضور کا فرمانا کہ مثل ما یقول المؤذن کا حکم سے پہلے تھا۔ دوسرا جواب یہ دیا کہ حضور نے جواب دیا ہو اور وانا وانا بھی کہا ہو مگر راوی نے جواب کو حذف کر دیا۔ مولانا عبدالحی فرماتے ہیں کہ اگر آج بھی کوئی وانا وانا کہے تو وہ بھی اس کا مستحق ہوگا۔

678 عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اذن ثنتی عشرۃ ١١ 16

برس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان کا ثواب زیادہ ہے اور اقامت کا کم ہے اسلئے کہ دونوں میں اتنی تفاوت کیوں ہے؟ جواب اقامت حاضرین کیلئے ہوتی ہے اور اذان حاضر و غائب دونوں کیلئے ہوتی ہے جواب ۲ اذان میں مشقت ہوتی ہے منارہ بلند پر چڑھنا بلند آواز سے اذان دینا بخلاف اقامت کے ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کے نزدیک [illegible] اقامت و [illegible] اذان ہیں وہ اسکا جواب

678

66/16 بہر رستے میں آ کے لاتا اذان فتنی خفی میں اور کھلاتا اتا تھا۔ اذان فرادی اسی وجہ سے منسوخ ہو گئی ہے

پھر بلا شبہ۔ باقی رہ گیا حضور سے اذان کا ثبوت نہیں۔ شمس الائمہ کی روایت نقل کیا

جس میں آپ سے اذان کا ثبوت ہے۔ شامی در مختار نے ضیاء المعنوی سے یہی قول نقل کیا۔ امام نووی ابن الرفعہ

اور شمس الدین رملی ابن حجر مکی نے لکھا ہے کہ ان تمام کی یہ روایت کہ آپ نے ایک بار خود اذان دی ہے اور

یہ مؤذن کا ارشاد والی حدیث یعلی بن مرہ کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ آئے ایک سفر میں حضور کے

ساتھ تھے اوپر سے بارش تھی اور نیچے سے کیچڑ زمین گیلی تھی تو حضور نے اپنی سواری پر کھڑے ہو کر اذان

دی۔ یہ روایت جامع ترمذی میں موجود ہے لیکن روایت اذان کا مطلب امام مسلم نے کیا ہے ایسے ہی

اذان امام سہیلی فرماتے ہیں کہ یہ روایت مجمل ہے حافظ بھی فرماتے ہیں یہ روایت مجمل ہے اور مفصل

روایت مسند احمد میں ہے اور اس کے الفاظ ہیں فامر بالاذان اور قاعدہ ہے کہ مجمل پر مفصل حاکم ہوتا ہے

پس معلوم ہو گیا حضور نے اذان کا حکم دیا ہے خود اذان نہیں دی۔ علاوہ ازیں علامہ فرماتے ہیں کہ سنن

سعید بن منصور میں ہے کہ آپ نے اذان دی ہے ایسے ہی مسند ابو عوانہ میں عبد اللہ بن زبیر سے مروی ہے

حدیث قال سمعت اذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن وہ رفع ہے کہ حضور سے اذان ثابت ہے

جو بیان کیا ہے چونکہ اسکو فی الجملہ باب الاذان سے تعلق ہے اس لئے اس کو مستقل نہیں لکھا

بیان کیا تاکہ فضیلت کا اعتبار سے تعلق نہیں اس لئے علیحدہ باب باندھا ہے۔

باب فیہ فصلان 66/18

66/19 الفصل الاول:۔ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان

بلالاً ینادی بلیل فکلوا واشربوا حتی ینادی ابن ام مکتوم۔ ابن خزیمہ۔ ابن حبان۔ سنن بیہقی میں اس روایت کا عکس وارد ہوا

کہ ان ابن ام مکتوم ینادی بلیل فکلوا واشربوا حتی ینادی بلال۔ اس کے متعلق بعض نے کہا کہ صحیحین کی

جو روایت ہے وہ اصح ہے اور ابن عبد البر، جمال الدین مزی، ابن قیم، سراج الدین بلقینی، جلال

الدین بلقینی کی روایت میں یہ وہم ہے اور مقلوب ہے۔ لیکن ابن خزیمہ، ابن حبان، امام سبکی

فرماتے ہیں کہ اذان ان دونوں کے درمیان نوبت بنوبت تھی کبھی بلال وہ پہلے دیتے ہونگے اور کبھی

ابن ام مکتوم دیتے تھے اسی جواب کو حافظ نے اختیار کیا ہے۔ امام سبکی کا تعلق ازرقانی کا شرح

مواہب میں سبکی نقل کردیا اور بعض لوگوں نے الضبعی سے کو ضعیف کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ

یہ سبکی [illegible] کی [illegible] ہے۔ دوسرا مسئلہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صبح کی اذان

دینی جائز ہے اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے مگر علاوہ صبح کے اور نمازوں کا وقت سے پہلے

اذان دینا جائز نہیں۔ البتہ صبح کی اذان میں اختلاف ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وقت سے پہلے

66/19 پہلے جائز ہے ابو یوسف و امام شافعی، سفیان ثوری کا۔ امام محمد بن حسن شیبانی کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ جو لوگ جواز کے قائل ہیں وہ ابن عمر کی اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور جو لوگ عدم جواز کے قائل ہیں وہ استدلال کرتے ہیں حضور کی ایک روایت سے ابو داؤد میں کہ تم اذان دیا کرو جب تک فجر نہ ہو جائے۔ دوسری دلیل حضرت ابن عمر کی ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ وقت سے پہلے اذان دیدی تھی تو حضور نے تمام مدینہ میں منادی کرائی کہ الا ان العبد قد نام۔ اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس کا راوی حماد بن سلمہ ضعیف ہے اور اسکو اشتباہ ہو گیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ثقہ ہیں اور اگر ہم مان لیں کہ انکو اشتباہ ہو گیا تھا تو ہمارے پاس دوسری دلیل ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ میں ان کے غلام مسروح نے وقت سے پہلے اذان دیدی تھی تو آپ نے اعادہ کا حکم دیا اور یہ یقینا حضور کو دیکھ کر یا سنکر ایسا کیا ہوگا۔ رہا جواب اس حدیث کا ابن دقیق العید نے اور ابو الحسن قطان نے یہ دیا ہے کہ حضرت بلال کی اذان سحر کھانے کیلئے ہوتی تھی چنانچہ ایک روایت میں تو یہ تصریح ہے اذان ارجاع قائم اور تنبیہ نائم کیلئے ہے نیز اگر اسکو اسی پر محمول کیا جائے تو اس تمام روایات میں تطبیق ہو جائیگی۔ رہا یہ کہ فجر کی اذان کتنی پہلے دیجا سکتی ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں (۱) نصف رات گذر جانے کے بعد (۲) آدھی رات پر (۳) سدس لیل پر (۴) فجر سے متصل دیجائیگی۔

66/20 وکان ابن ام مکتوم رجلا اعمیٰ الخ۔ مکتوم کے معنی لغۃ میں جسکی آنکھ بند ہو۔ چونکہ یہ اکمہ پیدا ہوئے تھے۔ قال کا فاعل بظاہر ابن عمر ہیں لیکن دوسری روایات میں وارد ہوا ہے قال ابن شہاب۔ اس حدیث سے معلوم ہوا اذان اعمیٰ جائز ہے۔ ابن قدامہ نے مغنی کے اندر لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ بصیر اذان دے۔ امام نووی نے امام مالک سے عدم جواز کا قول نقل کیا ہے لیکن یہ قول انکی طرف منسوب کرنا غلط ہے۔ 21 اصبحت اصبحت اس سے یہ معلوم ہوا صبح میں داخل ہو جانے کے بعد وہ اذان دیتے تھے اور اسی وقت لوگ کھانا کھانا چھوڑتے تھے حالانکہ طلوع سے پہلے کھانا چھوڑ دینا چاہیئے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ دو چیزیں ہیں ایک طلوع صبح صادق اور ایک تبین صبح صادق تو وہ دینے کی غایت تبین صبح صادق ہے جو طلوع کے بعد ہوتی ہے اور وہ لوگ طلوع سے پہلے یعنی تبین سے پہلے کھانا چھوڑ دیتے تھے۔ جواب ثانی ابن عبد البر اور علامہ اسمٰعیلی، ابن حبیب مالکی نے دیا کہ قاربت الصباح مراد ہے اصبحت سے لیکن اس جواب پر اشکال ہوگا کہ ایک روایت بخاری میں ہے کہ طلوع فجر جب تک نہ ہو جائے اس وقت تک اذان نہیں دیتے۔ حضور نے اس کا ارشاد کہ یعنی طلوع صبح ہو چکی ہے۔ حافظ نے اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ یہ مؤذن تو نابینا مسکین ہوتا تھا یعنی جس وقت لوگ کہتے تھے کہ صبح صادق ہوتی تھی وہ فوراً اذان کا حکم دیتے تھے اور مؤذن فوراً اذان دیتا تھا تو گویا ادھر ان کا کہنا ختم ہوا اور ادھر صبح صادق ہو گئی لیکن چونکہ متصل ہوتی تو مؤذن تو یہ اشکال نہیں ہوتا کہ اتنی دیر میں اس قدر کیا جاتا ہے۔

682 عن مالک بن الحویرث قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا وابن عم لی 66/23

حضرت مالک بن حویرث کا ایک وفد حضور کی خدمت میں آیا تھا اور بیس دن انکا قیام حضور کے یہاں رہا فرماتے ہیں کہ ہم جوان تھے جب حضور نے ہم کو دیکھا کہ ہم کو اپنی بیویوں کی فرقت ہے تو ہم کو گھر جانیکی اجازت مرحمت فرمائی فرمایا ان شفیقاً رحیماً اور چلتے وقت ہم کو نصائح فرمائیں انہیں میں سے یہ بھی ہے۔ اس حدیث کے سلسلہ میں تھا جو اپنا یہ کہنا کہ ہم دونوں سیکھیں۔ ایک جگہ تو انکا جوڑا مبہم ہے لیکن ابواب الصلوٰۃ میں جو ابن عم لی فرمایا یہ غلطی سے سہو ہو گیا۔ ایسے ہی مولانا عبد الحی۔ حافظ جمال الدین زیلعی علامہ عینی نے نقل کردیا انا وابن عم لیکن بظاہر یہ کاتب کی غلطی ہے اصل میں انا وابن عم لی میں عم کو عم لکھدیا۔ ورنہ تمام کتب حدیث صحاح وسنن میں تتبع فرمالیں تب بھی ارشاد نبوی ہے جب سفر ہو فاذنا ابو الحسن ابن القصار نے اس سے یہ سمجھا کہ دونوں کو اپنے اذان کا حکم دیا اس بنا پر اگر جماعت ہو تو اذان دینا امر ضروری اور مستحب امر پر محمول ہے ورنہ اگر ایک آدمی بھی جماعت کا انتظار کرے اذان دیدے تو کافی ہے حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ ارشاد کا مطلب یہ نہیں مبادرۃ کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک اختیار رکھتا ہے کوئی اذان دیدے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا مسافر پر اذان واجب ہے لیکن اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے امام مالک کے نزدیک منفرد کے لئے اذان نہیں جس جماعت کے اوپر اذان واجب ہے۔ ابن حزم سے اسی قسم کی روایات منقول ہیں۔ داؤد ظاہری کے نزدیک مسافر پر اذان واجب ہے۔ عطاء فرماتے ہیں کہ اگر ترک کردے تو نماز کا اعادہ ہوگا۔ امام ابو حنیفہ امام احمد امام شافعی کے نزدیک مستحب ہے اور بعض مالکیہ کا مختار قول ہے بعض فقہاء کے نزدیک اختیار رہے وہ اذان کہے یا اقامت کہے۔ ظاہریہ نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ آپ نے امر فرمایا جو وجوب کو چاہتا ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ امر سنیہ قرینہ استحباب کیلئے ہوتا ہے ولیؤمکما اکبرکما اس سے ان لوگوں نے استدلال کیا جو کہتے ہیں کہ امامت افضل ہے 24 کیونکہ حضور نے اذان کے اندر تو کسی قسم کی قید نہیں لگائی اور نماز کی امامت میں اکبر ہونیکی قید لگادی۔

683 عنہ قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوا کما رأیتمونی اصلی الخ 24

صلوا کما رأیتمونی اصلی۔ علامہ ابن دقیق العید مالکی شافعی فرماتے ہیں کہ اس سے استدلال کیا فقہاء نے کہ آپکی اقتداء آپ کے افعال میں واجب ہے لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک تمام افعال میں واجب ہے اور جمہور کے نزدیک صرف ان افعال میں واجب ہے جنمیں آپکی خصوصیت نہیں۔ جو لوگ مطلقاً وجوب کے قائل ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ نے نماز میں اقتداء کا حکم دیا اور ایسے ہی تمام افعال اسی حکم میں داخل ہیں۔

683 ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ اس سے مطلق وجوب پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ ہمکو جن افعال 66/24
کے متعلق علم ہو جاتا ہے کہ آپ کے ساتھ خاص نہیں اور ہمیں آپ کے اشتغال تک کوئی تعیین و تبدیل
نہیں ہوا تو ایسے افعال میں وجوب ہے دلیلہ صلکم الکریم الغیر مفترض واردہ ہوا) دونوں
صورتیں ہیں کہ ایک ہی صورت سے دونوں ہیں مخبر کیا کہ اندر جمع کا صیغہ اور پہلی حدیث کے اندر
تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا کیوں؟ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ دونوں قصے الگ الگ ہیں۔ حافظ فرماتے
ہیں کہ یہ کہنا صحیح نہیں کہ یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا بلکہ واقعہ تو ایک ہے کیونکہ حضور سے حضرت مالک
کی موافقت (ملاقات) ایک ہی بار ہوئی ہے ہمیں معلوم ہوا کہ دونوں ایک ہی مرتبہ پیش آئے تو
اب دونوں کے اندر جمع ایسے ہو گا کہ آپ نے پہلے تو ایک جماعت کو خطاب کر کے جمع کا صیغہ
استعمال کیا مدینہ پر جب وہ جماعت چلی گئی اور حضرت مالک اور آپ کے ساتھی خاص طور سے
ملنے آئے تو آپ نے خصوصیت سے تثنیہ کا صیغہ استعمال کر کے حکم دیا۔

684 عن ابی ہریرۃ قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ عن ابی قتادۃ اذا الخ 66/25
من غزوۃ خیبر علامہ اصیلی فرماتے ہیں کہ غزوہ خیبر کہنا غلط ہے اور ابن شہاب زہری
سے غلطی ہو گئی ورنہ دراصل غزوہ حنین سے ہے۔ علامہ ابن عبد البر۔ علامہ باجی فرماتے
ہیں کہ صواب وہ ہے جو ابن شہاب نے کہا۔ اہل تواریخ وسیر کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے امام
نووی بھی فرماتے ہیں کہ اصیلی کا قول غلط ہے ضعیف ہے غرض یہ کہ لیلۃ التعریس میں اختلاف
ہے بعض کے نزدیک ایک مرتبہ اور بعض کے نزدیک چند مرتبہ پیش آیا کیونکہ حضرت قتادہ۔ ابو ہریرہ
زید بن اسلم۔ عمران بن حصین وغیرہ اصحاب مختلف طریقوں سے تو یہ روایات دال ہے
جو دلیل ہے تعدد وقوع پر فغلبت بالاعینہ اس تعبیر سے اشارہ کیا اسباب نیند کی طرف کہ 67/1
آنکھ علیہ السلام نیند آ گئی اولهم استیقاظا اس سے معلوم ہوا کہ حضور پہلے جاگے اور بخاری 3
کی روایت سے معلوم ہوا کہ پہلے جاگنے والے حضرت ابوبکر پھر بلال تھے اور ابی کو بعض
نے کہا حضور کو بیدار کیا حضرت عمر پھر حضور اور بلال نے اذان دینا شروع کی
اس سے آپ کی آنکھ کھلی۔ ان دونوں کے اندر جمع کی صورت یہ کہ واقعہ لیلۃ التعریس چند مرتبہ
پیش آیا ہے اقتادوا شافعیہ کہتے ہیں کہ اس سے حنفیہ نے اس بات پر استدلال کیا کہ وقت 4
کراہت میں نماز نہ پڑھے حالانکہ حتی ضربتہم الشمس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سورج نکل آیا 67/2
تھا اور وقت کراہت ختم ہو گیا تھا لہذا وقت کراہت کا ہونا علت نہیں بلکہ چونکہ اس
جگہ شیطان تھا اس لئے آپ نے منع کیا۔ ہمارا احناف کا جواب یہ ہے کہ ہم اوقات کراہت کو

67/2 رہتا نماز سے جو منع آتا ہیں وہ بھی اسی واسطے آتا ہیں کہ اس وقت میں شیطان کا اثر ہوتا ہے جیسا کہ اس وادی میں تھا۔ جواب ۲ قولہ حتی ابیضت الشمس سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ اس وقت طلوع وقتا باقی نہ رہا ہے کیونکہ خوب دھوپ نکل آنے اب بھی تو ہو سکتا ہے کیونکہ سورج نکلا ہی ہو گرما سے بھی خوب اٹھا ہو ایسا ہو سکتا ہے کیونکہ اسکی آنا اور شعاع نکلنے میں بڑی ہی خوش جنگل میں تو نکلتے ہی اب معلوم ہوتا ہے گرمی اور دھوپ سے کہ ابھی سورج کا نکلنا ہوا ہے۔ جواب ۳ عمران بن حصین کی روایت میں ہے حتی ایقظنا حر الشمس اور شمس کا بیضاء ہونا وقت کا علاوہ میں بھی ہوتا ہے فقط۔ فزعوا کے معنی میں بھی اختلاف ہے۔ امام خطابی۔ امام نووی نے اسکی تفسیر کی ہے انتباہ من نوم کا۔ یعنی ایک دم نیند سے بیدار ہو کر گھبرا گئے۔ علامہ اصیلی فرماتے ہیں کہ یہاں گھبرا جانے کے معنی میں ہے یعنی دشمن سے ایسے گھبرا گئے کہ کہیں وہ پکڑ نہ لے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ مبادرۃ کے معنی میں ہے۔ حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ آپ تاسف علی الصلوٰۃ کی وجہ سے گھبرا گئے تھے۔ اخذ بنفسی الذی اخذ بنفسک۔ یہاں پر ایک

67/3 اشکال ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور سے پوچھا کہ آپ وتر سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں و لا ینام قلبی۔ اور جب آپ کا قلب بیدار رہتا ہے تو یہاں آپ نماز سے کیسے غافل ہو کر سو گئے اور سورج کا ادراک کیسے نہیں ہوا؟ اسکے دو جواب علامہ نووی نے دیئے۔ ۱ جواب سورج اور دھوپ کا ادراک حاسۂ عین سے ہوتا ہے حاسۂ قلب سے نہیں اور آپکی آنکھیں بند تھیں اگرچہ قلب بیدار تھا۔ جواب ۲ آپ کے دو حال تھے ایک میں جسد اور قلب دونوں سوتے تھے اور ایک وہ حال جس میں قلب بیدار رہتا تھا اور عین سوتی تھی۔ جواب ۳ یہ کہ لا ینام قلبی کا مطلب یہ کہ لا یستغرق قلبی فی النوم حتی یکون الحدث۔ جواب ۴ اسکا مطلب یہ کہ لا یخفی علیّ حالۃ الحدث۔ یعنی ان دونوں جوابوں کا خلاصہ یہ ہے کہ میرا قلب ایسا نہیں سوتا کہ حدث کا ادراک نہ ہو بلکہ حالۃ حدث کا ادراک میرا قلب کرتا ہے۔ علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ ان دونوں جوابوں کی بنا پر لازم آتا ہے کہ لا ینام قلبی کا تعلق ادراک حدث سے ہے فقط حالانکہ سوال نوم قبل الوتر سے ہے تو وہ جواب کا خلاصہ یہ ہو جاتا ہے کہ میں نوم کی وجہ سے وتر سے غافل نہیں ہوتا۔ آگے فرماتے ہیں کہ تحقیق یہاں لا ینام قلبی کا مطلب یہ کہ میرا قلب کا تعلق وتر سے رہتا ہے اور نیند کی وجہ سے میں اس سے غافل نہیں ہوتا۔ لہٰذا لیلۃ التعریس میں نیند کی وجہ یہ کہ اس قلب کا تعلق کسی شئ سے نہیں نہ وتر سے اور نہ اور کسی غیر سے جیسا کہ پہلے سے قلب کا تعلق نہیں تھا تو ادراک نہ ہو سکا سو گئے۔ سورج نکلا تو معلوم ہو گیا ہے۔ جواب ۵ یہ حضور کا سونا امر تشریعی تھا کہ انی انسی لاسن ہوتا تھا و عند من الحقیقۃ

684 آپ [illegible] ہو گئے تھے جو [illegible] امام شعبی کا مطلب [illegible] اور [illegible] نہیں [illegible] خود اس میں 67/3
ترتیب میں ہے۔ فاقتادوا رواحلهم علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی
کسی مقام پر سفر میں سو جائے تو اسکو چاہئے کہ وہ فوراً وہاں سے کوچ کر دے کیونکہ شیطان کا اثر ہے
دوسرے یہ کہ اگر خاص اس وادی میں یہ واقعہ پیش آئے تو وہاں سے نکل جانا چاہئے تیسرے بعض نے کہا ہے کہ یہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے کیونکہ آپکو شیطان کا ادراک ہو جاتا تھا اگر آج کل ایسا واقعہ پیش آئے
تو وہاں ہی نماز پڑھ لینی چاہئے فاقام الصلوۃ اس سے معلوم ہوا کہ قضا کیلئے اقامت ہے 67/4
اور چونکہ اس حدیث میں اذان کا ذکر نہیں اس سے دوسرے لوگوں نے استدلال کیا کہ اذان قضا کے
کیلئے نہیں ہے لیکن جمہور نے ترجیح دیا دونوں کو اذان اقامت رہے کیونکہ دوسری حدیث میں اذان کا بھی ذکر ہے
نیز اس حدیث میں [illegible] راوی نے اختصاراً اذان کا تذکرہ نہیں کیا یا [illegible] کا تذکرہ
بیان جواز کیلئے ترک کر دیا۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ فائتہ کیلئے اذان دیجائیگی یا نہیں۔ جمہور کا مذہب
ہے کہ اذان فائتہ کیلئے دیجائیگی۔ امام اوزاعی اسحق بن راہویہ کا مذہب ہے کہ نہیں دیجائیگی۔
امام شافعی اور امام مالک سے بھی یہی منقول ہے۔ دوسری حدیث ابو قتادہ کی ہے اختلاف ہوا ہے ایک
روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلال حضور کے نکلنے سے پہلے اذان دے چکے تھے جبکہ ایک میں حضور کے نکلنے کا
انتظار [illegible] جب وقت ہوا [illegible] دیکھئے [illegible]۔

686 عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوۃ الخ 67/7
اس حدیث پر اشکال ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ سعی نہ کی جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فاسعوا الی ذکر اللہ
جواب یہ ہے کہ آیت میں سعی سے عدو مراد نہیں اور حدیث میں سعی سے نفی کی ہے وہاں عدو مراد ہے جواب
دیا گیا ہے کہ نماز کو دوڑ کر [illegible] پر محمول ہے اور حضور کا قول [illegible] نماز کو [illegible] وقت پر محمول ہے
دوسرا اشکال یہ ہوا ایک جگہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں وسارعوا الی مغفرۃ اور نماز بھی سبب مغفرۃ ہے
تو [illegible] قرآن سے سرعت کا حکم دیا ہے اور حدیث کا حکم ہے کہ سعی نہ کرو جواب
دیا گیا کہ مفہوم اس حدیث کا مضمون [illegible] ہے جو آیات سے [illegible] مثلاً کہا ہے اس کا مقصد [illegible]
آپ [illegible] سے [illegible] اور دوسرا جواب یہ ہے [illegible]
[illegible] چونکہ نماز [illegible] اس لئے [illegible]
فاتموا اس لفظ کے ضبط میں علماء کا اختلاف ہے ابو داود کی ایک روایت میں فاتموا کے بجائے فاقضوا
واقع ہوا۔ امام مسلم نے دعوی کیا کہ فاقضوا کے ساتھ صرف ابن عیینہ منفرد ہیں لیکن یہ دعوی
صحیح نہیں کیونکہ فاقضوا کے ساتھ [illegible] اور دوسرے علماء بھی ہیں [illegible] فاقضوا کا

686

67/8

اشعار جمع ہیں۔ اس مسئلہ کا اصل اختلاف کیوجہ سے اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے جو رکعت نماز کی امام کے ساتھ مسبوق پڑھتا ہے وہ اسکی اول نماز ہے یا آخر نماز ہے علماء کا چار یا پانچ قول ہیں۔ قول اول:۔ امام شافعی اوزاعی۔ اسحق بن راہویہ کا ہے کہ اسکی وہ رکعت اول نماز ہے افعال و اقوال دونوں کے اعتبار سے۔ قول ثانی:۔ اول صلوۃ ہے افعال کے اعتبار سے اور آخر صلوۃ ہے اقوال کے اعتبار سے یہ قول ہے امام مالک کا۔ ابن بطال مالکی فرماتے ہیں کہ اسکی دلیل یہ حدیث علماء نے کیا اور بیان ہے جو امام کے ساتھ پایا اسکو پڑھو اور جو فوت ہوگئی اسکو پورا کرو چونکہ قراءۃ کا پورا کرنا استحالہ فعل کا ہے اتنا مسبوق کو بعد السلام ہوا کہ قول و قراءۃ کے اعتبار سے امام کے ساتھ جو پڑھی وہ آخر ہے اور اب بعد میں جو پڑھیگا وہ اول ہے کیونکہ قراءۃ اول میں ہوتی ہے۔ قول ثالث:۔ اول صلوۃ ہے لیکن امام کے ساتھ اس رکعت میں قراءۃ کریگا اور پھر بعد میں سورۃ فاتحہ پڑھکر نماز پوری کریگا یہ مذہب ہے امام مزنی۔ اسحق بن راہویہ کا۔ قول الرابع آخر صلوۃ ہے افعال و اقوال دونوں کے اعتبار سے یعنی امام کے ساتھ جو پڑھا کا حکم افعال و اقوال دونوں کی قضا کریگا یہ مذہب ہے امام صاحب کا اور ایک روایت ہے امام احمد امام مالک کی۔ علامہ ابن الجوزی کہتے ہیں کہ اصحاب (یعنی حنابلہ کا) مذہب اور حنفیہ کا مذہب اسکے مطابق یہی قول ہے اس مذہب کو ابن عباس۔ ابن مسعود۔ مجاہد۔ نخعی۔ شعبی۔ ابو قلابہ۔ ابن سیرین نے اختیار کیا۔ قول خامس امام محمد نے بعض علماء کا یہ مذہب نقل کیا کہ مسبوق کی امام کے ساتھ جو نماز ہے وہ آخر صلوۃ ہے باعتبار قراءۃ قرآن کے اور اول صلوۃ ہے باعتبار تشہد کے یعنی اگر اسکو امام کے ساتھ ایک رکعت ملی ہے تو اسکو جو بقیہ باقی تین ہیں جو بعد میں پڑھیگا وہ دو رکعت الحمد پڑھیگا کم ایک رکعت جو پہلے تشہد کرتا کیونکہ تشہد کا اعتبار سے اول صلوۃ ہے اور اول صلوۃ کا مخرج دو رکعت کا یہ تشہد ہوتا ہے تو اسکی ایک رکعت تو امام کے ساتھ ادا کی اور ایک رکعت اب کرلیا پس اس کی یہ تشہد ہے اور پھر دو رکعت پڑھے اسکے بعد چونکہ آخر صلوۃ ہے قراءۃ کے اعتبار سے پس امام کے پیچھے جو رکعتیں پڑھیگا وہ اسکی پہلی دو کی اور قراءۃ آئیگی وہ اول صلوۃ ہے لہذا یہی امام مالک کا مذہب کا حاصل ہے جسکو قول ثانی میں ذکر کیا گیا لہذا اس اعتبار سے اس مسئلہ کا اندر صرف چار قول ہوگئے جو لوگ اس امام کے ساتھ پڑھے ہوئی رکعت کو اول صلوۃ کہتے ہیں وہ استدلال کرتے ہیں لفظ فاتموا سے اور جو لوگ آخر صلوۃ کے قائل ہیں وہ استدلال کرتے ہیں فاقضوا سے۔ ابن عبد البر اور حنفی امام نووی فرماتے ہیں (فاتموا کے معنی فاقضوا کے ہیں۔ علامہ عینی نے جواب دیا

686 67/8 پس لفظ فعل تو جیسے کہ ہم ادا کے معنی میں ہے ایسے ہی قضاء کے معنی میں بھی ہے۔ اور جو لوگ فاقضوا سے استدلال کرتے ہیں وہ فاتموا کا جواب دیتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی قضاء علی وجہ الاتمام والکمال ہو۔ در اصل یہاں تین قسم کے الفاظ ہیں ایک اتموا دوسرا فاقضوا یہ دونوں تو محتمل ہیں ایک دوسرے کے معنی کا احتمال ہے لیکن ایک روایت میں ہے اقض ما سبقک اس کے اندر اتموا کے معنی کا احتمال نہیں سبق فات کے معنی میں آتا ہے اور اسی معنی میں فاقضوا ہے فقضی فی صلوٰتک ما فاتک کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز کا آخری حصہ ہے بعد ان چیزوں کا اعادہ اس کو ضروری ہے جو پہلی کا رہ گیا ہو جائے۔

687 67/9 **الفصل الثالث :-** عن زید بن اسلم قال عرس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حدیث اگرچہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث کا مضمون پر مشتمل ہے مگر چند الفاظ کو بر جستہ کرتی ہے فامرھم ان یرکبوا انہیں سوار ہونے کا حکم دیا کیونکہ اس وادی میں شیطان ہے یا وقت کراہت تھا یا دشمن کا خوف تھا وہ بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہہ دیا ان اللہ قبض ارواحنا ولو شاء الخ ابن عبد البر سے نقل کیا گیا ہے کہ روح کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو ہمیشہ بدن میں رہتی ہے اور ایک وہ جو سونے کے بعد نکل جاتی ہے جب آدمی سو جاتا ہے۔ دوسری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سونے کو وقت کا پابند کر دیا ضروری ہے تا کہ مسلمانوں کی نماز بروقت ادا ہو سکے اس سے خراب ہو جائے۔

باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ 67/21

مساجد مسجد کی جمع ہے اور مسجد کہتے ہیں لغت میں جائے سجود کو اور اصطلاح میں کہتے ہیں المکان المعد للصلوٰۃ وہ زمین جو موقوف ہو نماز کے لئے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ تمام زمین مسجد ہے اور استدلال کرتے ہیں حدیث پاک سے جس کے اندر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہمارے لئے مسجد بنایا ہے ہم جواب میں کہتے ہیں کہ آپ نے مسجد اصطلاحی کو بیان نہیں فرمایا بلکہ ان لوگوں سے احتراز کرنا مقصود ہے جن کے لئے شریعت میں یہ تھا کہ ان کی نماز بیع و کنائس کے علاوہ کسی دوسری جگہ جائز نہیں تھی۔ مواضع الصلوٰۃ کا عطف بھی مساجد پر ہے اور اس کے اندر دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ عطف العام علی الخاص کے قبیل سے ہے اور بعض نے کہا کہ یہ عطف تفسیری ہے اور اس تکلف کا منشاء یہ ہے مسجد سے مطلق جائے سجود مراد نہیں کہ بعد مواضع صلوٰۃ کے احکام کو بیان کرتا ہے لیکن ضعیف کا تو کیا اول قول راجح ہے بعد اس کے اندر روایات ایسی بھی آ رہی ہیں جن کے اندر ان مواضع کو ذکر کیا گیا ہے جہاں نماز جائز ہے اور نا جائز ہے اور یہ عام ہے مسجد سے۔

689 الفصل الاول: عن ابن عباس قال لما دخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم 67/21
هذه القبلة یعنی دو مطلب ہیں (۱) یعنی یہ جہت قبلہ ہے یہ کبھی منسوخ نہ ہوگا مطلب قبلہ ہونا اسی
کے ساتھ مخصوص ہے یعنی علاوہ کوئی اور قبلہ نہیں

691 عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل الکعبۃ ھو واسامۃ 67/23
ثم صلی اس حدیث میں اور اس سے پہلی حدیث میں تعارض معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس حدیث میں تو ثم
صلی کہا اور پہلی حدیث میں ہے لم یصل اس تعارض کا دفعیہ دو طرح تطبیق کیا گیا ہے بعض لوگوں نے
مسلک الترجیح اختیار کیا اور بعض نے مسلک التطبیق اختیار کیا۔ اول مسلک والے کہتے ہیں
کہ پہلی حدیث منفی اور یہ مثبت ہے اور مثبت کو ترجیح دی جاتی ہے منفی پر لہذا یہ حدیث راجح ہے
دوسرے مسلک والے کہتے ہیں کہ حضور دو دفعہ داخل ہوئے ہیں ایک دفعہ نماز پڑھی اور ایک دفعہ
نہیں پڑھی پھر انہیں اختلاف ہے کہ کب کب داخل ہوئے۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حج کے
موقع پر اور ایک دفعہ فتح مکہ میں اور اس وقت میں نماز پڑھی تھی حج کے موقع پر نہیں پڑھی تھی
امام سہیلی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ دسویں ذی الحجہ کو داخل ہوئے اور اس دفعہ میں نماز نہیں
پڑھی اور ایک دفعہ گیارہویں تاریخ کو داخل ہوئے اور نماز ادا فرمائی۔ دوسرے مسلک والوں کا
جواب دیا جب حضور اندر داخل ہوئے اور کواڑ بند کر دیئے تو دعا میں مشغول ہو گئے تمام
لوگ بھی دعا میں مشغول رہے حضرت بلال حضور کے قریب تھے تو انہوں نے دیکھا کہ حضور دعا کے
بعد نماز میں مشغول ہو گئے اور پہلی حدیث کے راوی ہیں حضرت اسامہ وہ دعا میں مشغول رہے
اور انکو نماز پڑھنے کا علم نہ ہوا اس لئے انہوں نے کہہ دیا لم یصل۔ جواب: یہ کہ حضور نے حضرت اسامہ کو
پانی لینے بھیجا تھا تو پیچھے سے نماز پڑھی فاغلقها بظاہر اس کا فاعل حضرت بلال ہیں 67/24
کیونکہ اقرب مذکور میں وہی ہیں لہذا وہی مرجع ہے لیکن مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت
عثمان نے بند کیا اور دوسری روایت میں تثنیہ کا صیغہ ہے یعنی بلال اور عثمان دونوں نے بند کیا
اس صورت میں مطلب ہوگا کہ حضرت عثمان نے کہا اور بلال نے مدد کی ہوگی اور ایک روایت میں
جمع کا صیغہ ہے یعنی فاغلقوا اور اس صورت میں مطلب یہ کہ سبھی حضرات نے بند کیا ہوگا

عن یسارہ کا مطلب یہ ہے کہ جب عبد اللہ داخل ہوئے تو عبد اللہ کو ستون بائیں سے ملے 67/25
آپ کی بائیں جانب اور دو دائیں جانب اور پیچھے تین تھے اور تینوں ستون آپ کے پیچھے تھے
اور پھر آپ نے نماز پڑھی اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ ستونوں کے درمیان (یعنی دو ستونوں کے درمیان)
نماز پڑھنا جائز ہے لیکن اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے منفرد کے لئے تو تمام کے نزدیک جائز ہے

691 لیے جماعتًا کے اندر اختلاف ہے۔ امام احمد، اسحٰق بن راہویہ، امام نخعی، عمر، ابن عباس، ابن مسعود کے 66/25
نزدیک مکروہ ہے، اکثر فقہاء امام ثوری، امام مالک، امام شافعی، ابن المنذر، حسن بصری، ابن
سیرین کے نزدیک جائز ہے۔ امام بخاری نے اس سے متعلق ایک باب باندھا ہے باب الصلوٰۃ بین السواری
فی غیر جماعۃ۔ حافظ فرماتے ہیں کہ اس سے امام بخاری نے اشارہ کیا ہے اس بات پر یعنی نماز
پڑھنی جائز ہے۔ جو لوگ کراہت کے قائل ہیں وہ استدلال کرتے ہیں حضرت انس کی روایت
کنا نتقی ہذا علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی وہ ستون جن کی نماز پڑھنے کی جگہ سے
اور انقطاع الصفوف ہے اسمیں اور یہ بھی جوتے رکھنے اور لوگوں کی جگہ ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حضرت
انس کی روایت اس صورت پر محمول ہے جبکہ اندر وسعت نہ ہو اور منفرد کے لئے جواز پر اس
حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور منفرد تھے اور آپ نے نماز پڑھی۔ ہم کہتے ہیں کہ جیسے
منفرد کیلئے جائز ہے ایسے ہی جماعتًا کیلئے بھی جائز ہے کسی کی خصوصیت نہیں۔ اختلاف یہ ہے کہ
کعبہ میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ جمہور کے نزدیک مطلقًا نماز پڑھنا جائز ہے امام مالک، امام احمد
کے نزدیک صرف نفل پڑھنی جائز ہے فرض جائز نہیں کیونکہ آپ نے اسمیں صرف نفل نماز پڑھی
تھی۔ محمد بن جریر طبری کہتے ہیں کہ مطلقًا نماز جائز نہیں۔ اب یہ ہے کہ بیت اللہ میں داخلہ کیسا ہے؟
جمہور کے نزدیک بغیر ایذا کے اگر داخلہ نصیب ہو جائے تو مستحب ہے اور بعض کے نزدیک [illegible]

692 693 عن ابی ہریرۃ صلوٰۃ فی مسجدی ہٰذا الخ عن ابی سعید لا تشد الخ عن ابی ہریرۃ ما بین قبری 67/26,27
خیر من الف صلوٰۃ۔ اس کے اندر اختلاف ہے کہ آیا یہ فضیلت صرف اسی بقعہ کیساتھ خاص ہے
جو آپ کے زمانہ میں تھا یا بعد والی توسیع ہوئی ہے وہ بھی اسکے اندر داخل ہے۔ اسمیں دونوں
قول ہیں۔ امام علامہ نووی، علامہ سبکی کے نزدیک اسی بقعہ کیساتھ خاص ہے جو آپ کے زمانہ
میں تھا بشکل مسجد۔ لیکن علامہ ابن تیمیہ کی رائے ہے کہ اسی بقعہ کیساتھ مختص نہیں۔ نیز یہی مذہب
امام مالک، علامہ ابن ہمام کا ہے اور یہ اختلاف مسجد نبوی میں ہے مسجد حرام میں اختلاف نہیں ہے
امام نووی وغیرہ نے مضاعفہ ہٰذا سے استدلال کیا اسم اشارہ ہٰذا سے وہ بقعہ مشخص ہو گیا ہے لہذا فضیلتًا
اسی کے اندر منحصر ہے۔ ہماری دلیل یہ کہ جیسا اشارہ اور تسمیہ جمع ہو جائیں تو اگر مشار
الیہ اور مسمی دونوں متحد الجنس ہیں تو دونوں کا اعتبار ہے ورنہ تسمیہ کا اعتبار ہے لہذا
صرف ہٰذا کے اشارہ سے کچھ نہیں ہوتا۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ زویت لی الارض آپکے
سامنے تمام زمین کو یکجا کر کے پیش کیا گیا تھا تو آپ نے اشارہ فرمایا تمام اس زمین کی طرف
جہاں تک مسجد ہونی تھی وسعت ہونی تھی اور بننا تھی اور روایات ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ

692
693

67
26,27

اس بقعہ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے امام نووی نے جو جواز سے استدلال کیا اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں
مراد اور دوسری احادیث جو اس حصر از نفس مقصود ہے اس کے اندر بھی اختلاف ہے کہ آیا یہ فضیلت اجر کے
کے اعتبار سے ہے یا نفس ثواب کے اعتبار سے بعض علماء کے قول سے مستنبط ہوتا ہے کہ اجر کے
اعتبار سے ہے یعنی اگر کسی کی ایک ہزار نمازیں چھوٹ گئی ہوں تو وہ ایک نماز پڑھ لے تو کافی
ہے یا اگر نذر کی کہ ایک ہزار رکعات پڑھے گا تو ایک نماز کافی ہے لیکن جمہور کے نزدیک نفس ثواب کے اعتبار سے
یہ فضیلت ہے الا المسجد الحرام اس استثناء کے اندر بھی اختلاف ہے کہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ دونوں 27
فضیلت میں برابر ہیں یا نہیں اس کے اندر تین قول ہیں اول ابن بطال مالکی کے نزدیک مساوی ہیں
دوسرا نافع مالکی کے نزدیک اور اسی طرح امام مالک سے نقل کیا ہے کہ مسجد حرام فضیلت میں کم ہے
جمہور علماء حنفیہ اور جملہ سلفاً وخلفاً کے نزدیک مستثنیٰ یعنی مسجد حرام افضل ہے چنانچہ صحیح
ابن حبان میں حضرت ابن زبیر کی روایت اور سنن ابن ماجہ میں حضرت جابر کی روایت سے اور
مسلمین ہے وصلوٰۃ فی المسجد الحرام خیر من مائۃ الف صلوٰۃ یعنی مسجد حرام کے اندر ایک نماز کا ثواب
ایک لاکھ ہے۔ دوسری حدیث حضرت ابو سعید کی ہے جس کے اندر ہے لا تشد الرحال علامہ ابن عبد الہادی 68/1
حنبلی فرماتے ہیں کہ یہ لا بمعنی نہی ہے چنانچہ مسلم شریف میں لا تشدوا نہی کا صیغہ آیا ہے واضح ہو کہ
اس سے سمجھ میں آگیا کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مقام کا سفر کرنا جائز نہیں چنانچہ یہی مذہب
امام ابو محمد جوینی کا قاضی حسین شافعی قاضی عیاض مالکی کا بھی یہی ارشاد ہے لیکن جمہور کے نزدیک جائز
ہے چنانچہ امام الحرمین جو امام محمد جوینی کے صاحبزادے ہیں اور امام غزالی جو امام الحرمین کے
شاگرد ہیں نیز امام نووی علامہ سبکی اور تمام متاخرین اس جواز کے قائل ہیں۔ جو لوگ
عدم جواز کے قائل ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جمہور کہتے ہیں کہ حصر یہ نفی اضافی
یعنی نسبتی ہے یعنی ان کے سوا کسی اور مقام کا سفر کرنا منع مطلقاً۔ کیونکہ مسجد کی فضیلت ہونے کی
حیثیت سے اگر کوئی مسجد کا قصد کرتا ہے تو وہ ان تین مساجد کا ہے کیونکہ یہی فضیلت والی ہیں
ورنہ تمام مساجد برابر ہیں مطلقاً۔ شد رحال کسی کو اولیٰ نہیں ہے سوائے ان تین مساجد
اور اولیٰ کی نفی سے جواز کی نفی نہیں ہوتی یہ جواب ہے حافظ عسقلانی کا مطلب علامہ
سبکی اور ابن بطال مالکی فرماتے ہیں کہ ارشاد نبوی کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ان تین مساجد میں عبادت
کی نذر مانے تو تعیین ان مساجد کا ادا کرنا واجب ہے ان کے علاوہ نہیں یعنی ان تینوں کے علاوہ کسی
اور مسجد کے اندر عبادت کی نذر مانی تو اس خاص مسجد میں عبادت ضروری نہیں ہے۔ علامہ حجان لکھتے
ہیں۔ مطلقاً علامہ محمد ضعفالانے بعض دوسرے علماء سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی مسجد میں اعتکاف کی نذر

68/1 نذر مانی ہے اگر وہ اس کے علاوہ میں ادا کرے تو ادا ہو جائیگا لیکن اگر ان تین مسجدوں میں سے کسی ایک کی منت مانی تو پھر اسکے لئے دوسری جگہ نہیں ہوگا اسکو انہی مساجد میں وہ عبادت کرنی ضروری ہے لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر وہ ان تین مسجدوں میں سے کسی ایک کے اندر عبادت کی نذر مانے تو کیا وہ اسکو انہی میں ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ امام مالک۔ امام احمد کے نزدیک انہیں میں ادا کرنا ضروری ہوگا ورنہ عہدہ برآ نہیں ہوگا۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تمام مساجد برابر ہیں خواہ وہ انہیں ادا کرے یا دوسری مساجد میں ہر صورت برابر ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اگر مسجد حرام کے اندر عبادت کی منت کی تو مسجد حرام ہی ادا کرے اور مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی کے اندر عبادت کی منت کی مسجد حرام میں اگر ادا کرے تو بھی ہو جائیگا اسی طرح مسجد اقصیٰ کی منت کی اور مسجد نبوی میں ادا کرے تو بھی ہو جائیگا لیکن اگر منت کی مسجد مدینہ کی اور ادا کرے مسجد اقصیٰ میں تو بری نہیں ہوگا۔ ابن المنذر کے نزدیک اگر مسجد حرام یا مسجد نبوی کی منت کی تو انہیں میں ادا کرنا ضروری ہے۔ اور اگر مسجد اقصیٰ میں عبادت کرنے کی نذر مانی تو اس مسجد میں ضروری نہیں بلکہ

68/1 جس جگہ چاہے مسجد میں عبادت کرے المسجد الحرام سے یا تو تمام حرم مراد ہے یا خود وہ جگہ جہاں نماز ہوتی ہے بیوت وغیرہ سے تعلق نہیں ہے۔ یا اس سے کعبہ مراد ہے کیونکہ نسائی کے اندر کعبہ کا لفظ آیا ہے۔ حافظ فرماتے ہیں کہ اس نسخہ میں سقوط ہو گیا دوسری روایات میں مسجد الکعبہ

68/1 کا ذکر ہے المسجد الاقصیٰ اسکی وجہ تسمیہ کے اندر مختلف اقوال ہیں (۱) کیونکہ مسافت کے اعتبار سے مسجد حرام سے بعید ہے (۲) زمانہ کے اعتبار سے اقصیٰ اور بعید ہے اسپر حافظ نے نکتہ قائم کیا ہے کہ چالیس سال کی مسافت کا ذکر حدیث باب میں آیا ہے اور وہ زیادہ مفید نہیں ہے (۳) علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ اس سے آگے اور پیچھے کوئی مسجد نہیں اسلئے وہ اقصیٰ ہے

68/1 (۴) لبعدہ عن الاقذار والخبائث (۵) مسجد مدینہ سے بعید ہے ومسجدی ھذا اس سے مراد ان مساجد سے احتراز کیا جو آپکی طرف منسوب ہوتی ہیں جیسے مسجد قباء، مسجد قبلتین وغیرہ۔ مشہور حدیث حضرت ابوہریرہ کی ہے مابین بیتی ومنبری یہاں بیت سے یا تو ازواج مطہرات میں سے کسی کا بیت مراد ہے یا خاص طور سے حضرت عائشہ کا اور اس احتمال کی تائید دوسری روایت سے ہوتی ہے جسکے اندر ہے مابین قبری اور ابنی قبر حضرت عائشہ کے بیت میں ہے۔ اور اسکا مصداق یا تو روضہ اطہر اور منبر کا درمیان کا حصہ ہے یا کل مسجد

68/2 نبوی ہے روضۃ من ریاض الجنۃ ملا علی قاری اور علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اسکا معنی معلوم نہیں لیکن دوسری جماعت کہتی ہے کہ اسکے معنی معلوم ہیں اور پھر انہیں سے بعض اسکو حقیقت پر

694 68/2 محمول کرتے ہیں اور بعض مجاز پر۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے حقیقی معنی میں ہے اور وہ ٹکڑا بعینہٖ سے (۱) واقعۃً جنت کا ٹکڑا ہے اور یہاں رکھدیا گیا ہے جیسے حجر اسود اسکو جنت سے لاکر نصب کر دیا گیا۔ اس پر اعتراض ہو کہ جنت میں نہ تو پیاس ہوتی ہے نہ بھوک اور یہ قطعہ ایسا نہیں ہے کہ یہاں ایسا پایا جاتا ہو تو اسکا جواب یہ ہے کہ ہر شئی اپنے معدن میں جو خواص ہوتے ہیں رکھتی ہے جیسا وہ جنت میں ہمیشہ رہنے کا اثر ہوگا اور جب دنیا میں آگیا تو وہ اثر ختم ہو گیا اور یہاں کا اثر آگیا (۲) حقیقۃً وہ دنیا کا ٹکڑا ہے لیکن اسکو جنت میں پہنچا دیا جائیگا ابن عساکر حدیث ابن النجار کا یہی مسلک ہے۔ اور تیسرا مجاز پر محمول کیا تو مطلب یہ ہوگا کہ وہاں عبادت کرنیوالے آدمی جنت میں پہنچا دیا جائیگا۔ اگرچہ یہ بات دوسری جگہ عبادت کرنے سے بھی حاصل ہوتی ہے لیکن وہاں زیادتی کمال کیساتھ حاصل ہوگی۔ سید سمہودی علامہ نور الدین نے حقیقی مجاز دونوں کا جمع کر دیا اور یہ مطلب بیان کیا کہ وہ جنت سے لایا گیا اور وہیں پہنچایا جائیگا اور جو یہاں عبادت کریگا وہ جنت میں جائیگا۔ حضور پاک نے اس جملہ کو اسلئے ارشاد فرمایا تاکہ لوگ

68/3 رغبت کریں تو وہاں جاکر عبادت کیا کریں۔ منبری علی حوضی اسکا مطلب یہ ہے کہ قیامت میں اسکو منبر پر رکھا جائیگا جو حوض پر قائم ہے کیونکہ اس معنی میں کوئی فضیلت نہیں اور نور الدین السمہودی میں ایسے تو ہر ایک کے ساتھ یقیناً ہوگا تو مطلب یہ کہ یہ منبر جس پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا وہ بعینہٖ جنت یا حوض پر پہنچا کر رکھا جائیگا۔ اسکا یہ اور ترجمہ کیا گیا کہ وہ منبر تھا جنت میں اسکو لیجایا جائیگا جو اسپر سید سمہودی نے دیا ہے جیسا وہ جنت میں جائیگا تو وہیں کمالات اسکے اور بھی زیادہ ہو جائینگے۔ مطلب یہ کہ جو میرے منبر کے قریب آکر عبادت کریگا تو وہ حوض پر مجھ سے ملیگا

مسئلہ میں اختلاف کیا مدینہ افضل ہے یا مکہ؟ جمہور ائمہ کا مذہب یہ کہ مکہ افضل ہے مالکیہ کا مشہور قول یہ کہ مدینہ افضل ہے۔ حافظ ابن ابی جمرہ کا مذہب یہ کہ دونوں مساوی ہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے البہجۃ البہیۃ میں کا اور بیان فرمایا اور توقف ہے۔ جو لوگ مدینہ کی افضلیت کے قائل ہیں وہ استدلال کرتے ہیں اس حدیث سے کہ آپ نے فرمایا یہاں جنت کا ٹکڑا ہے اور دوسرا استدلال یہ کہتے کہ ایک کوڑا کے بقدر جنت کی زمین دنیا وما فیہا سے بہتر ہے اور وہ جنت میں ہے تو بھی داخل ہے نیز حضور نے مدینہ منورہ کیلئے یہ دعا فرمائی کہ مکہ کی فضیلت و برکت سے دوچند اسکی فضیلت کر دے نیز مکہ کو حرم قرار دیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اور مدینہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم قرار دیا اور حضورؐ حضرت ابراہیمؑ سے یقیناً اولیٰ ہیں۔ جو لوگ مکہ کی افضلیت کے قائل ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جسکو احمد وغیرہ نے روایت کیا

نماز کا ثواب بڑھا دیا گیا ہو وہ مدینہ میں کیا گیا ہو۔ مالکیہ نے اس استدلال پر اعتراض کیا
عبادت کی زیادتی سے فضیلت میں زیادتی نہیں ہوتی جیسا کہ مکہ کی وجہ سے فضیلت ثابت ہے
اور یہاں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں۔ جو یہاں دیا گیا ہے اس مکان میں بقعۂ شریف
کا عمل وہ ہے کہ وہ زمین کا ٹکڑا ہی تو ہے جو عرش و کرسی سے افضل ہے وہ جگہ جہاں آپ
آرام فرما ہیں صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا۔ حدیث ۲۳۸ ہم سے بیان کیا عبداللہ بن عدی
کی قبر ہے وہ بھی علم و روایت کا مستند ہے۔ جو لوگ دونوں کے اندر سے وراثت کا قائم ہیں
وہ جنت میں آ گیا کعبہ کے بعد کہا گیا جب حضور آرام فرما ہیں دونوں برابر ہیں اور
توقف ور ہے کیونکہ ہیں۔ دونوں جگہ شرف ہی ہے اس کو توقف اور توقف بہتر ہے فقط والسلام

متفق علیہ ۶۸

مر ۱ ۶۸

695
696
697
699

عن ابن عمر قال الخ عن ابی ہریرۃ احب البلاد الخ عن عثمان من بنی للہ الخ عن ابی موسی الاشعری اعظم الخ — 68 3,4,9,8

قباء مسجد میں چار لغتیں ہیں اول ممدودہ دوم مقصورہ سوم منصرف چہارم غیر منصرف۔ دوسری حدیث حضرت ابوہریرہ کی ہے البلاد سے مراد بقاع اور ارض ہے اور سب سے زیادہ محبوب اس وجہ سے ہے کہ اس میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے اور احب الاشیاء عند اللہ ذکر اللہ نیز رحمت اور فرشتے وہاں نازل ہوتے ہیں اور سوق سب سے زیادہ مبغوض اس وجہ سے ہے کہ وہ فتنہ و فساد دغا بازی جھوٹ کا مرکز ہوتا ہے 5

تیسری حدیث حضرت عثمان کی ہے للہ یہ قید یا تو اخلاص کے اشارہ کرنے کیلئے ہے کہ اگر شہرت یا کسی غیر کی عبادت کیلئے بنائے تو وہ اس میں داخل نہیں ہے جیسے مسیح و کنائس مندر وغیرہ 6 یا اس سے مقصود یہ ہے کہ ریا کیلئے نہ ہو اگر کوئی ریا کاری کیلئے ایسا کام کرے تو وہ اس فضیلت میں داخل نہیں اب یہ مسئلہ کہ اگر آدمی مسجد بنائے اور اپنا نام اس پر لکھوائے تو کیسا ہے؟ ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ اگر اخلاص کیلئے لکھواتا ہے کہ تاکہ دوسرے لوگ دیکھکر اسکے لئے دعا کریں گے تو جائز ہے اور وہ اس فضیلت سے خارج نہیں ہوگا۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ~~[illegible]~~ نہ بھی لکھوائے تب بھی ~~[illegible]~~ اسکے لئے لوگ دعا کریں گے لہذا وہ ریا میں داخل ہوگا اگر لکھوائے گا۔ مثلہ

مسجداً میں تنوین تقلیل کیلئے ہے چنانچہ ایک روایت میں ولو کمفحص قطاۃ واقع ہوا یعنی اگرچہ وہ مسجد چھوٹے سے گھونسلے کے برابر ہو 6 بنی اللہ لہ بیتا الخ ایک روایت میں بنی اللہ بیتا افضل الخ 6 تو وہاں فضیلت اس کو ہونے کے اعتبار سے ہے قیمتی ہونے کے اعتبار سے نہیں۔ علماء نے بیان کیا ہے کہ اگر چند آدمی ملکر مسجد بنائیں تو بھی ہر ایک کو یہ فضیلت حاصل ہوگی۔ چوتھی حدیث حضرت ابو موسی اشعری کی جس سے معلوم ہوا کہ خطوات الی المسجد افضل ہیں لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مسجد بعید افضل ہے یا مسجد قریب۔ ابن سید الناس وغیرہ کے نزدیک (مسجد بعید) افضل ہے اور جمہور ائمہ کے نزدیک مسجد قریب افضل ہے اور جن احادیث میں بُعد کی فضیلت اور ترغیب ہے وہ اس لئے تاکہ وہاں کی حفاظت رہی اور اگر وہاں سے وہ لوگ چلے آئیں تو پھر دشمن کے گھسنے کا خطرہ اور حملہ کا اندیشہ تھا۔

علامہ العینی [illegible] مسجد بعید افضل ہے [illegible] افضل ہے

من الذی یصلی ثم ینام۔ یعنی جو شخص منفرد نماز پڑھکر یا دوسرے امام کیساتھ پڑھکر سو جاتا اور انتظار کرے

700
701
702

عن جابر قال خلت البقاع الخ عن ابی ہریرۃ سبعۃ یظلہم اللہ الخ عنہ صلوۃ الرجل فی الجماعۃ — 68 10,12,16

فاراد بنو سلمۃ بنو سلمہ کے متعلق ابن مردویہ فرماتے ہیں کہ وہ مقام سلع میں رہتے تھے جب مسجد نبوی کے قریب جگہ خالی ہوگئی تو انہوں نے وہاں منتقل ہونے کا ارادہ کیا تو آپ نے منع فرما دیا تاکہ مدینہ کے جوانب کی حفاظت رہے اب یہ کہ انہوں نے قریب آنے کا ارادہ کیوں کیا تھا؟ جواب یہ ہے کہ یا تو اس لئے حضور کی مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے ارادہ کیا تھا اعتراض ہوگا کہ حضرت انس کی ایک روایت ہے کہ مسجد اور سلع کے مابین کوئی بھی گھر نہیں تھا لہذا یہ معارض ہے ابن مردویہ کے قول کے کہ بنو سلمۃ سلع میں رہتے تھے جواب یہ ہے کہ حضرت انس کی روایت میں تو مراد یہ ہے کہ ان دونوں کے مابین کچھ نہ تھا اور ابن مردویہ کے کہنے کا مطلب ہے کہ اس سے پرے اور آگے رہتے تھے اگرچہ ان دونوں کے مابین خالی ہو۔ دوسری حدیث ابو ہریرہ کی ہے سبعۃ اسکا انحصار مقصود نہیں کیونکہ مسلم کے اندر ہے من انظر معسرا یظلہ اللہ الخ 68 13

جز ۱

68/13 لہذا اسکو ملا کر آٹھ ہو جائیں گے ظلہ کی ضمیر اللہ رب العزت کی طرف راجع ہے اعتراض ہوگا کہ سایہ اجسام کیلئے ہوتا 700 701 702
ہے اور اجسام خاصہ ہے جسکا شائبہ اللہ تعالیٰ اس نقص سے بری ہیں لہذا بعض کے نزدیک اسکے معنی رحمت کے ہیں اور
عیسیٰ بن دینار نے فرمایا ہے کہ اس کی کرامت حمایت حفاظت مراد ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ یہ مجاز حذف کے قبیل سے
ای فی ظل عرشہ یا وہ معنی ظل الجنۃ مراد ہے یا فی ظل الطوبیٰ مراد ہے مگر یہ اخیر کے دو مطلب ضعیف ہیں۔
علامہ قرطبیؒ نے اس پر جزم کیا کہ ظل عرشہ مراد ہے چنانچہ حضرت سلمان فارسی کی روایت میں صراحۃ فی ظل عرشہ وارد ہے
13 **امام** سے مراد من علیہ الولایۃ العظمیٰ جیسے گورنر، وزیر وغیرہ **عادل** ہو وہ شخص جو شریعت کے مطابق حکومت کو
اسکے حکم کے اندر رکھتا ہو **قلبہ معلق بالمسجد** یعنی وہ رہتا ہے کہیں اور دل مسجد کی طرف متوجہ رہتا ہے
یا معلق علاقۃ القلب سے ماخوذ ہے جسکے معنی محبت کے ہیں یعنی ہر وقت اسکا دل پسند کرتا ہو یہ بات کہ وہ مسجد
میں رہے **ورجلان تحابا** ان دو کو ایک کیسے شمار کیا بلکہ یہ تو دو ہیں لہذا سبعہ سے بڑھ گئے آٹھ ہو جائیں گے
14 جواب یہ ہے کہ ان کی ذوات پر مدار نہیں بلکہ ان سے جو فعل یعنی محبت صادر ہوتا ہے اس پر مدار ہے اور وہ ایک ہے
تفرقا علیہ شراح نے اسکا مطلب یہ بیان کیا کہ وہ اسی حالت میں مر جائیں لیکن دوسرا مطلب حضرت
استاد مولانا زبیر احمد صاحب علیہ الرحمہ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ وہ صرف اللہ کی رضامندی کیلئے جمع ہوتے ہیں
14 اور اللہ کی رضا و خوشنودی کیلئے جدا ہوتے ہیں **ففاضت عیناہ** صوفیاء نے بیان کیا کہ ذاکر کی ایک کیفیت
ہے جس سے رونا آجاتا ہے ایک تو کیفیت انکشاف جلال ہے اسوقت آدمی خشیت کی وجہ سے روتا ہے اور
ایک کیفیت انکشاف جمال کی ہے اسوقت ذاکر شوق کی وجہ سے روتا ہے ایک روایت میں خشیۃ کا
14 لفظ ہے اس صورت میں اول معنی راجح ہونگے **دعتہ امراۃ** بعض نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ نکاح کیلئے
وہ بلاتی ہے لیکن وہ یہ کہہ کر کہ عبادت میں کمی واقع ہوگی انکار کر دیتا لیکن یہ واسع مطلب ہے خیر یہ مسئلہ ہے
کیونکہ انکے نزدیک تخلی بالنوافل نکاح سے افضل ہے ہمارے نزدیک نکاح افضل ہے دوسرا مطلب یہ ہے کہ گناہ
سے انکار کر دیا اس بنا پر کہ حقوق زوجیت ادا نہ کرسکیگا علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اسکا مطلب
15 یہ ہے کہ اسکو زنا کیلئے بلایا **فقال انی اخاف اللہ** خواہ زبان قال سے معذرت پیش کرنے کیلئے یا تنبیہ کرنے
کیلئے کہے کہ تجھے شرم نہیں آتی اور خواہ زبان حال سے اپنے دل ہی دل میں کہے **رجل تصدق بصدقۃ** ظاہر یہ صدقہ
نفل و فرض اور غیر نفل و فرض دونوں کو شامل ہے لیکن بعض علماء کے نزدیک صدقہ نفل کو پوشیدہ طور پر خرچ کرنا
16 چاہیئے بلکہ دکھلا کر لوگوں کو بھی خرچ کرنا چاہیئے **لا تعلم شمالہ** مسلم شریف میں اسکا عکس وارد ہوا اس کی
تشریح قاضی عیاض کی رائے ہے کہ امام مسلم سے نیچے کوئی راوی ہوگا جسکو وہم ہو گیا لیکن حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ
وہم یا تو ان کو استاد کو یا استاد کے استاد کو واقع ہوا۔ اب یہاں اس جملہ سے مقصود کیا ہے اسمیں مختلف
اقوال ہیں ۱۔ مبالغہ فی الاخفاء مقصود ہے ۲۔ مجاز فی الحذف کے قبیل سے ہے ای حتی لا تعلم ملک شمالہ
۳۔ شمالہ سے مراد اپنے آپ کو مراد لیا ہے کہ اسکو خود پتہ نہ چلے کہ میں نے خرچ کیا یا نہیں ۴۔ یا مطلب ہے کہ
حتی لا تعلم من شمالہ یعنی جو بائیں جانب ہے اسکو پتہ نہ چلے ۵۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ریا فی الصدقہ نہیں کرتا کہ اس کے شمال
کا فرشتہ لکھے دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہ کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا پچیس گنا
زیادہ ثواب رکھتا ہے تنہا گھر یا مسجد یا بازار میں نماز پڑھنے سے لیکن اس فضیلت اور زیادتی ثواب میں

68/16 روایات مختلف ہیں بعض سے ستائیس کی زیادتی کا علم ہوا اس بناء پر علماء نے ستائیس والی روایت اختیار 700
کیئے اول ترجیح کا دوم تاویل کا۔ امام ترمذی نے مسلک ترجیح کو اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ پچیس والی روایت 701
راجح ہے کیونکہ اسکو اکثر نے روایت کیا اور بعض نے کہا کہ ستائیس والی روایت اچھی ہے کیونکہ وہ زیادتی پر 702
مشتمل ہے۔ جن لوگوں نے دوسرا مسلک اختیار کیا ان کے اندر مختلف اقوال ہیں: ع۱ پہلے پچیس کا انعام ہوا
تھا لیکن امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں روز افزوں ہوتی ہیں اسلیئے پھر ستائیس کر دیا ع۲ مصلین کی حالت
دیا اور عدم ریا۔ اخلاص اور عدم اخلاص کے اعتبار سے ہے ع۳ مسجد کے قرب و بعد کے اعتبار سے ہے
ع۴ نمازوں کے اعتبار سے ہے فجر و عشاء کے اندر ستائیس اور بقیہ نمازوں میں پچیس کا ثواب ملتا ہے
ع۵ یا فجر و ظہر کے اعتبار سے اختلاف ہو جاتا ہے اسطور فجر میں ستائیس اور بقیہ میں پچیس کا ثواب ہے
ع۶ جماعت کی کثرۃ و قلت کے اعتبار سے ہے ع۷ نماز پڑھنے والوں کی صلاحیت اور عدم صلاحیت
68 کے اعتبار سے ہے اللھم تب علیہ اسکے دو معنی اول یہ کہ توبہ پر قائم و دائم رکھ یا توبہ کی توفیق دے 703
21,23,24,25 عن ابی اسید اذا دخل احدکم عن ابی قتادۃ عن کعب بن مالک لا یقدم من سفر عن ابی ہریرۃ من سمع رجلا 704
علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اندر داخل ہونے کی صورت میں فتح ابواب رحمت کی درخواست اسلیئے کرتا ہے کہ وہ 705
جب مسجد میں داخل ہوتا ہے تو ایسے ہی کام کرتا ہے جو سبب رحمت ہیں لہذا اچھا ہے کہ وہ رحمت کی درخواست 706
کرتا ہے اور جب نکلتا ہے تو فضل کے سوال کا حکم اسلیئے دیا کہ فضل کے معنی رزق کے ہیں اور آدمی
جب مسجد سے نکلتا ہے تو اقتصادیات اور معاش کی فکر میں عام طور سے لگتا ہے۔ دوسری ابو قتادہ کی
ہے جسمیں حکم ہے کہ مسجد میں داخل ہونے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنی چاہیئے جسکا نام تحیۃ المسجد ہے جمہور کے نزدیک
یہ نماز مستحب اور ظاہریہ کے نزدیک واجب ہے اب یہ ہر وقت مستحب ہے یا کسی خاص وقت میں مستحب ہے
حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اگر خطبہ ہو رہا ہے تو ایسے وقت مستحب نہیں اور باقی تمام اوقات میں مستحب ہے
شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک خطبہ کے وقت بھی مسنون ہے اور اس حدیث کے عموم اور ایک روایت سے استدلال
کرتے ہیں جسمیں ہے کہ آپ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی آیا آپ نے سوال فرمایا کہ رکعتین پڑھ لی انہوں نے
عرض کیا کہ نہیں اسپر آپ نے فرمایا کہ صلّ۔ ہم کہتے ہیں کہ انصات للخطبۃ واجب ہے اور سنت کیلئے ترک
واجب نہیں کیا جائیگا نیز امر بالمعروف کو خطبہ کے وقت ممنوع قرار دیا گیا تو یہ سنت بطریق اولیٰ ممنوع ہوگی
اور اس رجل کی حدیث کا ہمارے متعدد جواب ہیں: جواب ع۱: اس رجل کی خصوصیت تھی۔
جواب ع۲: آپ نے جب انکو نماز کا حکم دیا تو آپ اتنے خاموش رہے جواب ع۳: دارقطنی کی روایت ہے کہ
وہو قاعد علیہ یعنی آپ اسوقت تک منبر پر بیٹھے ہوئے تھے خطبہ شروع نہیں فرمایا تھا جواب ع۴: ان رجل پر
وہ دونوں رکعت واجب تھیں جواب ع۵: یہ آنے والے رجل سلیک غطفانی تھے اور یہ فقیر تھے تو آپ نے انکو
اسلیئے نماز کو کہا تاکہ لوگ انکی حالت کو دیکھ کر ترس کھائیں اور انکی مدد کریں۔ تیسری حدیث حضرت
کعب کی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ آپ سفر سے ہمیشہ دن میں واپس ہوتے اور دو رکعت ضحی کے وقت پڑھتے۔ اب یہ
کہ یہ رکعت کیسی تھیں بعض فقہاء کے نزدیک یہ تحیۃ المسجد میں داخل ہیں اور علامہ سیوطی وغیرہ کے نزدیک یہ
26 صلوۃ الضحی میں داخل ہے چوتھی حدیث میں ہے لا اداھا اللہ علیک یہ کلمہ بد دعائیہ ہے یا لفظ لا اداہ اللہ ہے [illegible]

68/27 69/2 عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اکل الخ عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم البزاق فی المسجد الخ 707 708

من ھذہ الشجرۃ المنتنۃ اس درخت کی تفسیر بخاری شریف میں ثوم (لہسن) کیساتھ کی گئی ہے حافظ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ کس کی جانب سے تفسیر ہے اور بعض روایات میں بصل اور گراث کیساتھ کی گئی ہے اور بعض روایات میں ہے کہ ثوم کے متعلق ہے کہ لم یکن ببلدنا ھذا۔ حافظ فرماتے ہیں کہ ان روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے اسلئے کہ اس شہر میں پیدا نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں موجود بھی نہ ہو بلکہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شئی ایک جگہ پیدا نہیں ہوتی مگر دوسری جگہ سے اتنی کثرت آجاتی ہے کہ اتنی خود اس منبت شہر میں نہیں ہوتی۔

اعتراض وارد ہوا کہ ثوم یا بصل پر شجرہ کا اطلاق صحیح نہیں کیونکہ شجرہ کہتے ہیں حامل ساق کو اور یہ بات ان میں نہیں پائی جاتی اسکا جواب۱ یہ ہے کہ شجرہ کا اطلاق ساق اور بغیر ساق دونوں پر ہوتا ہے جواب۲ یہ ہے کہ یہ اطلاق مجازی ہے۔ اب اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اس کو کھانے کے بعد مسجد کے قریب نہ جانے کا حکم خاص خاص مسجد کیلئے ہے یا عام ہے تمام مساجد کیلئے۔ جمہور کے نزدیک عام ہے تمام مساجد کیلئے بعض کے نزدیک مسجد نبوی کیساتھ خاص ہے اور بعض کے نزدیک اس مسجد کیساتھ خاص ہے جس مسجد میں آپ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے تھے۔ جو لوگ مسجد نبوی کیساتھ مختص مانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مسجدنا فرمایا۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ اس مسجد کیساتھ خاص ہے جس میں آپ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے وہ کہتے ہیں کہ جب آپ غزوہ خیبر میں تشریف لے گئے اور وہاں مسجد کے اندر نماز پڑھی اور بدبو آئی تو آپ نے ~~[illegible]~~ اس مسجد میں فرمایا جمہور کہتے ہیں کہ ایک روایت میں فلا یقربن المساجد وارد ہوا جو قرینہ ہے اس بات پر کہ تمام مساجد کو شامل ہے اب یہ کہ ان کو کھا کر مسجد میں جانا کیسا ہے؟ جمہور کے نزدیک ان کو کھا کر مسجد کے قریب جانا ممنوع ہے البتہ ان کا کھانا جائز ہے ظاہریہ سے نقل کیا گیا کہ ان کا کھانا مطلقاً حرام ہے کیونکہ ان کے نزدیک جماعت فرض عین ہے اور ان کو کھا کر آدمی مسجد میں نہیں جا سکتا تو ترک فرض لازم آئیگا۔ لیکن واضح رہے کہ جمہور نے اسی حدیث سے اس بات پر استدلال کیا کہ جماعت فرض عین نہیں کیونکہ انکا کھانا تو جائز ہے اور حضور نے مسجد کے قریب جانے کو ممنوع قرار دیا تو معلوم ہوا کہ جماعت فرض نہیں اگر فرض ہوتی اسکے کھانے کو منع فرماتے نہ کہ مسجد کے قریب جانے کو لیکن ابن حزم ظاہری کے نزدیک اسکا کھانا جائز ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ اتنے پہلے کھائے کہ مسجد کے جانے کے وقت تک بدبو ختم ہو جائے اور نماز کے وقت کھانے سے ممانعت ہے ایک تو اس وجہ سے کہ ملائکہ کو اذیت ہوتی ہے اور دوسرے اس وجہ سے کہ انسانوں کو اذیت ہوتی ہے۔ امام مازری کے نزدیک اس وقت جائز ہے جبکہ تمام لوگ پیاز کھائے ہوئے ہوں لیکن ان کے قول کو رد کر دیا گیا اسلئے کہ اگرچہ انسانوں کی تاذی ختم ہوگی لیکن فرشتوں کی اذیت باقی ہے دوسری حدیث حضرت انس کی ہے جس میں ہے کہ البزاق فی المسجد خطیئۃ قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں کہ خطیئہ اس وقت ہے جبکہ اس تھوک کو دفن نہ کرے مطلقاً تھوکنا خطیئہ نہیں امام نووی فرماتے ہیں کہ قاضی جی کا یہ قول خطا ہے کیونکہ صراحۃً حدیث کے خلاف ہے حدیث میں صاف ظاہر ہے کہ مسجد میں تھوکنا خطا ہے اس کا جواب قاضی عیاض کی طرف سے یہ دیا گیا کہ دو روایتیں ہیں ایک تو یہی حدیث اسکے عموم کا تقاضہ ہے کہ تھوکنا خطا ہے لیکن اسکے بعد ابو ھریرہ کی حدیث ہے کہ ولیبصق عن یسارہ کہ اپنے بائیں جانب تھوکے اسکے عموم کا تقاضہ ہے کہ تھوکنا خطا نہیں تو ان دونوں عموم میں تعارض تھا لہذا

708 امام نووی نے اول حدیث کے عموم کو راجح قرار دیکر مسجد میں تھوکنے کو خطاء سمجھا اور ابوھریرہ کی حدیث کو مسجد کے 69/2
باہر پر محمول کیا اور قاضی عیاض نے ابوھریرہ کی حدیث کے عموم کو راجح قرار دیکر پہلی حدیث کے متعلق فرمایا
کہ تھوکنا خطاء نہیں بلکہ ترک دفن خطاء ہے علامہ قرطبی نے بھی قاضی عیاض کی تائید کی اور ابوامامہ کی
حدیث میں ہے کہ جب دفن نہ کرے تو خطاء ہے ایسے ہی اس متن والی حدیث کے بعد ابوذر غفاری کی حدیث بھی قاضی
عیاض کی موید ہے۔ بعض علماء نے یہ تفصیل کی کہ اگر مسجد سے نکلنا دشوار اور مشکل ہے تو مسجد میں تھوکنا جائز
ہے اور اگر اس کی نکل سکتا ہے تو پھر ممنوع ہے وکفارتها دفنها جمہور کے نزدیک دفن سے مراد ریت مٹی یا
ریت یا سنگریزہ وغیرہ میں دبا دے۔ امام رویانی کے نزدیک دفن سے مراد اخراجها من المسجد مطلقا ہے
یہی مسلک امام نووی کا بھی معلوم ہوتا ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ دفن جب ہے جبکہ وہ زمین ریت اور سنگریزہ
والی ہو اور اگر پکی اور فرش والی زمین ہے تو پھر دفن صرف رگڑ دینا کافی نہیں ہوگا بلکہ رگڑنے سے تو اور گندگی
ہوگی لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر رگڑ دینے سے وہ صاف ہو جائے تو کافی ہے۔

710-712 عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام احدکم الخ عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی مرضه الذی الخ 69/4-6
حضور نے اس حدیث پاک میں اپنے سامنے اور اپنے دائیں جانب تھوکنے سے منع فرمایا اور یمین کی علت بیان فرمائی
فان عن یمینه ملکا اس ملک سے یا تو کوئی عام فرشتہ یا کاتب الحسنات مراد ہے اس صورت میں اشکال ہوگا
کہ بائیں جانب بھی تو کاتب فرشتہ ہوتا ہے اسکا جواب دیا کہ تخصیص و تکریم کیلئے ایسا فرمایا یا اس پر اشکال ہوا
کہ ملک من حیث الملک دونوں تکریم و تعظیم کے لائق ہیں لہذا یہ جواب صحیح نہیں بلکہ دوسرے علماء نے اسکا صحیح جواب
یہ دیا کہ نماز ام الحسنات بدنیہ ہے اور وہ فرشتہ کاتب سیئات ہے اور یہ سیئات کا موقع نہیں ہوتا
اسوجہ سے وہ یا تو دعا سے ہٹا جاتا ہے یا دائیں جانب آجاتا ہے البتہ اس طرف شیطان رہتا ہے
اسوجہ سے اس طرف تھوکنے کا حکم دیا ہے چنانچہ قرآن میں ہے والملک عن یمینه والقرین عن یساره۔
قفال شاشی کبیر فرماتے ہیں کہ ارشی وہ تھوک مراد ہے جو سر کی جانب سے آئے اور جو سینہ کی طرف سے آئے
وہ ناپاک ہے اسکو تھوکنا ممنوع ہے حافظ فرماتے ہیں کہ یہ ان کے مذہب پر مبنی ہے کیونکہ ان کے نزدیک اور
امام ابو یوسف کے نزدیک جو بلغم ما عدہ من الجوف ہو وہ ناپاک ہے لیکن جمہور کے نزدیک دونوں تھوک پاک ہیں
دوسری حدیث حضرت عائشہ کی ہے۔ جب آپ کا وصال قریب ہوا تو آپ کو یہ خوف لاحق ہوا کہ میری امت
میرے ساتھ وہ معاملہ نہ کرے جو یہود و نصاری نے اپنے انبیاء کرام علیھم السلام کیساتھ کیا۔ اس خوف کی بناء پر
یہ ارشاد فرمایا تاکہ امت کو جو اس پر تنبیہ کرے علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ یہود و نصاری نے اپنے انبیاء
کیساتھ دو طرح کے معاملے کیے ایک یہ کہ ان کی قبور کو سجدہ کرتے تھے دوم ان کو تقرب کا ذریعہ سمجھ کر وہاں
عبادت کرتے تھے تو اول میں شرک جلی اور ثانی میں شرک خفی کا احتمال تھا اسلیے آپ نے ان دونوں سے منع فرمایا
ملا علی قاری، شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایسے قبور پر جا کر عبادت کرتا ہے
تاکہ اسکو روحانی فائدہ حاصل ہو تو جائز ہے جیسا کہ حطیم پاک میں تمام انبیاء اور صحابہ کرام نے
نماز پڑھی ہے اور اس میں بہت سے انبیاء کی قبور ہیں اتخذوا قبور انبیائهم مساجد اسکے دو مطلب 7
ایک یہ کہ ان کو معابد بنا لیا دوم یہ کہ ان کو سجدہ کرتے تھے تیسری حدیث بھی اسی مضمون پر مشتمل ہے

714 عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجعلوا فی بیوتکم من صلوتکم ولا تتخذوھا قبورا متفق علیہ 69/9

اجعلوا فی بیوتکم من صلوتکم من تبعیضیہ ہے اور صلوۃ سے صلوۃ نافلہ مراد ہے یہ جمہور کے نزدیک ہے
قاضی عیاض نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ اس سے صلوۃ مفروضہ بھی مراد ہے امام نووی نے اول قول کو راجح قرار دیا
کیونکہ فرائض کے اندر اعلان ضروری ہے اور وہ گھر میں پڑھنے کی صورت میں نہیں ہوگا اور نوافل میں ریا و نمود سے بچنا
احتراز ضروری ہے اور گھر میں پڑھنے سے حاصل ہوگا نیز اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے بعض کی رائے ہے کہ
مسجد میں پڑھے اور بعض نے کہا کہ گھر میں پڑھے اور بعض نے تفصیل کی کہ اگر ریاء و نمود کا خطرہ ہے تو گھر میں
ورنہ مسجد میں پڑھے اور ظاہر یہ ہے کہ نماز ایک مغرب کی دو سنتوں کا گھر میں پڑھنا واجب ہے **ولا تتخذوھا قبورا**
اسکا ظاہری مطلب یہ ہے کہ اپنے گھروں کے اندر مردوں کو دفن مت کرو علامہ خطابی نے اسپر یہ اعتراض کیا
کہ یہ مطلب درست صحیح نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ اطہر اور مزار مبارک حضرت عائشہ کے
گھر میں ہے علامہ کرمانی نے اس اعتراض کا جواب دیا کہ یہ آپکے خصائص میں سے ہے لہذا دوسروں کو
آپ پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے اور حضرت ابوبکر حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو مسجد سے وہ دفن کیا گیا ثابت
کی چیز ہی ضمنا ثابت ہو جاتی ہیں اصالۃ ثابت نہیں ہوتی ۔ دوسرا مطلب امام بخاری نے بیان کیا کہ ولا تتخذوھا
ای الصلوۃ فی القبور یعنی قبروں میں نماز پڑھو اور امام بخاری نے اسکو مکروہ قرار دیا اور اسی پر باب قائم فرمایا
باب کراھیۃ الصلوۃ فی المقابر ابن التین نے بھی یہی فرمایا امام بخاری نے مقابر کے اندر نماز پڑھنے کو مکروہ
سمجھا لیکن یہ مطلب ضعیف ہے ۔ تیسرا مطلب جسکو جمہور نے اختیار کیا وہ یہ ہے کہ اس جملہ سے آپ نے
لوگوں کو گھروں میں استحبابی طور پر عبادت کرنے کی طرف بلایا ہے یعنی اپنے مکانات کو قبروں کی طرح نہ کرو
کہ جیسے وہاں نماز نہیں پڑھی جاتی ایسے ہی تم بھی کر دو گے چوتھا مطلب علامہ توربشتی نے بیان فرمایا
اس جملہ سے آپ نے تشبیہ دی اس شخص کو جو اپنے گھر میں نماز نہ پڑھے میت کیساتھ اور اس گھر کو قبر کیساتھ ۔۔۔

ابن التین

715 **الفصل الثانی** :- عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما بین المشرق والمغرب قبلۃ 69/10

اس حدیث پاک کے محل اور مطلب میں علماء کے اقوال مختلف ہیں غور سے سنئے :- **قول اول** حضرات مالکیہ اور
امام ابوبکر بیہقی اور احمد بن خالد مالکی بلکہ تمام محققین اسکا مطلب یہ بیان کرتے ہیں یہ حدیث اہل مدینہ کیساتھ
خاص ہے کیونکہ مدینہ ~~[illegible]~~ مکہ کے جانب جنوب میں واقع ہے اور قبلہ اسکا شمال میں ہوگا لہذا ما بین
المغرب والمشرق ہو گیا ۔ **قول ثانی** :- حضرات حنابلہ کہتے ہیں کہ المشرق والمغرب سے مراد سارا عالم اور تمام
بلاد ہیں علاوہ مکہ مکرمہ کے اور مطلب یہ ہے کہ غیر مکی کا قبلہ کعبہ کی جہت ہے اور مکہ میں جسکے سامنے
کعبہ موجود ہے اسکا قبلہ عین کعبہ ہے جہت کعبہ نہیں ۔ **قول ~~[illegible]~~ ثالث** :- حضرات شوافع نے اسکا
مطلب یہ بیان کیا یہ اہل مدینہ کیلئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ مشرق شتوی اور مغرب صیفی کے درمیان
میں اہل مدینہ کا قبلہ ہے لہذا اگر کوئی یمین مشرق کی جانب اور شمال یسار مغرب کی جانب کر لے تو ما بین
قبلہ ہے اس قول کا مفصل مطلب آگے بیان کیا جائیگا **قول رابع** :- امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ
یہ حدیث مسافر پر محمول ہے جس پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اسکو چاہئے کہ تحری کرے جس طرف چاہے نماز پڑھ لے
قول خامس :- یہ حدیث محمول ہے اس شخص پر جو خارج از وقت نماز نفل پڑھ رہا ہو تو جس طرف چاہے قبلہ بنا

715 قول سادس یہ ہے۔ اس مریض پر محمول ہے جو اشارہ کر رہا ہو خود حرکت نہیں کر سکتا اور دوسرا آدمی حرکت دینے والا موجود نہیں ہے۔ قول سابع یہ ہے۔ اس شخص پر محمول ہے جس کو دشمن کا خوف ہو۔ یہ تمام اقوال ہیں لیکن ان تمام کا خلاصہ اور ماحصل دو چیزوں کی طرف لوٹتا ہے ایک یہ کہ اس حدیث کا محمل بیان کرنے کے اندر بعض حضرات میں ایک جماعت کے نزدیک یہ عام ہے جیسے حنابلہ کا قول گذرا اور ایک جماعت کے نزدیک اس کا محمل خاص ہے اور وہ اہل مدینہ ہیں اس جماعت میں حضرات مالکیہ۔ امام ابوبکر بیہقی اور حضرات شافعیہ ہیں اور ان کے قول کا حاصل یہ ہوا کہ سورج کا سردی (شتاء) میں تو مشرق الگ ہوتا ہے اور گرمی (صیف) میں اور ہوتا ہے ایسے مغرب بھی دونوں کا مختلف ہوتا ہے تو حدیث پاک میں صرف سردی کا مشرق و مغرب یا گرمی کا مشرق و مغرب مراد نہیں بلکہ سردی کا مشرق اور گرمی کا مغرب مراد ہے اور ان دونوں کے درمیان قبلہ ہے۔ سہولت کیلئے نیچے کا نقشہ دیکھئے 69/10

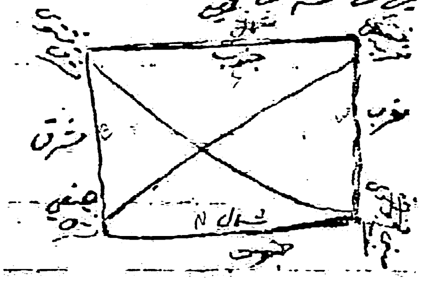

اس نقشہ کے اندر دیکھئے کہ سورج مشرق صیفی سے چلکر جہاں مغرب صیفی لکھا ہے وہاں آکر غروب ہوتا ہے اور سردی میں سورج جس جگہ مشرق شتوی لکھا ہے وہاں سے چلکر جس کونے پر مغرب شتوی لکھا ہے وہاں غروب ہوتا ہے۔ اور اس خانے کے اندر جو کہ ایک کونے سے دوسرے کونے پر ہے وہ اس کی اشارہ کرنے کیلئے کہ سورج اس کونے سے چلکر اس کونے پر ختم ہوا تو اب سنئے کہ مدینہ مکہ سے جنوب میں واقع ہے اور اسکا قبلہ شمال میں ہے تو نقشہ کے اندر دیکھئے کہ ان کا قبلہ (شمال) مغرب صیفی اور مشرق شتوی کے درمیان واقع ہے اور یہی حدیث پاک کا مطلب ہے کہ ما بین المشرق والمغرب قبلۃ۔ فافہم وتدبر وتفکر

716
717
718
719 عن طلق بن علی قال خرجنا الخ عن عائشة قالت أمر الخ عن ابن عباس قال الخ عن انس عرضت علی اجور امتی الخ 69 / 11,15,16,18

خرجنا وفداً اس وفد کے اندر چھ آدمی تھے پانچ بنو حنیفہ اور ایک ضبیعہ ابن ربیعہ کا۔ اور ان کی حاضری ابن حبان کی رائے کے مطابق سنہ ۷ھ میں ہوئی کیونکہ دوسری روایت میں ہے کہ یہ لوگ حاضر ہوئے ایسے وقت میں جبکہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد بنانے میں مشغول تھے اور مسجد نبوی سنہ ۱ھ میں بنی تھی لیکن یہ محض قول ابن حبان کا ہے حالانکہ دوسری ترتیب کی حضور نے مسجد خیبر کے بعد بنائی ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ اس صورت میں حاضر ہوئے ہوں۔ اور اظہر یہی ہے کہ یہ لوگ اسی وقت حاضر ہوئے ہوں گے کیونکہ وہی سنۃ الوفود ہے

لایزیدہ الا طیباً طیب میں دونوں روایتیں ہیں طا کے کسرے اور یا کے سکون کیساتھ اور طا کے فتحہ اور یا کے تشدید کیساتھ اور اس کی ضمیر مزید علیہ کی طرف راجع ہے یعنی وہ مزید علیہ اس مزید کو نہیں زیادہ کریگا مگر از روئے خوشبو یا برکت کے۔ دوسری حدیث حضرت عائشہ کی ہے جس میں فی الدور سے یا تو قبائل اور محلے مراد ہیں لہذا ترجمہ یہ ہے اس بات کی طرف کہ محلوں اور قبائل کی مسجدیں بناؤ اور یا اس سے بیوت مراد ہیں یعنی اپنے مکانوں میں نماز کیلئے ایک خاص جگہ بنانی چاہیے۔ تیسری حدیث ابن عباس کی ہے قال ابن عباس الخ یہ مقولہ لفظاً موقوف اور حکماً مرفوع ہے لتزخرفنها لام تاکید مفتوحہ اور نون تاکید ثقیلہ کیساتھ ہے علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ لام مکسورہ تعلیلیہ اور نون تاکید کیساتھ ہے اول صورت میں مطلب ہوگا کہ ابن عباس نے فرمایا کہ بخدا بالضرور تم لوگ ان کو مزین کرو گے اور ثانی صورت میں مطلب ہوگا کہ حضور نے فرمایا کہ مجھے مسجدوں کے بلند کرنیکا 15 14 15 17

قلم نہیں دیا گیا تھا تم لوگ اسکو نہ پیتا کر نا لگو گے تو گویا مستحب ہوگی حضور کے قول کی۔ اس مسئلہ میں حنفیہ کے 718 | 69/17
نزدیک یہ ہے کہ اگر تزئین اتنی ہے کہ اسمیں ابتلا پیدا ہونیکا احتمال ہے تو ممنوع ہے اور اگر ابتلا پیدا
نہیں ہوتا تو پھر دو صورتیں ہیں یا تو اسکی مضبوطی آتی ہے عمارت میں یا خوبصورتی کیلئے اول صورت میں
مال وقف سے جائز ہے اور ثانی صورت میں مال وقف سے جائز نہیں البتہ اگر کوئی اپنے پیسے سے کرے
تو درست ہے چوتھی حدیث حضرت انس کی ہے جسکے اندر اعظم گناہ یہ قرار دیا گیا کہ آدمی سورۃ قرآن
پڑھکر بھلادے حالانکہ اس سے پہلے معلوم ہو چکا کہ اعظم گناہ الشرک باللہ ہے اسکا جواب۱ یہ ہے کہ وہ اعظم
ہے اعتقاد کے اعتبار سے اور یہ اعمال کے اعتبار سے ہے جواب۲ یہ اعظم ہے کیونکہ قرآن اعظم دین ہے
اور اسکا نسیان دین کا نسیان ہے اور نسیان دین شرک تک منتقی ہوجاتا ہے تو نتیجہ کے اعتبار سے فرمادیا

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رأیتم الرجل الخ عن عثمان بن مظعون عن عبد الرحمن بن عائش الخ 721 722 | 69
فاشھدوا له بالایمان اعتراض ہوا کہ حاشیہ میں حضرت عائشہ کی حدیث گذر چکی انہوں نے ایک بچہ میت کے 723 | 22,24,27
متعلق فرمادیا تھا عصفور من عصافیر الجنۃ اسپر حضور نے نکیر فرمائی ہے جو فرمایا تھا او غیر ذلک یا عائشہ
تو وہاں تو نکیر فرمائی اور یہاں شہادت کا حکم دے رہے ہیں اسکا جواب۱ یہ ہے کہ وہاں حضرت عائشہ
نے تحقیق و تیقن کیساتھ کہدیا تھا اور یہاں یہ بات نہیں جواب۲ ان کا قول آخرۃ کے متعلق تھا اور
اس حدیث میں شہادۃ دنیا سے متعلق ہے پھر اس حدیث میں آیت تلاوت فرمائی انما یعمر مساجد اللہ الخ | 23
صاحب کشاف کے نزدیک جھاڑو دینا صفائی کرنا۔ تدریس وغیرہ بھی تعمیر مسجد میں داخل ہے۔
دوسری حدیث حضرت عثمان بن مظعون کی ہے یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہیں اور سب | 24
پہلے صحابہ میں یہی ہیں جنکو جنت البقیع میں مدفون کیا۔ اختصار کرنے والے کے متعلق فرمایا لیس منا
سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ اسکی تاویل کی ضرورت نہیں اور جمہور کے نزدیک اسکا مطلب یہ ہے کہ لیس
منا طریقتنا وسنتنا تقنیا حتہ کے متعلق علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مفارقۃ الاوطان ہے۔ اس
حدیث پاک کی سند میں کلام ہے تیسری حدیث حضرت عبد الرحمن بن عائش کی ہے جسمیں ہے حضور نے
فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا **فی احسن صورۃ** اسپر اعتراض وارد ہوا یہ جسمانیات کا خاصہ ہے اور اللہ | 27
اللہ تعالی منزہ ہے جواب دیا کہ رویت دو قسم کی ہے ایک رویۃ فی المنام اور ایک رویۃ عینی اب اگر رویت سے رویۃ
منامی مراد ہے تو اشکال نہیں کیونکہ انسان خواب میں تمثیلات کو بھی دیکھ لیتا ہے مثلا یہ دیکھے کہ میرے گھر میں
سورج ہے یا چاند ہے وغیرہ وغیرہ اور اگر اس سے رویۃ عینی مراد ہے تو پھر فی احسن صورۃ کا تعلق اللہ تعالی
سے نہیں بلکہ یہ حال واقع ہے رایت کی ضمیر سے ای رایت فی حال کونی احسن صورۃ یعنی میں اچھی
صورۃ میں تھا دیکھنے کے وقت۔ اور اگر اسکا تعلق اللہ رب العزت سے ہے تو مان لیں تو امام ابوبکر بیہقی نے
جواب دیا کہ صورۃ بمعنی صفۃ مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کو میں نے اچھی صفت میں دیکھا یعنی
صفت جمال کیساتھ دیکھا اور صفت جلال کیساتھ نہیں تو گویا کنایہ ہوگا شفقت و اکرام سے۔
لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ واقعہ خواب کا ہے اور رویۃ منامی مراد ہے روایت سے چنانچہ شیخ الاسلام علامہ
جمال الدین مزی حافظ ابن کثیر وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ خواب کا ہے جو آپ نے مدینہ پاک میں دیکھا

723 اور یہ اعجب عجب ہیں جبکہ اس حدیث کو صحیح مانا جائے اور نہ امام ابو بکر بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث 69/27
صحیح نہیں قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مضطرب ہے سنداً اور متناً سنداً تو یہ کہ کسی جگہ بلا واسطہ
اور کسی جگہ بواسطہ اور کسی جگہ حضرت معاذ سے مروی ہے اور ایسے متن کے اندر اضطراب ہے بعض روایت میں
ہے یا دل ہے کہ فتعست فی صلوتی حتی استثقلت وغیرہ وغیرہ فیم یختصم الملأ الاعلیٰ ملاء سے مراد اشراف 69/27
ہیں کیونکہ وہ مجلسوں کو سینوں اور آنکھوں کو اپنی عظمت سے بھر دیتے ہیں اب یہ اور اس اختصام سے کیا مراد ہے
بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے وہ خصومت مراد ہے جو حضرت جل مجدہ و علا اور ملائکہ درمیان خلق آدم کے وقت
ہوئی تھی لیکن ابن العربی مالکی نے اسکو رد کر دیا کیونکہ یہاں اختصام سے وہ مراد ہے جو طرف ملائکہ کے درمیان
ہو اللہ تعالیٰ سے اسکا تعلق نہ ہو اور اختصام کی کیفیت یہ تھی اور وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے کہ ان
اعمال کو بارگاہ ایزدی میں میں لیجاؤں گا اور دوسرا کہتا تھا میں لیجاؤں گا۔ یا اس اختصام سے مراد
یہ ہے کہ وہ غبطہ کر رہے تھے مخلوق کے اعمال پر اور یہ تو سمجھے تھے کہ یہ لوگ فساد پیدا کریں گے حالانکہ یہ تو
عبادت میں مشغول ہیں یا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ فضیلت بیان کر رہے تھے کہ کرنے والوں کے فوضع کفہ
بعض روایت میں ہے کہ فوضع یدہ۔ بہر حال کف ہو یا ید اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا فیض
میرے سینے میں پہنچایا اور میری تعلیم و تکریم فرمائی فوجدت بردہا یعنی مجھے اس فیض رسانی کا اثر
محسوس ہوا اور ہر قسم کا یقین حاصل ہوگیا فعلمت ما فی السموات والارض یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے 70/1
اجمالی علم جن چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا عطا فرمایا۔ اس حدیث سے حضور کا علم غیب پر استدلال
کرنا باطل و لغو ہے اسلئے کہ علم غیب جسکا ہم انکار کرتے ہیں اس سے وہ علم غیب مراد ہے جسکے اندر
احاطہ پایا جائے یعنی وہ ایسے تمام افراد کو محیط ہو اور دوسرے یہ کہ علم کلی حاصل ہو جس میں ہر چیز
کا علم ہو اور یہ شئی حضور میں مفقود ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت تلاوت کی
وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض الخ ملکوت سے مراد ملک ہے اور تامہ مبالغہ کیلئے 70/1
ہے علماء نے بیان فرمایا کہ عالم کی تین قسمیں ہیں ایک عالم ملکوت۔ عالم لاہوت۔ عالم ناسوت
اب یہ کہ وہ ملائکہ کس بات میں خصومت کر رہے تھے اسکو بیان فرمایا کفارات میں جسکی تفصیل
حدیث میں ہے یعنی ان کے کرنے والے بندوں پر غبطہ یا انکی تعریف بیان کر رہے تھے المکث فی المساجد
ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس سے مطلقاً ٹھہرنا مراد ہے اور اعتکاف بھی مراد ہو سکتا ہے مکروہ
کی تفصیل ماقبل میں شروع میں کتاب الطہارۃ کے گذری۔ اب اشکال وارد ہوگا کہ حضور نے دعا میں
فاقبضنی الیک غیر مفتون کیوں فرمایا جبکہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرما رکھا ہے اسکا جواب 6
یہ ہے کہ آپ اپنی اس عبدیت کا اظہار فرما دیا جو ان شاء اللہ ہر وقت حاصل ہوگی جواب ۲ :- امت کو
کی تعلیم کیلئے ایسا فرمایا جواب ۳ :- اگرچہ آپ کو یقین تھا اللہ تعالیٰ مجھے غیر مفتون اٹھائیں گے لیکن
آپ کو معلوم تھا اللہ پر کوئی شئی واجب نہیں تو وعدہ خلافی ممکن ہو سکتی ہے اگرچہ کبھی ہوگی نہیں
اسلئے فرما دیا۔ افشاء السلام کی تفسیر حدیث پاک میں آئی ہے اور وہ ہے السلام علیٰ من عرفت و علیٰ من لم تعرف 6
مصنف نے فرمایا کہ لم اجدہ میں حدیث ان اللہ کو عبدالرحمٰن سے جو شرح السنۃ میں مروی ہے دیکھا اھـ

726 اسکے علاوہ شرح مصابیح کے الفاظ کسی کو کسی اور جگہ نہیں دیکھا - عبد ضعیف کہتا ہے اسے ابن جریر طبری نے ذیل المذیل میں اور محمد بن نصر مروزی نے بھی قیام اللیل میں مصابیح کے الفاظ کو ذکر کیا 70/6

عن ابی امامة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ثلاثة کلهم ضامن علی الله رجل خرج غازیا فی سبیل الله

حضرت ابو امامہ کا نام صُدَی بن عجلان ہے ضامن علی اللہ ضامن یہ فاعل بمعنی مفعول ہے ای ذو ضمان یا ضامن مضمون کے معنی میں ہے جیسے طاعم مطعوم کے معنی میں ہے علی اللہ یہ وجوب استحسانی ہے ایجابی کہ لفظ او دو جگہ آیا ہے ایک تو فلہ الجنۃ او یردہ کے اندر اور ایک من اجر او غنیمۃ کے درمیان ہے ان میں پہلا او مانعۃ الجمع کیلئے ہے یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ جنت میں بھی چلا جائے اور غنیمت بھی مل جائے البتہ من اجر کے اعتبار سے اس او کے مانعۃ الخلو کیلئے لے سکتے ہیں کیونکہ جب جنت میں میں جائیگا تو اجر بھی ملیگا دونوں کا اجتماع ہو گیا اور دوسرا او جو ہے یہ مانعۃ الخلو کیلئے ہے جس کے اندر تین مادے ہوتے ہیں ایک مادہ اجتماعی جسمیں غنیمۃ اور اجر دونوں جمع ہوں اور ایک وہ جسمیں صرف اجر ہو اور ایک وہ جسمیں صرف غنیمۃ ہو اجر نہ ہو پہلی صورت تو جب پائی جائیگی جبکہ وہ اخلاص کیساتھ جہاد کرے تو اجر اور غنیمۃ دونوں ملیگا اور اگر ریا کاری کیلئے کرے تو غنیمۃ ملیگی اجر نہیں ملیگا اور بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ اجر ملتا ہے غنیمۃ کا مال نہیں ہوتا اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث پاک میں تین آدمیوں کا ذکر فرمایا ایک مجاہد - ایک وہ جو مسجد کی طرف نکلے جو الخ اور ایک وہ جو گھر میں سلام کیساتھ داخل ہونے والا ہے ان تینوں کیلئے اللہ تعالی پر استحسانی وجوب ہے کہ وہ ان کا ضامن ہے اب یہ کہ وہ مضمون بہ کیا ہے حضور نے مجاہد کیلئے تو بیان فرما دی کہ جنت - یا اجر وغنیمۃ - لیکن باقی دو کیلئے بیان نہیں فرمائی ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ظہور کی وجہ سے نہیں بیان فرمائی

رجل دخل بیتہ بسلام اسکا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جب وہ گھر میں جائے تو گھر والوں کو سلام کرے اسکی برکت ہوتی ہے چنانچہ ترمذی شریف میں حضرت انس کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ جب تو گھر میں جائے تو سلام کر اس کی برکت ہوتی ہے - دوسرا مطلب یہ ہے کہ سلامتی کیساتھ رہنا گھر سے نکلے اور سلامتی کیساتھ داخل ہو یا پر نکال کر کسی قسم کا فتنہ لوگوں میں نہ پھیلائے تیسرا مطلب یہ ہے کہ اپنے گھر والوں کیلئے جھگڑے اور لڑائی سے سلامتی طلب کرنے والا ہو۔ ۲۵

728 عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من خرج من بیته متطهرا الی صلوة مکتوبة فاجره کاجر الحاج المحرم ۲۶

اس حدیث پاک کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی طرف نکلنے والے کو ثواب کو محرم کے ثواب کیساتھ تشبیہ دی اسوجہ سے کہ جیسے حج کے اندر قولی وفعلی احرام ہوتا ہے ایسے ہی نماز کے اندر بھی قولی وفعلی احرام ہوتا ہے علامہ ابن الملک نے اسکا ظاہری مطلب یہ بیان کیا کہ محرم کے ثواب کے برابر اس نمازی کو بھی ملیگا دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا کہ جیسے حاجی کو اس کے خطوات کا ثواب ملتا ہے ایسے ہی نمازی کو بھی اس کے اقدام کا ثواب ملتا ہے تو گویا اول جو ہے اسکے اندر تو کیفیۃ وکمیۃ دونوں کے اعتبار سے برابری کی گئی اور یہاں صرف خطوات کے ثواب ملنے میں تشبیہ ہے تیسرا مطلب علامہ توربشتی نے یہ فرمایا کہ نہ کمیۃ نہ کیفیۃ کے اعتبار سے تشبیہ ہے اور نہ کسی اور اعتبار سے بلکہ مقصود حضور کا مبالغہ فی الثواب ہے تسبیح الضحی اس سے مراد نفل نماز ہے

728 دونوں کا اطلاق صرف نماز نفل پر اس وجہ سے ہوتا ہے کہ جب وہ نماز نفلی ہے واجب یا فرض نہیں ایسے ہی 70/11
اسکی تسبیح کا بھی حال ہے بخلاف فرائض کے کہ ان کو تسبیح کے ساتھ موسوم نہیں کیا جاتا باوجودیکہ اسکے
اندر تسبیح ہوتی ہے اسلئے کہ وہاں نماز اور تسبیح میں مناسبت نہیں بلکہ نماز فرض اور تسبیح نفل ہے
لاینصبہ لفظ الیاء روایۃ ہے کتاب فی علیین کتاب مکتوب کے معنی میں ہے اور علیین سے مراد
دفتر خیر ہے لیکن ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی مراد جنت ہے بعض علماء نے اس کی مراد آسمان لیا
ہے شراح نے علامہ طیبی کا اتباع کرتے ہوئے اس کی دفتر خیر ہی مراد لیا ایک لطیفہ سنئے ۔ ایک محدث
ہیں علامہ عبدالوھاب بن محمد فارسی وہ درس دے رہے تھے تو ان کو اکثر خلجان واقع ہوتا تھا
انہوں نے اسکو پڑھا نار فی غلسین بجائے کتاب فی علیین کے۔ ان کے درس میں ایک اور محدث امام
محمد بن ثابت خجندی بھی بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے اسکے معنی دریافت کئے تو فرمایا کہ جیسے تاریکی کے
اندر نور ہوتا ہے ایسے ہی ایک نماز کے بعد دوسری نماز پڑھنا زیادتی نور کا سبب ہے

729 731 عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مررتم الخ عن فاطمۃ بنت الحسین عن جدتہا رضی اللہ عنہا 70/13-16
اس حدیث پاک میں ریاض الجنۃ کی تفسیر مساجد کیساتھ فرمائی گئی لیکن کتاب الدعوات میں حضرت انس
کی روایت ہے اسمیں تفسیر حلق الذکر کیساتھ کی گئی ہے لیکن ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ
۱۔ مساجد خاص ہے اور حلق الذکر عام ہے کسی راوی نے عام تفسیر کو نقل کیا اور کسی نے خاص کو نقل کردیا
۲۔ حلق الذکر چونکہ عام ہے لہذا اسکو ہم محمول کریں گے خاص یعنی مساجد پر یعنی حلق الذکر سے بھی مساجد مراد ہیں
دوسری حدیث حضرت فاطمہ کی ہے لیکن یہ روایت منقطع ہے ملا علی قاری نے بیان فرمایا کہ انہوں نے اسکو
اپنے والد کے اس حدیث کو نقل کیا ہو گا اور حضور نے اپنے اوپر درود دو وجہ سے بھیجا ایک احتمال تعلیم کیلئے
دوم اس وجہ سے کہ آپ بشر ہونیکی حیثیت سے مکلف ہیں اپنی رسالت کے اقرار کے اور اسکے حق کی ادائیگی کے

732 733 عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال نھی الخ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رأیتم الخ 70/20-22
اس مسجد کے اندر اشعار پڑھنے کے متعلق اس روایت میں لہذا ایسے ہی حکیم بن حزام کی ایک روایت میں
نہی وارد ہوئی ہے ایسے ہی اور بھی متعدد روایات اسبات پر شاہد اور دال ہیں کہ اشعار پڑھنا مسجد کے
اندر جائز نہیں لیکن صحیح مسلم میں حضرت عائشہ کی ایک روایت آرہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
حضرت حسان کیلئے مسجد کے اندر منبر نصب کراتے تھے اور ان سے فرماتے تھے کہ اجب اید کہ
اللہ بروح القدس یعنی تم بھی اشعار کے ذریعہ کفار کا جواب دو اللہ تعالیٰ تمہاری حضرت جبرئیل کے ذریعہ
مدد فرمائیگے اور یہ روایت باب الاشعار کے اندر بھی آرہی ہے۔ ابن خزیمہ نے دونوں کے اندر
جمع یہ کیا کہ روایات جواز اشعار جائزہ پر اور روایات نہی اشعار غیر جائزہ پر مبنی ہیں
اشعار جائزہ وہ جنمیں اسلام کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہو اور
اشعار غیر جائزہ وہ جنمیں مسلمانوں کی ہجو اور اسی قسم کے مضامین ہوں۔ امام ابن نعیم فرماتے ہیں
کہ جن سے نہی معلوم ہوتی ہے وہ روایات محمول ہیں اشعار جاہلیت اور مبطلین کے اشعار پر اور جن
سے جواز معلوم ہوتا ہے وہ محمول ہیں اسلام اور محققین کے اشعار پر۔ حضرت اقدس مولانا

70 / 20-22 خلیل احمد صاحب فرماتے ہیں کہ روایات نہی محمول ہیں کراھۃ تنزیہی پر اور جواز کی روایات بیان جواز کیلئے ہیں 732 / 733
امام طحاوی فرماتے ہیں کہ اگر انسان پر اشعار کے اندر اغراق اور اتنا غلبہ ہو جائے کہ نماز پڑھنے والوں
کو اذیت پہنچے تو ممنوع ہے ورنہ ممنوع نہیں۔ قاضی ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں کہ جن اشعار میں مدح اسلام
اور ثنا باری ہو ان میں اگرچہ تشبیب بھی ہو تب بھی جائز ہے یہ تو مسجد کے اندر اشعار کے سلسلہ میں گفتگو تھی
اب رہا یہ مسئلہ کہ نفس اشعار کا پڑھنا کیسا ہے۔ ائمہ اربعہ کے نزدیک۔ اسحاق بن راہویہ۔ ابو ثور۔
ابن المنذر صاحبین کے نزدیک جائز ہے۔ حضرت ابوبکر حضرت فاطمہ حضرت حسن ابن سیرین کا بھی یہی مذہب
حسن بصری۔ مسروق بن الاجدع عمرو بن شعیب کی رائے میں جائز نہیں۔ ان لوگوں کا استدلال ایک روایت
سے ہے جو صحیحین کے اندر موجود ہے کہ آپ نے فرمایا لان یمتلئ جوف احدکم قیحا یریہ خیر له من ان یمتلئ شعرا
یعنی تمہارا پیٹ کا پیپ سے بھر جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ اشعار سے بھرے۔ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ حضرت
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعار پڑھوائے ہیں اور بہت سی احادیث سے آپ کا اشعار سننا معلوم ہوتا ہے
اور حدیث صحیحین کا مطلب امام طحاوی اور امام ابو عبیدہ نے یہ بتایا کہ اغراق پر محمول ہے **وان**
یتحلق الناس لوگوں کو آپ نے حلقہ سے منع فرمایا چند وجوہ سے ۱۔ اس سے لوگوں کی اذیت ہوتی ہے
۲۔ شور و شغب ہوتا رہتا ہے ۳۔ مصلین کی ہیئت کے خلاف ہے ابوداؤد کی روایت میں ہے
عن التحلق دوسری حدیث ابو ہریرہ کی ہے جسکے متعلق مسئلہ پہلے گزرا کہ گمشدہ شئی دو حال سے خالی نہیں
یا تو وہ مسجد میں گم ہوئی ہے یا مسجد سے باہر اگر باہر گم ہوئی تو مسجد میں تلاش کرنا جائز نہیں ہے اور
اگر مسجد کے اندر گم ہوئی تو خادم سے کہہ کے تلاش کر سکتا ہے لیکن شور و شغب جائز نہیں ہے

70 / 23,27 **عن حکیم بن حزام قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان یستقاد الخ عن ابی سعید الارض کلها مسجد الا المقبرة** 734 / 736
اس حدیث کے اندر قصاص کو مسجد میں لینے سے ممانعت اس وجہ سے فرمائی کہ اس میں تلویث مسجد ہوتی ہے
اور حضور نے تنظیف اور طہارۃ کا حکم دیا ایسے ہی حدود کو مسجد میں قائم کرنے سے منع فرمایا لیکن اس
مسئلہ میں اختلاف ہے امام صاحب امام شافعی امام احمد۔ اسحاق بن راہویہ کے نزدیک ناجائز ہے اور
امام مالک کے نزدیک اگر تھوڑی سی حد جاری کرنی ہے تو جائز ہے۔ ابن ابی لیلی۔ امام شعبی کے نزدیک
مطلق جائز ہے دوسری حدیث حضرت ابو سعید کی ہے جسکے اندر مقبرہ اور حمام کے اندر نماز پڑھنے
سے ممانعت فرمائی۔ امام احمد کے نزدیک مقبرہ میں مطلقا جائز نہیں خواہ وہ قبر منبوشہ ہو یا غیر منبوشہ
ہو خواہ قبر پر پڑھے یا غیر قبر پر پڑھے خواہ وہاں الگ جگہ ہو نماز کیلئے یا نہ ہو لیکن اگر پڑھ لے
کوئی تو اب کیا حکم ہے ان کی ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ صحیح نہیں ہوگی لیکن دوسری روایت یہ ہے کہ ہو جائیگی
سفیان ثوری۔ امام صاحب۔ صاحبین کے نزدیک نماز پڑھنی مکروہ ہے لیکن اگر الگ جگہ نماز کیلئے ہو تو
لا باس بہ۔ امام مالک کی اس مسئلہ میں تین روایات ہیں ۱۔ لا باس بہ ۲۔ مکروہ ہے ۳۔ اگر
مقابر کفار کی ہے تو ناجائز ورنہ جائز ہے۔ امام شافعی کے نزدیک وہ قبر یا تو منبوشہ ہوگی یقین
کیساتھ یا غیر منبوشہ ہوگی بالیقین یا دونوں میں شک ہے اگر منبوشہ ہو بالیقین ہے تو ناجائز ہے
اور غیر منبوشہ ہو یقینا تو مع کراھۃ التنزیہ جائز ہے اور اگر شک ہے تو اصح القول یہ ہے کہ جائز نہیں

734 اور دوسرا قول یہ کہ جائز ہے۔ امام ابو ثور فرماتے ہیں کہ مطلقاً ناجائز ہے یہ اختلاف مقبرہ کے متعلق تھا 70/23
736 ایسے ہی حمام میں بھی اختلاف ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے مع الکراہت۔ امام احمد کے نزدیک
ناجائز ہے اور دوسری روایت یہ کہ جائز ہے اگر وہ پڑھ لے۔ اور امام ابو ثور کے نزدیک جائز
نہیں ہے جن لوگوں کے نزدیک جائز ہے وہ استدلال کرتے ہیں جعلت لی الارض مسجداً وطهوراً
اور مخالفت جن روایات میں ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ کوئی عارض ہوگا مثلاً قبر پر پڑھنے سے شرک
738 کا احتمال ہے اور حمام بالخصوص تنگ ہوتا ہے نیز اسمیں ازالہ نجس ہوتا ہے اور ماوی الشیطان ہے
739 740 [1] عن ابن عمر قال نھی الخ [2] عن ابی ھریرۃ صلوا الخ [3] عن ابن عباس قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ 71 1,3,4
المزبلۃ جہاں کوڑا وغیرہ پڑا رہتا ہے **المجزرۃ** جہاں پر جانور ذبح ہوتے ہیں یعنی مذبح جسکو کمیلا کہتے ہیں
قارعۃ الطریق وسط طریق ان تمام کے اندر جمہور کے نزدیک مع الکراہت جائز ہے اور ~~امام احمد~~ حنابلہ
کی دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ اگر کوئی پڑھیگا تو دوہرائے اگر طہارۃ ہے تو جائز ہے دوسری روایت یہ کہ
جائز نہیں ہے اور وسط طریق میں جمہور کے نزدیک کپڑا بچھاکر پڑھنا جائز ہے اور روایت میں مخالفت
اس وجہ سے ہے کہ اپنی نماز میں مشغول ہے دوسرے یہ کہ گندگی ہوتی ہے **معاطن الابل** حنابلہ کا
مشہور قول یہ ہے کہ جائز نہیں مسئلہ ماقبل میں جلد اول کا پانی کے اندر گذر گیا ہے **فوق ظہر بیت اللہ**
جمہور کے نزدیک جائز ہے اور امام شافعی کے نزدیک اگر اوپر سترہ کی قسم کی کوئی شی ہے تو جائز ہے
ورنہ نہیں اور امام احمد کے نزدیک اگر بطریق نافلہ ہے تو سترہ کیساتھ جائز ہے لیکن ابن قدامہ نے
مغنی کے اندر تصریح کی ہے کہ بغیر سترہ کے بھی حنابلہ کے نزدیک جائز ہے دوسری حدیث ابو ہریرہ کی ہے
جمہور کے نزدیک یہ حدیث کراہت پر محمول ہے کراہت تنزیہی۔ کیونکہ اسمیں خشوع ختم ہوجاتا ہے اور 3
بعض دفعہ نماز بھی باطل ہوجاتی ہے حضرات حنابلہ نے فرمایا کہ حضور نے مخالفت اس وجہ سے کی کہ بعض ابل میں نماز
پڑھنے سے خرابی ہے اور وہ جن سے پیدا کیے گئے ہیں ابن حبان فرماتے ہیں کہ جن سے پیدا نہیں کیے گئے بلکہ
جنات کیساتھ پیدا کیے گئے ہیں یا وہ کلام مجاز پر محمول ہوگا کہ جیسے جن ڈرانے والے ہوتے ہیں ایسے ہی
ابل وغیرہ سے بھی ڈر لگتا ہے۔ تیسری حدیث حضرت ابن عباس کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے 4
لعنت فرمائی ہے **زائرات القبور** پر اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حضور نے اولاً سب کو زیارت قبور
سے منع فرمادیا تھا چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ انی نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا میں پہلے تمہیں منع کیا تھا
لیکن خبردار اب زیارت کیا کرو تو اب حکم دیا ہے زیارت کا۔ اب یہ کہ فزوروھا کے مخاطب صرف مرد ہیں
یا عورت بھی ہیں علامہ حازمی وعبدری مالکی اور امام نووی کے نزدیک مردوں کو خطاب ہے اور ان لوگوں نے
اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ صرف مردوں کیلئے جائز ہے لیکن حافظ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کا اتفاق کرنا غلط ہے کیونکہ
ابن سیرین۔ نخعی۔ شعبی نے مردوں کو بھی منع کیا ہے لہذا یہ کہا جائیگا کہ سلف میں اختلاف تھا لیکن اب متاخرین
میں اختلاف نہیں ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک عورتیں بھی اس امر میں داخل ہیں جمہور کے نزدیک نوحہ خوانی کیلئے اگر ہو
تو جائز نہیں البتہ تذکر کیلئے جائز ہے چنانچہ حضرت عائشہ اپنے بھائی حضرت عبدالرحمن کے مزار پر زیارت کیلئے گئی تھیں۔
النص جو اس سے واضح ہوگیا کہ جو اعمال اور مراسم تمام ممنوع ہے قاضی ثناء اللہ نے حدیث پر استدلال کیا ہے۔ 5

741 عن ابی امامۃ قال ان حبرًا من الیھود سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای البقاع خیر فسکت عنہ وقال اسکت الخ 71/5
حبرًا کے معنی عالم کے ہیں تحبیر باب تفعیل سے آتا ہے مزین کرنے کے معنی میں چونکہ عالم بھی قرطاس کو اپنے کلام کے
ذریعہ مزین کرتا ہے اسلئے اسکو حبر کہتے ہیں اسکت یہ امر کا صیغہ ہے یا واحد متکلم کا دونوں احتمال ہیں
کہا ہے قال اس کے متعلق ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یا تو حضور نے زبان سے
سے فرمایا یا دل ہی دل میں فرمایا لیکن یہ دونوں احتمال صیغہ واحد متکلم کی صورت میں ہے اور اگر اسکو امر کا صیغہ
پڑھا تو پھر ظاہر ہے کہ حضور نے زبان مبارک سے فرمایا۔ ما المسئول عنها باعلم من السائل کے اندر تین احتمال
ہیں ایک یہ کہ جمیع مسائل علم ہیں دوم یہ کہ مسائل سے کم ہے سوم یہ کہ برابر ہے لیکن عام طور سے اس صورت میں اسکو
استعمال کرتے ہیں جبکہ مسئول عنہ اور سائل برابر ہوں معلوم علم میں ثم قال اس کے پہلے عبارت محذوف ہے
ای ثم ذهب جبرئیل الی الرب فسأل ورجع ثم قال یا محمد الخ اب یہ کہ حضرت جبرئیل اس مرتبہ میں اتنے قریب
کیسے ہو گئے جواب چونکہ پہلی مرتبہ حضور کی تعظیم فرمائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے حبیب ہیں تو
حبیب کی تعظیم سے محب کو بھی شفقت ہوئی اور قریب تر فرما لیا۔ جواب ۲: حضرت جبرئیل طالب علم
بنکر گئے تھے اور رحمت وشفقت طالب علم پر ہوتی ہے الف حجاب محجوب محدود ہوتا ہے اس کی لازم
آیا کہ اللہ تعالی محدود ہیں نعوذ باللہ منہ۔ امام ابوبکر فورک نے جواب دیا کہ یہ حجاب ہماری نگاہوں کے اعتبار سے
ہوں اس سے تحدید مقصود نہیں بلکہ مبالغہ مقصود ہے۔ علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث پاک
صحیح ہے لیکن یہ صحیح نہیں بلکہ اسکے اندر تاویل ہوگی۔ البتہ دوسرے الفاظ کیساتھ یہ حدیث دوسری کتب
میں موجود ہے۔ ابن حجر مکی سے سوال کیا گیا کہ جب حضرت جبرئیل نے سوال کیا تو یہ ہر دو صحابہ
گئے تھے یا موجود رہے انہوں نے فرمایا کہ یہ اپنی جگہ موجود رہے کسی کی حرکت ہے کہ بلا حائل اس جگہ رہ کر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ذکر کیلئے رب کو بھی ایسا محبوب کی تعظیم کرنی پڑی

اصل مصنف کے اندر بیاض ہے

742 الفصل الثالث: عن ابی هریرة من جاء عن الحسن مرسلا یأتی الخ عن السائب بن یزید 71/10
هذا ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ هذا کا مشار الیہ مسجد نبوی ہے جو مدینہ منورہ میں واقع ہے۔ مولانا
عبدالغنی محدث دہلوی انجاح الحاجۃ کے اندر تحریر فرماتے ہیں کہ اس سے عام مسجد مراد ہے مسجد نبوی کی تخصیص
نہیں یعنی جنس مسجد مراد ہے یتعلمه او یعلمه اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں تعلیم وتعلم جائز ہے لیکن امام مالک
سے نقل کیا گیا کہ اگر شور وشغب ہو تو ناجائز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث پاک میں
مسجد میں آنے والے کو مجاہد کہا تو چند وجوہ سے تشبیہ دی ہے ع۱ دونوں اعلاء کلمۃ اللہ کرتے ہیں۔
ع۲ جیسے نماز فرض ہے ایسے ہی جہاد کسی وقت فرض عین اور دوسرے وقت فرض کفایہ ہوتا ہے ع۳ جیسے
جہاد کا نفع متعدی ہے ایسے ہی نماز کا نفع بھی دوسروں کو پہنچتا ہے ع۴ عبد ضعیف کے نزدیک
تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ جیسے مجاہد اپنے نفس کے خلاف کرتا ہے ایسے ہی نمازی بھی مخالفت نفس کرتا ہے
ینظر الی متاع غیرہ یعنی جیسے دوسروں کے مال کو دیکھنے والا حسرت اور رنج میں ہوتا ہے اور خالی ہاتھ ہوتا ہے 11
ایسے یہ بھی ہے کہ مسجد کے اندر آنے کا کوئی ثواب نہ ملیگا۔ دوسری حدیث حضرت حسن کی ہے جسکے اندر
آپ نے ان لوگوں کی مجالست سے منع فرمایا جو مسجد کے اندر گفتگو کرتے ہیں محقق بن ہمام نے لکھا ہے کہ مسجد کے اندر

71/13 جائز بات بھی حسنات کو کھا جاتی ہے فلیس للہ فیھم حاجۃ اسکے مفہوم مخالف سے یہ سمجھ میں آیا کہ اگر 742
کوئی سجدے کے اندر ملکم اللہ کسی قسم کی بات نہ کرے تو اسکی اللہ تعالیٰ کو حاجت ہے نعوذ باللہ منہ جواب ۱ یہاں مفہوم
مخالف معتبر نہیں جواب ۲ اسکے معنی حقیقی مراد نہیں بلکہ اسکے معنی مجازی مراد ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی عبادات کو
قبول نہیں کرتے بلکہ ان سے ناراض رہتے ہیں جواب ۳ کلام علی الحذف ہے فلیس لاہل اللہ حاجۃ یعنی اللہ
لوگوں کو ان کی موجودگی کوئی حاجت نہیں اور ایسے لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ تیسری حدیث کے اندر ہے کنت نائما
مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں المیاھی واقع ہے بخاری کے اکثر نسخوں میں نائما کے بجائے قائما واقع ہوا ہے
حافظ شارح بخاری میں فرماتے ہیں کہ اصول کے اندر بھی بالقاف ہے آگے چلکر فرماتے ہیں کہ بعض نسخوں
میں بالنون ہے ان کی تائید اسمعیلی کی روایت سے ہے جسمیں ہے کنت مضطجعا۔ اس حدیث سے معلوم
ہوا کہ مسجد میں سونا جائز ہے لیکن اس مسئلے میں اختلاف ہے حضرت عمر۔ سعید بن المسیب ابن سیرین
اور امام شافعی کی ایک روایت یہی ہے کہ جائز ہے۔ امام اوزاعی۔ ابن مسعود۔ مجاہد۔ طاؤس کے نزدیک
مکروہ ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر اسکے لئے مسکن ہے تو سونا جائز اور اگر کوئی مسکن نہیں تو جائز ہے
یہی مذہب امام صاحب۔ امام احمد کا ہے۔ حضرت گنگوہی نے کوکب کے اندر حنفیہ کا مذہب بیان فرمایا کہ
اگر ضرورت ہے تو جائز ورنہ ناجائز ہے۔ امام ابوثور کے نزدیک اگر نماز کیلئے آیا تھا اور نیند آگئی تو
جائز ہے سونا ورنہ جائز نہیں ہے بعد میں ان دونوں رجل کے نام کے متعلق حافظ نے فرمایا کہ لا اعلم
البتہ مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ یہ دونوں ثقفی تھے۔ حضرت عمر نے ان کو آواز دینے سے کہ مسجد کے اندر منع فرمایا
علماء نے بیان فرمایا کہ حدیث نزدیک وہ چلانا جائز نہیں البتہ ملکی مسافر ہونے والے کو یا نمازی کو تشویش ہو 746 747 748
71 عن انس قال رأی الخ عن السائب بن خلاد وھو رجل عن معاذ بن جبل قال احتبس عنا
18, 21, 25 حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ نہایت حسین و جمیل تھے اس وجہ سے ناگواری کے اثرات جلد چہرہ انور پر
نمودار ہو جاتے تھے چونکہ اس شخص نے قبلہ کی طرف تھوکا تو آپ کو ناگوار ہوا اور فرمایا کہ جب تم میں کوئی نماز
پڑھتا ہے تو اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے اعتراض ہوا کہ سرگوشی کہتے ہیں کہ ایک آدمی اپنا
منہ دوسرے کے کان کے قریب لیجا کر بات کرے اور یہ تمام اجسام سے متعلق ہیں لہذا اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کیسے
صحیح ہے؟ جواب یہ ہے کہ مناجاۃ کی نسبت جب اللہ رب العزت کی طرف ہو تو اسکی رضاء الٰہی اور توجہ
بیان کرنی مقصود ہوگی۔ وان ربہ بینہ وبین القبلۃ اس سے بھی اللہ تعالیٰ کا محدود ہونا لازم آیا۔ علامہ نووی
نے جواب ۱ دیا کہ یہ مجاز کے قبیل سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ اسکا مقصود قبلہ اور اسکے درمیان ہے اور
اسکا مقصود یہ ہے کہ وہ اپنے رب سے راز و نیاز کی بات کرے اور اللہ تعالیٰ اسکی طرف متوجہ ہوا۔
جواب ۲ کلام علی حذف المضاف ہے ای عظمتہ ربہ بینہ وبین القبلۃ جواب ۳ ای ثواب ربہ الخ جواب ۴ ابن
عبد البر فرماتے ہیں کہ اس کے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ اس جملے سے شان قبلہ کی عظمت بیان کرنی مقصود ہے
71/21 حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس غرض کی بنا پر یہ ادب ہے کہ خواہ وہ مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں ہر صورت کے
اندر ہر صورت میں قبلہ کی طرف تھوکنا جائز نہیں۔ دوسری حدیث حضرت صاحب کی ہے وھو رجل من الخ
اسکے احمد بن صالح امام ابوداؤد کے استاد مراد ہیں ادب یہ ہے کہ اس شخص نے قبلہ کی طرف تھوکا اسکی دو

عـ ۸ بیان کی ع۸ عدم علم کی وجہ سے تھوک دیا ع۲ وہ منافق تھا اور قبلہ کی عظمت اس کے دل میں نہیں تھی لیکن
اول اظہر ہے ۸ صحیح ہے اور حضور کا یہ سختی فرمانا اس کی اذیت کی وجہ سے ہے اذیت اللہ و رسولہ ایذاء کا معنی
ہیں امر مقصود یہ کہ اس کو کسی شئی سے پہنچانا اور یہ تاثیر و تاثر احیاء کا تشبیہ سے ہے لہذا ایمان مراد عدم
رضاء الٰہی ہے ع۲ ارشاد تھا کہ اگر تحسین کلام کیلئے ہے ع۳ تبرک کیلئے ہے تشبیہ کا حدیث اعوذ بمعاذ کی 71/24
احتبس یہ مجہول و معروف دونوں طرح ۹ ضبط ہے فنعست ابن العربی مالکی فرماتے ہیں ۸ اونگھ آیا یہ سہواً غیر اختیاری تھا کیونکہ
یہ نہیں ہو سکتا ۸ آپ سو کر اونگھتے رہیں اور نماز میں بھی مشغول رہیں ہو دانا ملہ اس سے مراد انواع خیر کے اشراف ہیں
فعل فنت اس سے مراد وقفہ اشیاء ہیں اور وہ امور جو ملا اعلیٰ کے درمیان ہیں اس کا علم غیب کا ثبوت ہوا قطعاً حضور کیلئے نہیں
ہو سکتا امددت یہ صیغہ خطاب کا ہے ۸ ہو جھ سے یہی مشہور ہے اور مشترک ہو ۸ تمام اعمال کا فاقہ الخیر ہیں ابن العربی فرماتے
ہیں ۸ اس کے اندر بعض جہلاء نے تصحیف کی اور متکلم کا صیغہ پڑھا انہا۔ کی ضمیر رویا کی طرف یا کلمات دعا کی طرف
راجع ہے مصنف فرماتے ہیں حدیث حسن صحیح۔ اس پر اشکال ہوتا ہے ۸ حسن کہتے ہیں جس میں کسی قسم کی صفت
عدالت ضبط کے اعتبار سے قصور ہو اور صحیح کہتے ہیں ۸ جس میں بالکل قصور نہ ہو لہذا ایک حدیث حسن صحیح کیسے ہو گئی
جواب ۱ مختلف اسانید کے اعتبار سے فرما دیا جواب ۲ حسن لذاتہ صحیح لغیرہ جواب ۳ مصنف کو تردد ہو گیا جواب ۴ حسن سے
معنوی معنی مراد ہیں جواب ۵ یعنی درمیان ہیں جیسے کسی چیز کے متعلق کہا جاتا ہے حلو حامض جیسا مدائن ۸ اور ترک درمیان ہیں 72
عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص عن عطاء بن یسار عن معاذ بن جبل عن النبی ﷺ عن ابی ذر ای صبیحۃ صح 10,12,13,15,18
آپ کی اکثر ادعیہ امت کی تعلیم کیلئے اور تواضع پر مشتمل ہوں تعین الشیطان حفظ ۸ اس کے اندر ملا علی قاری نے احتمال ذکر
کئے ہیں شیطان مراد ہے ع۲ ابلیس لعین مراد ہے ع۳ قرین مراد ہے دوسری حدیث حضرت عطاء کی ہے وثناً 11
ملا علی قاری فرماتے ہیں ۸ اس کے دو مطلب ایک مثل الوثن اور ایک یہ ۸ لوگ اس کی طرح عبادت کرنے لگیں اگر
صاحب شیخ الحدیث مدظلہ نے راجح قرار دیا ہے چنانچہ ابن ابی شیبہ کی روایت میں لا تجعلوا قبری وثنا یصلی الیہ او کلام 13
تیسری حدیث کے اندر ہے الحیطان ملا علی قاری فرماتے ہیں ۸ اس کی جمع ہے اور مطلب یہ ہے کہ قریب نماز پڑھنا
کو آپ پسند فرماتے تھے تاکہ ۸ راستہ چلنے والوں کو تشویش نہ ہو۔ امام ابو داؤد طیالسی فرماتے ہیں ۸ اس سے مراد باغ اور بعض روایات
جو حدیث میں گزرا ہے اس کے مصداق ہی یہی ہیں ہو سکتا ہے وہ باغ ہو اسی وقت کو ابن العربی نے بیان کیا اس کے علاوہ
دوسری توجیہات علامہ سیوطی نے بیان کیں ع۱ آپ کی اور نماز کی برکت درخت کے پھلوں میں ہے ع۲ اور جن کی زیارت کیلئے
اس کی توضیح اسباب ہے ہی ۸ اگر زائر بزرگ کے ادب سے ہے تو چند رکعت نماز دعا پڑھے تاکہ دعا کی تکمیل برکت حاصل کر لے ع۳ قدسی
تشویش ہے کہ نماز پڑھتے تھے جو نفل حدیث حضرت انس کی ہے جب اللہ مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی کو برابر قرار دیا اور الحدیث ثواب کو 15
پچاس ہزار بیان کیا حالانکہ فاصل میں ایک ہزار کا ذکر تھا اور یہ تھا ۸ مسجد نبوی کا اندر اسکے ماسوی کہیں ہے الا المسجد الحرام ۔
جواب پہلے ایک ہزار تھا پھر زیادہ ہو گیا۔ علاوہ دوسرا اشکال کا جواب یہ ہے کہ حدیث ضعیف ہے اسکا راوی ابو الخطاب
امام منذری فرماتے ہیں ۸ اس کی جرح و تعدیل موجود نہیں ہے ذہبی نے اسکو مجہول قرار دیا ہے پانچویں حدیث پر اشکال ہے کہ دونوں مسجد کی تعمیر
چالیس سال کا فاصلہ بیان کرنا صحیح نہیں کیونکہ مسجد حرام کو ابراہیم نے اور مسجد اقصیٰ کو سلیمان علیہما السلام نے بنایا اور ان دونوں کے درمیان کا
زمانہ کا فاصلہ ابن حبان نے جواب دیا ۸ دونوں کے درمیان اگر ابراہیم و سلیمان کا فاصلہ ہزار سال سے زیادہ ہوگا بلکہ حدیث سے معلوم ہو گیا ۸ چالیس سال کا فاصلہ ہے لیکن
یہ ابن حبان کے مغالطہ سے لہذا جواب یہ ہے کہ اس سے بنا ابراہیم و سلیمان علیہم السلام کی بنا مراد نہیں بلکہ بنا اولیں جو آدم کے ہاتھوں ہوئی
کعبۃ اللہ کو سب سے پہلے فرشتوں نے بنایا پھر آدم علیہ السلام نے پھر شیث نے پھر نوح نے پھر ابراہیم نے [illegible] پھر جرہم نے پھر عمالقہ نے پھر قصی بن کلاب نے پھر قریش نے پھر
پھر عبداللہ بن زبیر نے پھر حجاج ظالم نے بنایا

749
750
751
752
753